تذکرہ

اہلِ بیتِ اطہار

مصنفین

پروفیسر سید محمد امین قادری

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

تذکرۂ اہل بیت

ترتیب

پروفیسر سید محمد امین قادری
ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب:	**تذکرۂ اہل بیت**
ترتیب:	پروفیسر سید محمد امین قادری ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی
سنۂ اشاعت:	نومبر ۲۰۱۴ء
صفحات:	344
تعداد:	500
قیمت:	

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ
پوسٹ CDF نزد جمال پور، ریلوے کراسنگ
انوپ شہر روڈ، علی گڑھ، PIN: 202122

تقسیم کار

مکتبہ جام نور
۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-6
فون نمبر: 011-23281418

انتساب

حضور اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ عینی مارہروی قدس سرہٗ
کے نام
جن کی سیادت کی تائید اور تصدیق خود
سید السادات حضرت مرتضیٰ علی اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہما نے فرمائی
اور
قطب زماں، قبلۂ جسم و جاں، شمس الملۃ والدین، شمس مارہرہ
سیدنا شاہ ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ
کی بارگاہ مقدسہ میں
جن کے ظاہری و باطنی فیضان سے خانوادۂ برکات کی رونق دوچند ہوئی

یا آل احمد خذ بیدی
یا شاہ حمزہ کن مددی

فہرست مضامین

١	انتساب	ادارہ	٣
٢	پیش لفظ	سید محمد امین قادری	٦
٣	فضائل اہل بیت: قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	١١
٤	اہل بیت اطہار کا مقام: سلف صالحین کی نظر میں	مولانا اختر حسین فیضی	٥٥
٥	امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن	ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی	٨٧
٦	واقعاتِ کربلا- پس منظر وپیش منظر و مابعد	ڈاکٹر سید سراج اجملی	١٣١
٧	حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ	مفتی آل مصطفیٰ مصباحی	١٤٩
٨	حضرت سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء	ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی	١٧٣
٩	حضرت امام حسن مجتبیٰ کی حیات وخدمات	پروفیسر غلام یحییٰ انجم	٢٠٥
١٠	حضرت امام حسین: حیات ومناقب	مولانا منظر الاسلام ازہری	٢٣٩
١١	زینب بنت علی رضی اللہ عنہما	مولانا نفیس احمد مصباحی	٢٦٩
١٢	امام زین العابدین: حیات وشخصیت	مولانا اسید الحق عاصم القادری	٢٨٧
١٣	حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	مفتی قطب الدین رضا مصباحی	٣١١

منظوم خراجِ عقیدت

١	سلام بہ حضور اہل بیت کرام	امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی	٣٣٠
٢	سلام بہ حضور امام عالی مقام	سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی	٣٣٢

۳	فاطمہ کا چاند مہر آسمانِ اہل بیت	مولانا حسن رضا خاں حسؔن بریلوی	۳۳۳
۴	چلی حیات شہیداں کی گفتگو اب تک	سید آل رسول حسنین میاں نظمؔی	۳۳۵
۵	کربلا - ایک حکائیہ	شرف ملت سید محمد اشرف قادری	۳۳۶
۶	درس ہے وہ شانِ تسلیم و رضا میرے لئے	قاضی غلام سجاد بسمؔل بدایونی	۳۳۹
۷	حسن کا منتہی نبی عشق کی انتہا حسین	سید عابد علی عابؔد بریلوي	۳۴۱
۸	اب ظلم سوچتا ہے کہ بیعت کہاں سے لائے	عرفان صدیقی، بدایونی	۳۴۲
۹	کربلا تجھ کو شہادت کا چمن کہتے ہیں	یاور وارثی	۳۴۳
۱۰	سیرت حسنین شرح مصحف روئے علی	محمد قاسم حبیبی برکاتی	۳۴۴

پیش لفظ

حضرات ’’اہل بیت اطہار‘‘ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہیں۔ ان کی عظمت اور مرتبہ کی بلندی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے والے اور ان سے خونی نسبت رکھنے والے ہیں اور اس نسبت کو اللہ تبارک وتعالی نے آیۂ طہارت کے ذریعے ایسا مضبوط و مستحکم کر دیا ہے کہ صبح قیامت تک اہل بیت اطہار کے مرتبہ و درجات کی بلندی اور ان کے تقدس اور فضیلت پر کوئی شک وشبہ کرنے کی مجال نہ کر سکے گا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں ان کی ازواج مطہرات کو بھی شمار کرنا لازمی ہے لیکن عام طور پر جب اہل بیت کی بات کی جاتی ہے تو ذہن و دل انہیں کی جانب مرکوز ہوتا ہے، جن صاحبوں کو ردائے مبارک میں لے کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اہل بیت فرمایا اور قرآن نے جن کی طہارت پر مہر تصدیق لگائی۔

ان میں وہ علی مرتضٰی ہیں جن کو ’’باب علم نبی‘‘ سے تعبیر کیا گیا اور جن کو رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے شب ہجرت بستر رسالت پر استراحت کا حکم دے کر اہالیان مکہ کی امانتوں کا امین بنایا۔ ان میں وہ سیدۂ کائنات فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، جن کے طیب و طاہر وجود سے بے پناہ شفقت اور محبت کے سبب کونین میں سب سے زیادہ تعریف کیے ہوئے رسول اور تمام ایمان والوں کے مرکز عقیدت و محبت ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ یہ وہ فاطمۃ الزہرا ہیں کہ جن کی بارگاہ میں دنیا بھر کے خطیب جمعہ کے منبر پر ’’سیدۃ نساء العالمین فی الجنۃ‘‘ کہہ کر سلام پیش کیا کرتے ہیں۔ یہیں وہ حسنین کریمین بھی ہیں جن کو اگر رسول حالت خطبہ میں دیکھ لیں تو آغوش مبارک دراز فرما دیں اور اگر اپنے رب کی بارگاہ میں سربسجود ہوں تو بھی اپنے نور نظر کی تالیف قلب کے لئے سجدے کو طویل فرما دیں، کیوں کہ یہی تو وہ امت کے سردار تھے جن کا ایک سجدہ کربلا میں صبح قیامت تک کے مومنوں کے تمام سجدوں کا محافظ اور شریعت محمدیہ کی حفاظت کا

ضامن رہے گا۔ ان اہل بیت میں وہ عابد بیمار سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جو شب عاشورہ ظلم کی تاریکیوں سے محصور خیموں میں چراغ نسل مصطفیٰ کی شکل میں روشن تھے اور اسی چراغ سے آج اتنے چراغ روشن ہیں کہ فقیر کا دعویٰ ہے کہ کرۂ ارض کا کوئی خطہ اور حصہ ایسا نہ ہوگا جو ان آل مصطفائی شعاؤں سے روشن نہ ہو۔ وہ زینب کبریٰ بھی ان میں شامل ہیں جو دانائی اور جرأت مندی کا سر چشمہ تھیں، خاندان مصطفیٰ کی وہ عالی ہمت اور بلند حوصلہ بیٹی کہ جس کے صبر و استقلال اور قائدانہ صلاحیتوں کو آج بھی سرزمین کربلا یاد کرتی ہوگی کہ ’’اے دختر علی! اس لٹے ہوئے قافلے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو اکھٹا کر کے لے جانا تمہارے ہی قلب وجگر کا حصہ تھا، ورنہ تو اس برق ستم سے بڑے بڑے پتھر دل والے بکھر کے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔‘‘

آج عالمی سطح پر کچھ مخصوص فرقے حضراتِ اہل بیت کے ذکر کو کچھ ہلکے اور سطحی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں بالخصوص واقعات کربلا کے منظر اور پس منظر کے حوالے سے لوگوں کے دلوں سے ان تمام واقعات کی حقانیت اور حضرت شہید کربلا کی بے مثال قربانی کی اہمیت کو نظر انداز کر کے یزید اور اس کے ہمنواؤں کو نواسۂ رسول کے مقابل صحیح بلکہ حق بہ جانب ثابت کرنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں (معاذ اللہ)۔ حقیقت میں یہ مہم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جہاں سے ناموس رسالت پر حملے کیے جاتے رہے ہیں اور ہو بھی رہے ہیں لیکن نہ کل حفظ ناموس رسالت کے علم برداروں کی کمی تھی نہ بفضلہٖ تعالیٰ آج ہے۔

آج سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہماری موجودہ نسلیں مذہبی معلومات، اسلامی شخصیات، صحابہ، اہل بیت، اولیا، اصفیا اور ائمہ وغیرہم کی حیات وخدمات تو دور، ان کے نام نامی اسم گرامی تک سے واقفیت نہیں رکھتیں الا ماشاء اللہ۔ تو ایسی صورت میں نئی نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف کرانا بے حد ضروری ہے۔ لہٰذا ہم سب اپنی اپنی سطح پر کوشش کریں کہ صورت حال کسی طرح سے تبدیل ہو اور مذہب کے تئیں دلچسپی لینے کا سلسلہ مضبوط سے مضبوط تر ہو۔

زیر نظر کتاب ’’تذکرۂ اہل بیت اطہار‘‘ اہل سنت کی آواز کے خصوصی شمارہ ’’اہل بیت اطہار‘‘ میں شامل مقالات ومضامین اور مناقب کا مجموعہ ہے۔ ’’اہل بیت اطہار‘‘ کے فضائل و مناقب، احوال وخدمات پر ’’اہل سنت کی آواز‘‘ کا یہ خصوصی شمارہ نومبر ۲۰۱۳ء/ ۱۴۳۵ھ میں دار الاشاعت برکاتی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے زیر اہتمام منظر عام پر آیا۔ اہل علم، ارباب قلم اور

اصحاب فکر و دانش نے ’’اہلِ سنت کی آواز‘‘ کے اس علمی پیش کش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور خوب خوب سراہا، ساتھ ہی مسلسل اس بات کا تقاضہ کرتے رہے کہ اُسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو اس سے یہ ہمیشہ کے لیے محفوظ بھی ہو جائے گی اور افادیت بھی بڑھ جائے گی۔

ہم سب کو اپنے ان قدر دانوں کی رائے بے حد پسند آئی لیکن بعض ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے اس جانب خصوصی توجہ نہیں دی جا سکی۔ لیکن اس سال قوی ارادہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ عرس قاسمی کے موقع پر ایک دو کتابیں تو منظر عام پر آ ہی جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خواہش کو پورا کیا، اور اب یہ شمارے کتابی شکل میں آپ کے سامنے حاضر ہیں۔

اس خصوصی شمارے میں شامل مقالات کے حصے میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ البتہ مناقب کے گوشہ سے صرف ۱۰/ مناقب کو کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اصل شمارے میں احوال وکوائف خانقاہ برکاتیہ کے حصے کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت ساری اغلاط کی بھی تصحیح کی گئی اور مضامین کی ترتیب وتسہیل میں بھی تبدیلیاں کی گئیں ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اہل بیت اطہار پر اردو زبان میں شائع شدہ اہم معلوماتی کتابوں میں شمار کی جائے گی۔

مشمولات کتاب میں ابتدائی مضامین مثلاً اہل بیت اطہار کا مقام اور فضیلت: قرآن و سنت کی روشنی میں، صحابہ اور اہل بیت کے مابین مراسم ظاہری اور باطنی اور اہل بیت کا مقام سلف و صالحین کی نظر میں وغیرہم وقیع مواد پر مشتمل ہیں، ان مضامین کے علاوہ حضرات پنجتن پاک، حضرت امام زین العابدین، حضرت سیدہ زینب اور حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کی حیات وخدمات پر معروف اصحاب علم وقلم کے مضامین شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہمارے قارئین کو حیات اہل بیت سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ’’اہل سنّت کی آواز‘‘ سواد اعظم اہل سنّت و جماعت کا قدیم رسالہ ہے جس کی ابتدا تاج العلما حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہٗ اور ان کے دونوں ہمشیر زادے یعنی سیدین مارہرہ (سید العلما حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی واحسن العلما حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی) قدس سرہما نے فرمائی، یہ حضرات بہت دقت نظر اور محنت کے ساتھ اس رسالے کی تحریر، ترتیب اور طباعت کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور پھر اس رسالے کی اشاعت جدید کا سلسلہ ہم سب بھائیوں کی نگرانی میں شروع ہوا

جو بحمدہ تعالیٰ تسلسل اور تواتر کے ساتھ جاری ہے اب تک تقریباً ۲۰؍ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

الحمد للہ! ’’ اہل سنت کی آواز‘‘ سواد اعظم کا ایک معروف علمی و تحقیقی مجلّہ ہے جو روز افزوں اپنا علمی و تحقیقی معیار میں اضافے کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ آج یہ اہل سنت کا ایسا منفرد رسالہ بن چکا ہے جس کے ہر شمارے سے اہل علم کے ذوق مطالعہ کو بالیدگی ملتی ہے۔

اب تک تقریباً ۲۰؍ شمارے شائع ہو چکے ہیں اس رسالے کی جانب سے جو بھی خصوصی شمارے سامنے آئے ان کی تفصیل یہ ہے: عظمت توحید، عظمت قرآن، عظمت تصوف، قصیدہ نور کا، مصطفیٰ جان رحمت، غوث الاعظم، خواجہ غریب نواز، اکابر مارہرہ، عشرہ مبشرہ، اہل بیت اطہار وغیرہ۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ’’اہل سنت کی آواز‘‘ کے خصوصی شمارے کو علیحدہ سے یکے بعد دیگرے کتابی شکل میں لاتے رہیں، مجھے امید ہے کہ قارئین کو ہم خادمان خاندان برکات کی یہ کوشش ضرور پسند آئے گی۔ الحمد للہ! اس سال ان مذکورہ بالا شماروں میں سے اشاعت کے لیے دو شماروں کا انتخاب کیا گیا اور حسن اتفاق وہ انتخاب بھی بہت با معنی اور سعادت آثار ہے، یعنی تذکرۂ اہل بیت اور عشرۂ مبشرہ۔

برادر عزیز سید محمد اشرف قادری خانوادے کے لئے نعمت عظمیٰ ہیں۔ ان کا تعمیری ذہن، مدبرانہ صلاحیتیں، جمالیاتی ذوق، علم کے پھیلاؤ کے تئیں رغبت، خانقاہ کی تعمیر اور مشائخ کے پیغام کی ترویج و اشاعت میں دلچسپی نے خانقاہ برکاتیہ کو شہرت دوام دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ برادر عزیز سید نجیب حیدر و سید محمد افضل سلمہم کی خانقاہ کے لیے خدمات اور ان تمام امور میں دلچسپیاں خانقاہ اور دیگر اداروں کے ترقیوں کی ضامن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو خوش و خرم اور صحت مند رکھے۔ آمین۔

الحمد للہ! ہمارے فرزند ارجمند سید محمد امان سلمہٗ کے زیر نگرانی ’’البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ‘‘ بہت تسلی بخش انداز میں کام کر رہا ہے۔ یہاں فارغ التحصیل علمائے کرام دور جدید کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔ مذکورہ دونوں کتابوں کی اشاعت بھی اسی ادارے کے زیر اہتمام منظر عام پر آ رہی ہے۔ عزیزی ڈاکٹر احمد مجتبیٰ سلمہٗ ان تمام علمی کاموں میں خود کو منہمک رکھے ہوئے ہیں اور ان کتابوں کی اشاعت میں بھی ان کی معاونت شامل رہی ہے۔ ان کی سعادت مندانہ خدمات خانقاہ سے متعلق بہت سے علمی کاموں کو ہمارے لیے سہل بنا دیتی ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں دارین میں کامران فرمائے۔

مکتبہ جام نور، دہلی نے ان دونوں کتابوں کی طباعت کی ذمہ داری کو اپنے اہتمام میں لے کر دین کے تئیں نہایت مخلصانہ رویے کا اظہار کیا۔ برادرم غلام ربانی صاحب کو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہم سب بے حد ممنون ہیں مولانا نعمان احمد ازہری، مولانا توحید احمد مصباحی، مولانا سید نور عالم صاحبان کے جن کی وجہ سے جامعہ البرکات (علی گڑھ) میں تمام دینی و مذہبی کاموں میں ہر قسم کا تعاون ہمہ وقت حاصل رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی آفس کے تمام اہل کار اعراس کے مواقع پر دن رات مصروف رہتے ہیں ان حضرات کا بھی بے حد شکریہ۔

عزیزی ارشاد عالم نعمانی کتابوں کی ترتیب و تدوین کے آخری مراحل میں شامل ہوئے اور کما حقہ اپنا تعاون پیش کیا۔ مولانا موصوف کا مذہبی صحافت میں نوجوان علما میں ایک نمایاں نام ہے ان کے تعاون نے بھی اس کام کو کافی تقویت بخشی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

جامعہ احسن البرکات مارہرہ مطہرہ کے متعلم عزیزی مولوی مغیث احمد سلمہٗ نے ان تمام کتب کے سلسلے میں بہت جاں فشانی سے کام کرتے ہوئے اپنی مختلف صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور جامعہ احسن البرکات سے ایک باصلاحیت، صاحب قلم عالم دین کی شکل میں فارغ التحصیل کرے اور مخلص عالم کی حیثیت سے دین و ملت کی خدمت کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔ بجاہ الحبیب الامین۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے خاندان برکات کی نئی پیڑھی میں اسلاف شناسی اور خانقاہ کے علمی وقار کو آگے بڑھانے کے لیے عزم و حوصلہ عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے عزائم اور حوصلوں میں مزید توانائی اور بالیدگی عطا فرمائے۔

سید محمد امین قادری

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ
وصدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

فضائل اہل بیت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری
بانی ورکن المجمع الاسلامی، مبارک پور

یہ امر بدیہی ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اس کے خویش واقارب اور اعوان وانصار سے بھی ضرور محبت کرتا ہے اور یہ فطرت کا بھی تقاضا ہے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کا بھی یہی حکم ہے۔

ایک بندے کو اللہ تعالیٰ سے جو رب العالمین ہے محبت ہونی ہی چاہیے اور اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس کے نبیوں اور ولیوں سے بھی محبت ہو اور جب نبی سے محبت ہوگی تو نبی کے آل واصحاب سے بھی محبت لازمی ہے۔ بلکہ ایک مومن کو تو ہر اس چیز سے محبت ہونی چاہیے، جسے نبی سے نسبت ہو، اور آل نبی کو تو خصوصی نسبت بلکہ جزئیت کا شرف حاصل ہے، لہٰذا ان کے اندر الگ سے کوئی خصوصیت اور فضیلت نہ بھی ہوتی تو محض جزئیت مصطفیٰ ہی محبت وعقیدت کے لیے کافی تھی، لیکن یہاں تو آل نبی سے محبت کا حکم بھی ہے، امت پر ان کے بے پایاں احسانات بھی ہیں، لہٰذا ان سے محبت حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی اور حق الرسول بھی۔

ذیل میں قرآن پاک اور حدیث رسول کی روشنی میں اہل بیت اور آل نبی کے مقام ومرتبے اور ان سے محبت ومودت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ذکر اہل بیت قرآن میں

سورہ احزاب میں ازواج مطہرات کو ہدایت وارشاد کے ضمن میں فرمایا:

اِنَّـمَا یُـرِیْـدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْس اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِرکُمْ تَطْھِیْراً(۱)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔ (کنزالایمان)

یعنی اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم اپنے کو گناہوں کی نجاست سے آلودہ نہ کرو۔ اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور اہل بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات، حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا، علی مرتضیٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب داخل ہیں۔ آیات و احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی حضرت امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ ان آیات میں (جو پہلے گزریں) اہل بیت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ و پرہیز گاری کے پابند رہیں، گناہوں کو ناپاکی سے اور پرہیز گاری کو پاکی سے استعارہ فرمایا گیا، کیوں کہ گناہوں کا مرتکب ان سے ایسا ہی ملوث ہوتا ہے جیسا جسم نجاستوں سے۔ اس طرز کلام سے مقصود یہ ہے کہ ارباب عقول کو گناہوں سے نفرت دلائی جائے اور تقویٰ و پرہیز گاری کی ترغیب دی جائے۔ (۲)

ایک خاص فرقہ اس آیت میں ازواج مطہرات کو داخل نہیں مانتا اور طرح طرح کی موشگافیاں کرتا ہے۔ اہل علم نے ان کا مسکت جواب دیا ہے، اس کے لیے تحفہ اثناعشریہ اور الصواعق المحرقہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے نہایت اجمال کے ساتھ عرض ہے کہ ہمارے محاورے میں اہل خانہ بیوی کو کہتے ہیں اور اہل خانہ کا ترجمہ اہل بیت ہے، عربی میں بھی اہل الرجل کو اہل الدار اور اہل البیت کہتے ہیں، اردو میں گھر والی بولتے ہیں لہٰذا سیاق کلام سے پتا چلتا ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں

اور ہمارے محاورے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ مولیٰ علی، فاطمہ زہرا اور حسنین پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں یا نہیں، تو ہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک ازواج مطہرات کے ساتھ مولائے کائنات، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین بھی اہل بیت ہیں۔ جن روایات سے ان کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خصوصی طور پر اہل بیت فرمایا ہے، ورنہ محاورے کے لحاظ سے ان کا شمار اہل بیت میں نہ ہوتا، اور سرکار کے ارشاد سے اب یہ خصوصیت اس قدر رواج پذیر ہوئی کہ مطلق اہل بیت بولنے سے اب یہی حضرات مخصوصین کی طرف ذہن کا تبادر ہوتا ہے، لیکن ان روایات کی بنیاد پر حقیقی اہل بیت یعنی ازواج مطہرات کو خارج ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

ایک بات اور قابل توجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنی عبائے پاک کے سائے میں علی و فاطمہ و صاحبزادگان (رضی اللہ عنہم) کے لینے میں حکمت یہ ہے کہ نسب عرب میں باپ سے چلتا ہے غالباً دیگر ممالک میں بھی یہی دستور ہے، ماں سے نسب نہیں چلتا ہے، اس قاعدے سے حسنین پاک کو اولاد ابو طالب اور نسل ابو طالب میں شمار ہونا چاہیے تھا، لیکن سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ آپ کا نسب پاک فاطمہ زہرا سے چلا اور ان کی اولاد کو سرکار نے اپنی اولاد فرمایا اور حضرت علی تو آقا کے گھر کے پروردہ ہی تھے اور فاطمہ زہرا تو جگر کا ٹکڑا ہی تھیں، لہٰذا آقا نے انہیں اور ان کی اولاد کو خصوصی اہل بیت کا درجہ دیا، حضور انہیں خاص نہ فرماتے تو یہ حضرات اہل بیت میں شمار نہ ہوتے۔ اتنی صاف سیدھی بات کو بھی بعض لوگوں نے پیچیدہ بنا ڈالا اور قرآن میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے، اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے۔ آمین

علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں بھی اسی بات کو بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

واختلفت الاقوال فی اهل البیت والأولی ان یقال هم اولاده و ازواجه و الحسن والحسین منهم وعلی منهم لأنه کان من اهل بیته بسبب معاشرته ببیت النبی علیه السلام و ملازمته للنبی. (۳)

اہل بیت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں اور بہتر یہ قول ہے کہ اہل بیت سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد و ازواج ہیں اور حسن و حسین بھی انہی میں ہیں اور حضرت علی بھی انہی میں ہیں، کیوں کہ وہ بھی گھر والوں ہی میں ہیں کہ ان کا رہنا سہنا حضور علیہ السلام ہی کے گھر میں تھا اور آپ حضور ہی سے جڑے ہوئے تھے۔ (یعنی اپنے والد کے انتقال کے بعد حضور ہی کے ساتھ آپ اقامت پذیر اور زیر تربیت تھے)

میں کہتا ہوں اہل بیت کے بارے میں اس سے اچھی اور سچی بات اور نہیں کہی جاسکتی، ہاں حرمت صدقہ کے سلسلے میں ان کے علاوہ بنی عم (بنی عقیل، بنی جعفر، بنی عباس، بنی حارث) بھی شامل ہیں جیسا کہ آگے اس کا بیان آتا ہے۔

آیت مباہلہ

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ O اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ O فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ O (۴)

عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ اے سننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک والوں میں نہ ہونا۔ پھر اے محبوب! جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (کنزالایمان)

حضرت صدرالافاضل ان آیات کے پس منظر اور تفسیر میں فرماتے ہیں:

نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، آپ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں؟ فرمایا: ہاں اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے کلمے جو کنواری بتول عذرا کی طرف القا کیے گئے۔ نصاریٰ یہ سن کر بہت غصے میں آئے اور کہنے لگے یا محمد! کیا تم نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے؟ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ صرف بغیر باپ ہی کے پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر مٹی سے پیدا کیے گئے، تو جب انہیں اللہ کی مخلوق اور بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا مخلوق و بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے؟ (۵)

آگے فرمایا جاتا ہے کہ یہ رب عزوجل کی طرف سے بالکل حق ہے اس میں شک نہیں کرنا چاہیے، لیکن نصاریٰ نے ماننے سے انکار ہی کیا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ہی کہتے رہے، تو رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا: کہ اگر اب بھی یہ جھگڑا کریں اور نہ مانیں تو ان سے مباہلہ کرو جس کی تفصیل یہ ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو یہ آیت مباہلہ پڑھ کر سنائی تو کہنے لگے کہ ہم غور اور مشورہ کرلیں پھر کل آپ کو جواب دیں گے۔ جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے عالم (پادری) اور صاحب رائے شخص عاقب سے کہا ''اے عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا ''اے جماعت نصاریٰ تم پہچان جاؤ کہ محمد نبی مرسل ہیں اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے، اب اگر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑو اور گھر لوٹ چلو'' یہ مشورہ ہونے کے بعد وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں تو امام حسین ہیں اور دست مبارک میں حسن کا ہاتھ اور فاطمہ اور علی حضور کے پیچھے ہیں (رضی

اللہ تعالیٰ عنہم) اور حضور ان سب سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا، نجران کے سب سے بڑے نصرانی عالم (پادری) نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا، اے جماعت نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے پہاڑ کو ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے، ان سے مباہلہ نہ کرنا، ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سن کر نصاریٰ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مباہلہ کی تو ہماری رائے نہیں ہے، آخرکار انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا مگر مباہلہ کے لیے تیار نہ ہوئے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے نجران والوں پر عذاب قریب آ ہی چکا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں مسخ کر دیے جاتے اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا اور نجران اور وہاں کے رہنے والے پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے عرصے میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ (٦)

یہاں ایک سطحی اعتراض اور اس کا مسکت جواب بھی ملاحظہ کرلیں:

بعض لوگوں (اہل تشیع) نے یہاں یہ بات ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں، تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ تاریخ کی معتبر کتابوں (ناسخ التواریخ اور کافی وغیرہ) میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں اور اس روز خاتون جنت کا اکیلے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں انتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت رقیہ نے ۲ھ میں، حضرت زینب نے ۸ھ میں اور حضرت ام کلثوم نے ۹ھ میں انتقال فرمایا، اور یہ واقعہ ۱۰ ہجری کا ہے۔ **علی ابیھن و علیھن افضل الصلوۃ واطیب التسلیمات۔** (۷)

واقعہ مباہلہ میں حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا اور حضرات

حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو فضیلت اور ان کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دیگر روایات کے ساتھ صحیح مسلم شریف جلد ۲، صفحہ ۲۷۸، کی وہ روایت بھی موجود ہے جس کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ آیت مباہلہ میں صحیح ترین روایت کے مطابق یہی حضرات اہل بیت ہیں جن میں حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں، لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کی فضیلت میں کوئی آیت نہیں جب تک کہ کوئی ضعیف یا موضوع حدیث کا سہارا نہ لیا جائے، یہ قول کاکوری کے مولوی عبد الشکور خارجی کا ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب ''خلفاے راشدین'' میں درج کیا ہے، جو اہل بیت اور مولیٰ علی سے بغض کی ایک واضح علامت ہے۔

اہل بیت حبل اللہ ہیں

(۳) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۸)

اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

حضرت صدر الافاضل مراد آبادی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

حبل اللہ کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے، مسلم کی حدیث شریف میں وارد ہوا کہ قرآن پاک حبل اللہ ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہے جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حبل اللہ سے جماعت مراد ہے اور فرمایا کہ تم جماعت کو لازم کر لو کہ وہ حبل اللہ ہے جس کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۹)

اور یہی صدر الافاضل علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''سوانح کربلا'' میں فرماتے ہیں:

ثعلبی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمہ سے روایت کی کہ آپ نے آیت ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم (اہل بیت) حبل اللہ ہیں۔ (۱۰)

حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں:

بعض مفسرین نے فرمایا کہ حبل اللہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک ہے لہٰذا آل رسول کی غلامی ہدایت و نجات کا مناجہ ہے اور بعض کے نزدیک حبل اللہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، جیسے کنویں میں گمراہی دی رسی پکڑ کر اوپر آتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ نیچے والے لوگ حق تک پہنچتے ہیں۔ (۱۱)

آیت مودت

(۴) قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (۱۲)

تم فرماؤ میں اس (تبلیغ رسالت اور ارشاد و ہدایت) پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، مگر قرابت کی محبت اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لیے اس میں اور خوبی بڑھائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور انصار نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمے مصارف بہت ہیں اور مال کچھ بھی نہیں، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات یاد کر کے حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہت سا مال جمع کیا اور اس کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور کی بدولت ہمیں ہدایت ہوئی، ہم نے گمراہی سے نجات پائی، ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے مصارف بہت زیادہ ہیں اس لیے ہم یہ مال خدام آستانہ کی خدمت میں نذر کے لیے لائے قبول فرما کر ہماری عزت افزائی کی جائے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور نے وہ مال واپس فرما دیے۔ (۱۳)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اے کفار قریش میری دعوت پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم مجھے ایذا تو نہ دو میری قرابت کا خیال کرو یا میری قرابت ہی کی وجہ سے میری دعوت پر غور کرو اور یہ تو دیکھو کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو بس اللہ

پر ہے، اس صورت میں مخاطب کفار قریش ہیں۔

اور ایک تفسیر یہ ہے کہ میں اس تبلیغ دین پر تم سے کچھ اجر نہیں چاہتا ہاں یہ چاہتا ہوں کہ تم آپس میں اپنی قرابتوں کا لحاظ کرو، رشتوں کو جوڑو، کاٹو نہیں، یعنی صلہ رحمی سے کام لو اور میرے قرابت داروں کو بھی نہ بھولو، اس میں مخاطب اہل ایمان ہیں۔

تیسری تفسیر وہی ہے کہ تقرب الی اللہ حاصل کرو یعنی ”قربیٰ“ سے تقرب مراد ہے۔

ہر ایک کی تائید احادیث سے ہوتی ہے تفصیل کے لیے درمنثور للامام جلال الدین السیوطی اور دوسری تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے اس کی ایک تفسیر وہ ہے جو اخص اہل بیت یعنی پنج تن پاک سے متعلق ہے، اس کے کچھ شواہد ملاحظہ ہوں:

- ابونعیم اور دیلمی نے بطریق مجاہد روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ تم اقربا میں رشتہ محبت رکھو، یعنی میرا لحاظ و پاس میرے اہل بیت میں کرو اور ان سے میری وجہ سے محبت کرو۔ (۱۴)
- سعید بن جبیر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں (سند ضعیف ہے اور فضائل میں ضعیف مقبول ہے) کہ جب آیت **قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ** نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: **یا رسول الله من قرابتک هولاء الذین وجبت مودتهم قال: علی و فاطمة وولداها.**

یا رسول اللہ آپ کے قرابت والے وہ کون ہیں جن کی محبت واجب ہے؟

فرمایا: علی، فاطمہ اور اس کے دونوں بیٹے۔ (۱۵)

حضرت سعید بن جبیر کے سامنے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”**قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ**“ سے کیا مراد ہے؟ تو جھٹ سعید بن جبیر نے فرمایا۔ اس سے مراد آل محمد ہیں، تو ابن عباس نے فرمایا اے سعید تم نے جلدی کی قریش کی ہر شاخ میں حضور کی قرابت تھی تو اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اور

تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کا لحاظ کرو اسے کاٹو نہیں بلکہ جوڑو۔ (۱٦)

یعنی حضرت سعید بن جبیر کے نزدیک آل رسول مراد ہیں اور حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق اس سے خاندان قریش کے تمام ہی قرابت دار مراد ہیں۔

- ابن یزید نے ابوالدیلم سے روایت کیا کہ جب حضرت علی بن حسین یعنی امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کربلا سے) قیدی بنا کر لائے گئے اور دمشق کے راستے پر ایک جگہ قیام کیا، تو ایک شامی اٹھا اور کہا: خدا کی حمد کہ تم لوگوں کو مار ڈالا اور تمہارا قلع قمع کیا (معاذ اللہ) تو حضرت امام زین العابدین (علی بن حسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ کہا: ہاں، پھر کہا کیا تو نے آل حٰمٓ پڑھا؟ کہا نہیں، پھر فرمایا: کیا تو نے **قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ** نہیں پڑھا؟ کہا کیا تمہیں لوگ ہو جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، حضرت امام نے فرمایا: ہاں (ہم ہی ہیں) (۱۷)
- ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت بیان کی وہ آیت مودت کے آخری ٹکڑے ”**ومن یقترف حسنة نزد له فیها حسنا**“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں حسنۃ (نیکی) سے مراد محبت آل محمد ہے (صلی اللہ تعالیٰ علی محمد وآلہ وصحبہ) (۱۸)

اگرچہ اکثر مفسرین نے حسنہ کو عام رکھا ہے لیکن مودت آل نبی یا قرابت رسول کو بھی اس میں شامل کیا ہے اور خصوصیت کے لیے بھی قرینہ موجود ہے کہ اس سے متصل ہی مودت قربیٰ موجود ہے۔

مرج البحرین کی ایک تفسیر

(۵) **مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ o بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ** (۱۹)

اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے اور ہے ان میں روک کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا، (کنز الایمان)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ. یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (۲۰)

تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے ابن مردویہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت درمنثور میں یہ نقل کی ہے کہ البحرین (دو سمندر) سے مراد حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں، اور اللؤ لؤ و المرجان سے مراد حضرات امام حسن و امام حسین ہیں۔ (۲۱)

اہل بیت کی سخاوت

(٦) **ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیراً . انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزآء ولا شکورا. الآیة. (۲۲)**

اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری نہیں مانگتے۔

(کنزالایمان)

یعنی کھانے کی چاہت اور محبت ہے اس کے باوجود ضرورت مندوں کو کھلاتے ہیں، یا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں۔

اس کے پہلے کی آیت یہ ہے "یُوفُونَ بِالنَّذرُ وَ یَخَافُونَ یَوماً کانَ شرُّہٗ مُستَطِیُرا" (اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے، کنزالایمان)۔ یعنی قیامت کے دن سے جس کی سختی اور شدت بڑی طویل ہے۔

حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اس آیت کا نزول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں ہوا۔ (واقعہ یہ ہے کہ) حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے، ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر (منت) مانی اللہ تعالیٰ نے صحت دی، نذر کی وفا (پورے کرنے) کا وقت آیا سب صاحبوں نے روزے رکھے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی سے تین صاع (یہ ایک پیمانہ ہے) جو لائے، حضرت خاتون جنت نے ایک ایک صاع

تینوں دن پکایا، جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک روز مسکین، ایک روز یتیم، ایک روز اسیر آیا اور تینوں روز یہ سب روٹیاں ان لوگوں کو دے دی گئیں اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔ (۲۳)

امام جلال الدین سیوطی درمنثور میں ابن مردویہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ کے حق میں نازل ہوئی۔

اس آیت میں اسیر کے معنی مملوک (غلام) اور قیدی دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ تفاصیل، تفاسیر میں ملاحظہ ہوں۔

بعض مفسرین نے اس واقعے کی تضعیف اور بعض نے تکذیب کی ہے اور روایت و درایت دونوں اعتبار سے مخدوش قرار دیا ہے، روایت پر میں فی الحال بحث نہیں کرتا اس کے لیے ذرا فرصت درکار ہے، لیکن درایت کے خلاف بتانا مقام اہل بیت اور سیرت و اخلاق اہل بیت کے عدم ادراک سے ناشی ہے، اگر ہر محیر العقول واقعہ کو درایت کے خلاف سمجھ کر رد کر دینے کا یہ طریقہ روا رکھا جائے گا تو ہزاروں ان واقعات کا انکار کرنا پڑے گا جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔

آیت درود اور اہل بیت

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے فرمایا:

ان الله و ملٰئکته یصلون علی النبی یآایها الذین امنو اصلو اعلیه وسلموا تسلیما (۲۴)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (کنزالایمان)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا ہم کو حضور نے سلام کا طریقہ بتا دیا ہے یعنی التحیات میں **السلام علیک ایها النبی و رحمة الله**

و بر کاته، لیکن آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ تو سرکار نے ارشاد فرمایا: یوں کہو۔

اللھم صلِ علی محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم انک حمید مجید. الھم بارک علی محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید.

یہ روایت کعب بن عجرہ کی ہے، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے۔ **اللھم صلی علی محمد عبدک و رسولک۔ (۲۵)**

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے استفسار پر اپنے ساتھ، اپنی آل پاک پر بھی صلوٰۃ اور دعا سے برکت کا حکم دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اہل بیت سے جدا نہیں اور نہ اہل بیت حضور سے، کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف حضور پر درود کا حکم دیا لیکن سرکار نے اپنے ساتھ آل کو بھی شامل فرمایا گویا یہ حدیث آیت درود کی تفسیر ہے۔

اس سے اہل بیت اطہار کے مقام و مرتبے کا پتا چلتا ہے اور یہ بھی کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی آل سے کس قدر محبت ہے کہ اپنی آل کو درود میں شامل فرما دیا، اب قیامت تک جب بھی درود خصوصاً درود ابراہیمی پڑھا جائے گا حضور کے ساتھ آپ کی آل پر بھی درود و سلام پڑھا جائے گا۔

اس مضمون کی احادیث اور دیگر صحابہ سے بھی مروی ہیں، بعض روایات میں آل کے ساتھ ازواج اور ذریت کے الفاظ بھی آئے ہیں، اختصار کے پیش نظر انہیں مذکورہ روایات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مقام اہل بیت-احادیث کی روشنی میں

احادیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کرام کے فضائل و مقامات کو خوب بیان فرمایا ہے، اور ان کی محبت و مودت کا حکم دیا ہے۔

یوں ہی صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی ان کی شان میں بڑے پاکیزہ اور احترام آمیز کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام و اکرام کا برتاو کیا ہے، جو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس سلسلے کی احادیث تو بہت ہیں، ہم یہاں ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں جن کے مطالعے سے ہمارے قلوب میں محبت اہل بیت کی جو شمع روشن ہے، وہ اور بھی تیز ہو جائے گی، اور دشمنان اہل بیت کے مکر و کید سے بھی حفاظت ہوتی جائے گی۔ اب احادیث مطہرہ کو ملاحظہ کریں اور اپنے ایمان کو جلا بخشیں:

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: احبوا اللہ لما یخذوکم من نعمہ و احبونی بحب اللہ و احبوا اھل بیتی لحبی. (۲۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، اور مجھ سے اللہ کی محبت کے سبب محبت کرو، اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن فرمایا۔ (۲۷)

اس حدیث پاک میں محبت اہل بیت کے حکم کے ساتھ محبت کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی سے کیوں محبت کی جائے۔

(۲) عن ابن عمر عن ابی بکر رضی اللہ عنھما قال: ار قبوا محمدا فی اھل بیتہ. (۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس ولحاظ ان کے اہل بیت میں کرو۔

یعنی اہل بیت کرام کا اعزاز و اکرام دراصل سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و اکرام ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ تمام صحابہ

کرام میں سب سے بڑا ہے۔ لہٰذا ان کا یہ قول مبارک بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، اور اس سے اہل بیت اطہار کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(۳) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو۔

والذی نفسی بیده لقرابة رسول الله صلی الله علیه وسلم احب إلی ان اصل من قرابتی.

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔ (۲۹)

(۴) محمد بن زیاد نے کہا، میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، انہوں نے فرمایا:

اخذ الحسن بن علی تمرة من تمر الصدقة فجعلها فی فیه فقال النبی کخ کخ لیطرحها ثم قال اما شعرت انا لاناکل الصدقة. (۳۰)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے (بچپن کے عالم میں) صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی تو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: کخ کخ (چھی چھی) تاکہ وہ منہ سے نکال دیں۔ پھر فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم (اہل بیت) صدقہ نہیں کھاتے۔ (بخاری)

اس سے بھی آل رسول کی پاکیزگی اور مقام کی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے لیے شریعت نے صدقہ و زکوٰۃ کو حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ مال کا میل ہوتا ہے جو ان پاکیزہ نفوس کے لیے ہرگز مناسب نہیں۔

(۵) ابن ابی نعیم نے کہا، میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا جب ان سے ایک عراقی مسلمان نے پوچھا کہ ”محرم (احرام والا) اگر مکھی کو مار ڈالے تو کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: عراق والے مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھتے (یعنی بڑے متقی بنتے) ہیں حالانکہ انہوں نے بنت رسول (فاطمہ زہرا) کے لاڈلے (امام حسین) کو شہید کر دیا، جب کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن و حسین دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔ (۳۱)

اس واقعے سے اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرام واقعۂ کربلا سے کس درجہ متأثر تھے کہ ایک عراقی نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے مدینہ جا کر واقعۂ کربلا اور شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر چھیڑ دیا اور اہل عراق کے مظالم بیان کر کے ان کی مذمت کی، جب کہ گمان غالب یہی ہے کہ سائل قاتلین میں سے نہ تھا، ورنہ مکھی مارنے کا مسئلہ نہ پوچھتا۔

(۶) **عن العباس بن عبد المطلب قال کنا نلقی النفر من قریش وهم یتحدثون فیقطعون حدیثهم فذکرنا ذلک رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ما بال اقوام یتحدثون فاذا رأوا الرجل من اهل بیتی قطعوا حدیثهم والله لایدخل قلب رجل الإیمان حتی یحبهم لله ولقرابتهم منی.** (۳۲)

حضرت عباس بن عبدالمطلب (حضور کے چچا) سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرتے ہیں، تو وہ بات کرتے کرتے رک جاتے ہیں۔ تو اس کا ذکر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، سرکار نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ بات کرتے ہوتے ہیں پھر جب میرے اہل بیت سے کوئی ان کے پاس سے گزرتا ہے تو اپنی بات بند کر دیتے ہیں۔ خدا کی قسم کسی آدمی کے دل میں اس وقت تک ایمان نہیں داخل ہو سکتا، جب تک کہ میرے اہل بیت سے اللہ کے لیے اور میری قرابت داری کے سبب محبت نہ کریں۔

اس حدیث کو احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے بھی نقل کیا ہے۔ یہ حدیث پاک اہل بیت اطہار کی اہمیت و فضیلت کو خوب اجاگر کرتی ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ ”اہل بیت کی محبت کے بغیر کوئی ایمان دار نہیں ہو سکتا“۔ اور پھر ان سے محبت کے لئے فرمایا ”اللہ کے لیے اور میری قرابت داری کا پاس و لحاظ کے سبب

ان سے محبت کی جائے‘‘ یعنی اہل بیت سے محبت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت ہے۔

(۷) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال سمعت النبی صلی اللـه تعالیٰ علیه وسلم یقول علی هذا المنبر ما بال رجال یقولون ان رحم رسول الله لا تنفع قومه یوم القیمة: بلی والله ان رحمی موصولة فی الدنیا والآخرة. الحدیث. (۳۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس منبر پر فرماتے سنا ہے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا نسب یا رشتہ کام نہیں آئے گا قیامت کے دن، کیوں نہیں، اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی رشتہ دنیا و آخرت میں ملا ہوا ہے۔ (یعنی نفع بخش ہے)

اس حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف میں طعن کرنے والوں کی کھلی مذمت ہے، اور یہ کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف کا فائدہ دنیا و آخرت دونوں جہاں میں ملنے والا ہے۔

(۸) عن الحسن بن علی رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ألزموا مودتنا اهل البیت فانه من لقی الله وهو یودنا دخل الجنة بشفاعتنا والذی نفسی بیده لا ینفع عبدا عمله الا بمعرفة حقنا. (۳۴)

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے لوگو!) ہم اہل بیت کی محبت کو لازم کر لو اس لیے کہ جو اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ وہ ہم (اہل بیت) سے محبت کرتا ہے، تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں جائے گا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کسی شخص کو اس کا عمل اسی وقت فائدہ دے گا جب کہ وہ ہمارے حق کو پہچانے۔ یعنی ہماری تعظیم و توقیر کرے اور محبت و حسن سلوک سے پیش آئے۔ (۳۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل بیت سے محبت کرے گا اسی کو شفاعت نصیب ہوگی۔ اس لیے کہ اہل ایمان کے لیے محبت رسول کی طرح محبت آل رسول بھی ضروری ہے۔

(۹) عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی الله عنه عن ابیه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یؤمن عبد حتی اکون احب الیه من نفسه وأهلي احب الیه من اهله و عترتی احب الیه من عترته و ذاتی احب الیه من ذاته. (۳۶)

عبد الرحمٰن ابی لیلیٰ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ ایمان والا نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کے نفس سے زیادہ اسے محبوب نہ ہو جاؤں، اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے اس کے نزدیک محبوب تر نہ ہو جائیں، اور میری عترت (اولاد) اسے اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے، اور میری ذات اسے اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

(۱۰) عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه رفعه، اربعة انا لهم شفیع یوم القیامة المکرم ذریتی و القاضی لهم حوائجهم والساعی لهم فی امورهم عند ما اضطروا الیه والمحب لهم بقلبه ولسانه. (۳۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے روز جن کے لیے میں شفاعت کرنے والا ہوں اور وہ ہیں:

۱- میری اولاد کی عزت و تکریم کرنے والا۔
۲- ان کی حاجات کو پورا کرنے والا۔
۳- اور ان کے معاملات کے لیے تگ و دو کرنے والا جب وہ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں۔

۴- اور دل و جان سے ان سے محبت کرنے والا۔

اس حدیث میں آل رسول کی عزت و تکریم اور ان سے محبت کرنے والے کے لیے سرکار نے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ محبّ اہل بیت کا بہت بڑا اعزاز و اکرام اور انعام ہے۔

(۱۱) عن ابی مسعود الانصاری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من صلی صلاة لم یصل فیها علی و علی اهل بیته لم تقبل منه وقال ابو مسعود رضی الله عنه لو صلیت صلاة لا أصلی فیها علی محمد ما رأیت ان صلاتی تتم. (۳۸)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی اور اس نے مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھا، اس کی نماز قبول نہ ہوگی اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں نماز پڑھوں اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھوں، تو میں نہیں سمجھتا کہ میری نماز کامل ہوئی۔

اس حدیث سے نماز میں درود پڑھنے کی تاکید کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہ حضور کے ساتھ آل رسول پر بھی دورد شریف پڑھنا مطلوب ہے۔ ورنہ نماز کی قبولیت بہت خطرے میں پڑ جائے گی۔ احناف کے نزدیک نماز میں درود پڑھنا سنت ہے، جب کہ امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔

(۱۲) عن واثلة الأسقع رضی اللّٰه عنه قال خرجت انا أرید علیا رضی الله عنه فقیل لی هو عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فأممت إلیهم فاجدهم فی حظیرة من قصب رسول الله علیه وسلم و علیاً و فاطمة و حسنا و حسینا رضی الله عنهم قد جمعهم تحت ثوب فقال اللهم انک جعلت صلواتک و رضوانک علی وعلیهم. (۳۹)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے ارادے سے باہر نکلا، تو کسی نے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں، تو میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا، اور جب میں وہاں پہنچا تو انہیں حضور نبی اکرم کی چادر مبارک کے گھیرے کے اندر پایا اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم، ان سب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے کے نیچے جمع کر رکھا تھا، تو آپ نے فرمایا: اے اللہ بے شک تو نے اپنے درود اور اپنی رضا کو مجھ پر اور ان پر خاص کر دیا ہے۔

اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے کہ حضور اکرم کے ساتھ درود شریف میں آل رسول کو بھی اللہ تعالیٰ نے شامل فرمایا ہے، جو اہل بیت رسول کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔

(۱۳) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: النجوم لأهل الارض من العرق و اهل بیتی امان لأمتی من الاختلاف فاذا خالفتها قبیلة من العرب اختلفوا فصاروا حزب ابلیس. (۴۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارے زمین والوں کو غرق ہونے (یعنی بھٹکنے) سے بچانے والے ہیں اور میرے اہل بیت، میری امت کو اختلاف سے بچانے والے ہیں اور جب کوئی قبیلہ عرب ان کی مخالفت کرتا ہے تو ان میں اختلاف پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ شیطان کی جماعت ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں اہل بیت کی ایک بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ان کو امت کی ہدایت اور اختلاف سے نجات کا ذریعہ بنایا گیا ہے، یعنی اہل بیت سے جو محبت رکھے گا ہدایت پر رہے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ گمراہی کا شکار ہو جائے گا۔

(۱۴) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: مثل اهل بیتی مثل سفینة نوح علیه السلام من رکب فیها

نجا و من تخلف عنها غرق۔

(۱۵) وفی روایة عن عبد الله ابن الزبیر رضی الله عنهما قال: من رکبها سلم و من ترکها غرق. (۴۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا غرق ہوگیا۔ اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جو اس میں سوار ہوا وہ سلامتی پا گیا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ غرق ہوگیا۔

(۱۶) اسی کے مثل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں اتنا حصہ زائد ہے:

”ومن قاتلنا فی آخر الزمان فکا نما قاتل مع الدجال.“

اور آخری زمانے میں جو ہم اہل بیت سے قتال یعنی جنگ کرے گا گویا وہ دجال کے ساتھ قتال کرنے والا ہے، یعنی وہ دجال کے ساتھیوں میں شمار ہوگا۔ (۴۲)

(۱۷) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ان لله حر مات ثلاثة من حفظهن حفظ الله امر دینه و دنیاه ومن ضیعهن لم یحفظ اللّٰه له شیئا فقیل وما هن یا رسول الله قال حرمة الإسلام و حرمتی و حرمة رحمی. (۴۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کی تین حرمتیں ہیں، جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے دین اور دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تینوں کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا۔ تو عرض کیا گیا یارسول اللہ وہ کونسی تین حرمتیں ہیں؟ فرمایا: اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔

حرمت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا ہے اور جس کی توہین و بے وقعتی حرام و گناہ ہوتی ہے۔

(۱۸) عن علی رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: النجوم امان لاهل السماء فاذا ذهبت النجوم ذهب أهل السماء وا هل بیتی امان لا هل الارض فاذا ذهب أهل بیتی ذهب اهل الارض. (۴۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لیے امان ہیں تو جب ستارے ختم ہوجائیں (یعنی قیامت کے دن) اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں تو جب میرے اہل بیت ختم ہوجائیں گے تو اہل زمین بھی ختم ہوجائیں گے۔

یعنی اہل بیت کے وجود سے زمین اور اہل زمین کا وجود ہے۔ قریب قیامت جب ان کا وجود ختم ہوجائے گا، تو زمین والے بھی اپنا وجود کھو بیٹھیں گے۔ یہ اہل بیت کرام کی ایک عظیم فضیلت ہے اور ان کی عظیم منزلت۔

(۱۹) عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ستة لعنتهم و لعنهم الله و کل نبی مجاب کان الزائد فی کتاب الله والمکذب بقدر الله والمسلط بالجبروت لیعز بذلک من اذل الله و یذل من أعزه الله و المستحل لحرم الله والمستحل من عترتی ما حرم الله والتارک لسنتی. (۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور ہر نبی جو مستجاب الدعوات ہوتا ہے، وہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے۔ وہ چھ لوگ یہ ہیں:

۱- جو کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا ہو (یعنی اپنی طرف سے بڑھانے والا)۔

۲- اور اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا ہو۔

۳- اورظلم و جبر کے ساتھ تسلط (غلبہ) کوحاصل کرنے والا ہو، تا کہ اس کے ذریعے اسے عزت دے سکے جسے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے، اوراسے ذلیل کر سکے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے۔

۴- اوراللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کوحلال کرنے والا۔

۵- اورمیری عترت یعنی اہل بیت کی حرمت کوحلال (پامال) کرنے والا۔

۶- اورمیری سنت کا تارک (چھوڑنے والا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جواہل بیت کی حرمت کو پامال کرے اس پراللہ اوررسول اور ہر مستجاب نبی کی لعنت ہے۔ اس سے بھی اہل بیت کی حرمت ومقام کا پتا چلتا ہے۔

(۲۰) عن ابی سعید قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: والذی نفسی بیده لا یبغضنا اهل البیت رجل الا ادخله الله النار. (۴۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اہل بیت سے کوئی آدمی نفرت نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ اسے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

(۲۱) عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یا بنی عبد المطلب انی سئلت الله لکم ثلثا ان یثبت قائمکم و ان یهدی ضالکم و ان یعلم جاهلکم و سئلت الله ان یجعلکم جوداء نجداء رحماء فلو ان رجلا صفن بین الرکن والمقام فصلی و صام ثم لقی الله وهو مبغض لاهل بیت محمد دخل النار. (۴۷)

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنوعبدالمطلب بے شک میں نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں پہلی یہ کہ وہ تمہارے قیام کرنے والے کو ثابت قدم رکھے، دوسری یہ کہ تمہارے گمراہ کو ہدایت دے، تیسری یہ کہ وہ تمہارے جاہل کوعلم عطا کرے اور میں نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی مانگا ہے کہ وہ تمہیں سخاوت کرنے والا، دوسروں کی مدد کرنے والا اور دوسروں پر رحم کرنے والا بنائے، تو اگر کوئی رکن اور مقام کے درمیان دونوں پاؤں قطار میں رکھ کر کھڑا ہو اور نماز پڑھے اور روزے رکھے اور پھر اللہ سے ملے، اس حال میں کہ وہ اہل بیت سے بغض رکھنے والا ہے، تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ (امام حاکم نے فرمایا کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اہل بیت سے بغض رکھنے والا جہنمی ہے۔

(۲۳) عن علی قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من لم یعرف حق عترتی والا نصار والعرب فهو لأحدی ثلاث: امّا منافق و اما لزنیة و اما امرأۃ حملت به أمه لغیر طهر. (۴۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جوشخص میرے اہل بیت اورانصاراورعرب کا حق نہ پہچانے، تو اس کے اندر تین میں سے ایک چیز پائی جاتی ہے۔ یا تو وہ منافق ہے، یا حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے کہ جس کی ماں بغیر طہر کے (یعنی ناپاکی حالت میں) اسے حاملہ ہوئی۔

اس حدیث میں اہل بیت انصاراورعرب سے بغض رکھنے والوں کے لیے بڑی شدید مذمتیں بیان کی گئی ہیں۔

حدیث ثقلین

(۲۲) عن زید بن ارقم قال: قام رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما فینا خطیبا بماء یدعیٰ خما بین مکة والمدینة فحمد الله و اثنی علیه ووعظ و ذکر ثم قال: أما بعد! ألا ایها الناس فانما انا بشر یؤشک ان یأتی رسول ربی فاجیب و انا تارک فیکم ثقلین اولها کتاب الله فیه الهدیٰ و النور فخذ و بکتاب الله و استمسکوا به فحث علی کتاب الله و رغب فیه ثم قال و اهل بیتی اذکر کم الله فی اهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی فقال له حصین و من اهل بیتی یا زید بن ارقم الیست نساؤہ من اهل بیتهٖ قال نساء ہ من اهل بیت ولکن اهل بیتهٖ من حرم الصدقة بعده

قال ومن هم قال اٰل علی و اٰ ل عقیل و اٰل جعفر و اٰل عباس قال هؤ لاء حرموا الصدقة؟ قال نعم. (۴۹)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ایک تالاب کے پاس کھڑے ہوئے، جسے خم کہا جاتا ہے۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور وعظ ونصیحت فرمائی، اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! میں تو بس ایک انسان ہوں، عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا فرشتہ (یعنی فرشتۂ اجل) میرے پاس آئے گا اور میں اسے لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو! پھر آپ نے کتاب اللہ کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے ابھارا اور اس کی ترغیب دی؛ پھر فرمایا: اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں (کہ کہیں تم بھول کر بھی ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کر بیٹھنا بلکہ ان کے حقوق کا پاس رکھنا)۔

حضرت حصین (راوی) نے حضرت زید سے کہا: کیا حضور کی ازواج مطہرات آپ کی اہل بیت نہیں۔ کہا آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں لیکن (خاص) اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں، (زید نے) فرمایا: آلِ عقیل، آل جعفر، آل عباس ہیں۔ پوچھا یہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں۔ (مشکوٰۃ میں آخر کا حصہ نہیں ہے مزید یہ ہے۔)

وفی روایة: کتاب الله هو حبل الله، من اتبعه کان علی الهدیٰ و من ترکه کان علی الضلالة.

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ کی کتاب جو حبل اللہ (اللہ کی رسی) ہے جو اس کی پیروی کرے گا، ہدایت پر رہے گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا، گمراہ ہو جائے گا۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ ترمذی اور طبرانی وغیرہ میں بھی ہے اور راوی حضرت جابر بن عبداللہ ہیں زید ہی کی روایت ترمذی میں اس اضافے کے ساتھ ہے:

ولن یتفرقا حتی یرد اعلی الحوض فانظر وا کیف تخلفون فیها.

یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے، تو دیکھو تم ان کے ساتھ میرے بعد کیا کرو گے۔ یعنی قرآن کی ہدایت اور اہل بیت کی محبت کو گلے سے لگائے رہنا کہ اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

(۲۴) عن عائشة رضی الله عنها قالت: خرج النبی صلی الله علیه وسلم غداة وعلیه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی رضی الله عنهما فادخله ثم جاء الحسین فدخل معه ثم جاء ت فاطمة فادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال: إنما یرید الله لیذهب عنکم الرجل اهل البیت ویطهر کم تطهیرا. (۵۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کے وقت ایک اونی منقش سیاہ چادر اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے، تو آپ کے پاس حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، آپ نے انہیں چادر شریف میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین آئے، وہ بھی ان کے ساتھ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ آئیں، آپ نے انہیں بھی چادر پاک میں شامل فرما لیا۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ آئے، آپ نے انہیں بھی اس چادر میں لے لیا۔ پھر آپ نے آیت "**انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیرا**". (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے) تلاوت فرمائی۔

یہ حدیث پاک خاص پنجتن پاک کے فضائل پر دال ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں حضرت مولیٰ علی بھی داخل ہیں، اس کو حدیث کساء اور ان اہل بیت کو اصحاب کساء اور آل عباء بھی کہتے ہیں، اس میں اور آیت مباہلہ میں

حضرت مولیٰ علی کی صاف فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، پھر بھی خارجی ذہنیت کے حامل مولوی عبدالشکور لکھنوی کاکوروی نے سیرت خلفائے راشدین میں یہ تحریر کرڈالا۔

ان کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ آپ کی (یعنی حضرت علی کی) فضیلت کسی آیت سے تاوقتیکہ اس کے ساتھ ضعیف وموضوع روایات نہ ملائی جائیں، ثابت نہیں ہوتی۔(۵۱)

اسی حدیث کی وجہ سے حضرات حسنین اور علی فاطمہ رضی اللہ عنہم کو خاص اہل بیت سے یاد کیا جاتا ہے، اور جب مطلق اہل بیت بولا جاتا ہے تو بالعموم یہی ذوات قدسیہ مراد ہوتے ہیں۔

(۲۵) عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه قال: لما نزلت هذه الاٰية ''فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ''۔الآیۃ۔(آل عمران:۳/۶۱)دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا و فاطمة و حسنا و حسينا فقال اللهم هٰولاء اهلی۔(۵۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے فرمایا: جب آیت ''**فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ**'' نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا پھر فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

(۲۶) عن زيد بن ارقم رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعلی و فاطمة والحسن والحسين انا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم. (۵۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی وفاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: جو تم سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا۔ یعنی آل رسول سے جنگ کرنا گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے جنگ کرنا ہے اور ان سے صلح کرنا حضور سے صلح کرنا ہے۔

(۲۷) عن عمر بن ابی سلمة ربيب النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال لما نزلت هذه الاية على النبی صلى الله عليه وسلم ''إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهر كم تطهيراً'' فی بيت ام سلمة رضی الله عنها فدعا فاطمة وحسنا و حسيناً فجعلهم بكساء وعلی خلف ظهره فجعلهٗ بكساء ثم قال: اللهم هؤ لاء اهل بيتی فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا قالت ام سلمة وأ نا معهم يا نبی الله قال انت على مكانک وانت على خير. (۵۴)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروردہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت مبارکہ: **انما یرید اللہ** ....(بس اللہ یہی چاہتا ہے اے اہل بیت! کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک اور خوب ستھرا کردے) نازل ہوئی، تو آپ نے سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور انہیں اپنی چادر میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی آپ کے پیچھے تھے انہیں بھی اپنی چادر میں لے لیا، پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر قسم کی آلودگی دور فرما اور انہیں خوب پاک ستھرا کردے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''یا نبی اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں'' فرمایا: تم اپنے مقام پر رہو اور تم تو بہتر مقام پر فائز ہو۔

اسے امام ترمذی نے روایت کر کے فرمایا حدیث غریب ہے اس طریق سے۔

اس حدیث میں حضرت ام سلمہ کے عرض کرنے پر سرکار کا یہ فرمانا کہ تم اپنے مقام پر ہو اور خیر پر ہو، یعنی تمہارا ازواج مطہرات میں شامل ہونا ہی خیر کی اور اہل بیت میں داخل ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ ان صاحبان (علی وفاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم) کو اہل بیت بتانا ضروری تھا اور ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت علی چوں کہ محرم نہیں

تھے اس لئے ام سلمہ کو چادر شریف میں شامل نہیں فرمایا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اہل بیت میں نہ تھیں جب کہ بعض نافہموں کا یہی کہنا ہے۔

(٢٨) عن عبد السلام بن صالح ابی الصلت الهروی عن علی بن موسیٰ الرضاء عن ابیه عن جعفر بن محمد عن ابیه عن علی بن الحسین عن ابیه عن علی بن ابی طالب رضی الله عنهم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الإیمان معرفة بالقلب وقول باللسان و عمل بالارکان. قال ابو الصلت: لو قرئ هذا الاسناد علی محنون لبرأ. (٥٥)

عبدالسلام بن صالح ابو الصلت ہروی، امام علی بن موسیٰ رضا سے وہ اپنے والد امام موسیٰ رضا سے وہ امام جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد امام محمد سے وہ امام علی بن حسین سے وہ اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان دل سے پہچاننے زبان سے اقرار کرنے اور ارکان اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے۔

ابو الصلت ہروی فرماتے ہیں اگر اس حدیث مبارکہ کی یہ سند پڑھ کر کسی پاگل پر دم کردی جائے، وہ ضرور شفایاب ہوجائے گا۔

اسی سند میں اہل بیت سے سات اسمائے مبارکہ آ گئے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی پاگل پر انہیں پڑھ دیا جائے وہ شفایاب ہوجائے۔

(٢٩) عن عطیة العوفی قال قام کعب رضی الله عنه فاخذ بحجزة العباس رضی الله عنه وقال اد خرها عندک للشفاعة یوم القیامة ولی الشفاعة قال نعم انه لیس احد من اهل بیت نبی یسلم الا کانت له شفاعة. (٥٦)

حضرت عطیہ عوفی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کعب

رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمر پکڑ کر عرض کیا، ”میں اسے قیامت کے دن شفاعت کا ذریعہ بناتا ہوں“ حضرت عباس نے فرمایا، کیا میں شفاعت کروں گا؟ انہوں نے کہا ”ہاں“! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے جو بھی اسلام قبول کرے گا اسے حق شفاعت حاصل ہوگا۔

حضرت کعب صحابی رسول کا اہل بیت کرام کے تعلق سے کیا عقیدہ ہے، یہ خوب واضح ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل بیت سے جو بھی محبت وعقیدت رکھے گا، یہ پاک نفوس اس کی شفاعت فرمائیں گے۔

(٣٠) عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم إن فاطمة احصنت فرجها فحر م الله ذر یتها علی النار. (٥٧)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو جہنم کی آگ پر حرام فرمادیا۔

حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اس حدیث میں ذریت فاطمہ کی عظمت کا واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہنم پر حرام کردیا ہے، اور اس سے پہلے والی حدیث میں ان کو شفاعت کا حق دار فرمایا، اہل بیت کرام کی اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی۔

مذکورہ بالا حدیث میں ذریت فاطمہ کی جہنم سے حفاظت کا ذکر ہے اب حاکم ہی کی دوسری روایت ملاحظہ ہو، جس میں اہل بیت کرام کے بارے میں ہے کہ وہ عذاب سے دور رکھے جائیں گے۔

(٣١) عن انس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وعدنی ربی فی اهل بیتی من اقر منهم بالتوحید و لی بالبلاغ ان لا یعذبهم. (٥٨)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی توحید اور رسالت کا اقرار کرے گا، اللہ اسے عذاب نہیں دے گا۔

حاکم نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۲) عن علی رضی الله عنه انه دخل علی النبی صلی الله علیه وسلم وقد بسط شملة فجلس علیها هو و فاطمة و علی والحسن والحسین ثم أخذ النبی صلی الله علیه وسلم بمجامعه فعقد علیهم ثم قال: اللهم ارض عنهم کما انا عنهم راض. (۵۹)

حضرت علی سے روایت ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ سرکار چادر مبارک بچھائے ہوئے تھے، تو اس پر خود حضور تشریف فرما تھے اور حضرت فاطمہ وعلی اور حضرات حسنین کریمین بھی؛ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے کونوں کو پکڑ کر ان پر گرہ لگادی (گویا اچھی طرح گھیر لیا) پھر عرض کیا: اے اللہ! ان سے راضی ہو جیسا کہ میں ان سے راضی ہوں۔

اس حدیث اور دیگر احادیث کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اہل بیت پاک کو چادر شریف میں لینے کے واقعات متعدد بار ہوئے اور دعا کے الفاظ بھی مختلف ہیں۔ اس مذکورہ حدیث میں اللہ عزوجل سے دعا فرمائی کہ اے اللہ ان سے راضی ہو جا یہ بڑی عظیم بات ہے کہ قرآن پاک میں آیا "ورضوان من الله ا کبر" (التوبہ) اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔

(۳۳) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اول من اشفع له من امتی اهل بیتی ثم الاقرب من القریش ثم الانصار ثم من اٰمن بی واتبعنی من الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم و اول من اشفع له اولو الفضل. (۶۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں سے سب سے پہلے جس کے لیے میں شفاعت کروں گا وہ میرے اہل بیت ہیں، پھر جو قریش میں سے میرے قریبی رشتہ دار ہیں، پھر انصار کی پھر ان کی جو یمن میں سے میرے اوپر ایمان لائے اور میری اتباع کی، پھر تمام عرب کی پھر عجم کی اور سب سے پہلے میں جن کی شفاعت کروں گا وہ اہل فضل ہوں گے (یعنی فضیلت و بزرگی والے)۔

اس حدیث پاک میں اہل بیت کی ایک بڑی اہم فضیلت وخصوصیت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے انہی کی شفاعت ہوگی۔

(۳۴) عن انس بن مالک ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یمر بباب فاطمة ستة اشهر اذا خرج لصلوٰة الفجر یقول: الصلوٰة یا أهل البیت انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً. (۶۱)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اس سند سے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چھ ماہ تک حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ جب نماز فجر کے لیے نکلتے حضرت فاطمہ کے دروازے سے گزرتے ہوئے فرماتے ''اے اہل بیت نماز قائم کرو پھر آیت کریمہ ''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا'' کی تلاوت کرتے۔ (بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ہر قسم کے گناہ میل دور کردے، اور تمہیں پاک اور خوب ستھرا کردے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت خاص کر حضرت فاطمہ کو نماز فجر کے لیے بیدار کرتے تھے، یہ عمل چھ ماہ تک رہا، یہ سنت ہمارے لیے بھی قابل عمل ہے، بہت لوگ خود تو نماز کے پابند رہتے ہیں لیکن گھر والوں کو بیدار کرنے اور نماز کی تاکید کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

(۳۵) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه فی قوله تعالیٰ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ قال: نزلت فی خمسة فی

رسـول الـلـه صـلـى الـلـه تعالىٰ عليه وسلم و على و فاطمة و الحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهم. (٦٢)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک: اِنَّـمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ الآية . (بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت رسول اللہ تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل دور کردے) کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ پانچ ہستیوں؛ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی حضرت فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۳٦) عـن عـلـى رضى الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان اول من يد خل الجنة انا و فاطمة و الحسن والحسين قلت يا رسول الله فمحبونا؟ قال من وراء كم. (٦٣)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ بے شک سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں میں، میں (یعنی حضرت علی) اور فاطمہ اور حسن وحسین ہوں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سے محبت کرنے والے کہاں ہوں گے، آپ نے فرمایا: تمہارے پیچھے ہوں گے۔ (یعنی تمہارے پیچھے پیچھے وہ بھی تمہارے ساتھ جنت میں جائیں گے)۔

(۳۷) عـن عـمـر بـن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه قال انى سمعت رسـول الـلـه صـلـى الـلـه تـعالىٰ عليه وسلم يقول: كل نسب و سبب ينقطع يوم القيامة الا ماكان من سببى و نسبى. (٦۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے نسب اور رشتہ کے سوا قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہوجائے گا۔ یعنی قیامت کے دن کوئی نسب اور رشتہ کام نہ دے گا، سوائے میرے نسب اور رشتے کے۔ اس سے بھی اہل بیت کرام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کیوں کہ اہل بیت میں نسب والے بھی ہیں رشتہ دار بھی۔

(۳۸) عـن ابـى بـرزة رضى الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عـلـيـه وسـلـم: لا ينعقد قد ماعبد حتى يسال عن اربعة عن جسده فيما أبـلاه و عـمـره فيما أفناه وماله من اين اكتسبه و فيما انفقه و عن حب اهـل البيـت فـقـيل يا رسول الله، فما علامة حبكم؟ فضرب بيده على منكب على رضى الله عنه. (٦۵)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کے دونوں قدم اس وقت تک اگلے جہاں میں نہیں پڑتے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، اس کے جسم کے بارے میں کہ اس نے اسے کس طرح کے اعمال میں بوسیدہ کیا؟ اور اس کی عمر کے بارے میں کہ کس حالت میں اسے ختم کیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے یہ کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ اور میرے اہل بیت کی محبت کے بارے میں؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ اور آپ کے اہل بیت کی محبت کی علامت کیا ہے تو آپ نے اپنا دست مقدس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانے پر مارا (یعنی علی سے محبت ہم سے محبت کی علامت ہے)۔

(۳۹) و اخـرج ابـن الـنـجار فى تاريخه، عن الحسن بن على، رضى الـلـه عـنـه قـال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لكل شئى اسـاس و أسـاس الاسـلام حـب اصـحـاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و حب اهل بيته. (٦٦)

ابن النجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد رسول اللہ کے اصحاب کی محبت اور ان کے اہل بیت کی محبت ہے۔

(۴۰) عـن عـكـرمة فـى الآية ”الا الـمـودة فـى القربىٰء“ يقول: لا

تؤذونی فی قرابتی. (٦٧)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے آیت ''**الا المودۃ فی القربیٰ**'' کے بارے میں حضور فرماتے ہیں میرے قرابت داروں کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو (یعنی میرے اہل بیت اور قرابت داروں کا پاس ولحاظ رکھو انہیں تکلیف پہنچا کر مجھے تکلیف نہ دو)۔

(۴۱) عن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ الکریم قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اول من یرد علی الحوض اھل بیتی ومن احبنی من امتی. (٦٨)

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر آنے والے میرے اہل بیت ہیں اور میری امت سے میرے چاہنے والے۔

(۴۲) عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: من صنع إلی احد من اھل بیتی یداً کافأتہ علیھا یوم القیامۃ. (٦٩)

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میرے اہل بیت میں کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، میں روز قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

(۴۳) عن امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من صنع صنیعۃ إلی احد من خلف عبد المطلب فی الدنیا فعلی مکافاتہ اذا لقینی. (٧٠)

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اولاد عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے گا، اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وہ روز قیامت مجھ سے ملے گا۔

محبّ اہل بیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اس حدیث پاک کو نقل کر کے اپنی عقیدتوں کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں پڑھیں اور ایمان تازہ کریں۔

اللہ اکبر! اللہ اکبر! قیامت کا دن وہ قیامت کا دن وہ سخت ضرورت، سخت حاجت کا دن اور ہم جیسے محتاج اور صلہ عطا فرمانے کو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہ لطف ان کی جملہ مہمات دو جہاں کو بس ہے، بلکہ یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلیٰ وانفس (نفیس تر) ہے کہ جس کی طرف کلمہ کریمہ اذا لقینی (جب وہ مجھ سے ملے گا) اشارہ فرماتا ہے۔ بحمد اللہ (حمد الٰہی کے صدقے) اور قیامت وعدۂ وصال ودیدار محبوب ذوالجلال کا مژدہ سناتا ہے۔

مسلمانو! اور کیا کچھ درکار ہے؟ دوڑو اور اس دولت وسعادت کو لو۔ (۷۱)

یعنی اہل بیت اطہار وسادات کرام کو اپنی دولت وثروت سے نوازو اور اگر وہ قبول کرلیں تو ان کا احسان مانو، ان پر احسان نہ رکھو کہ جو کچھ ملا۔ ان کے اور ان کے نانا جان کے صدقے میں ملا اور ہرگز ہرگز زکوٰۃ جیسا مال انہیں نہ دو کہ یہ مال کا میل ہے اور کچھ مال ہی پر موقوف نہیں جس طرح ممکن ہے ان شاہزادوں کی خدمت کو اپنے لئے سعادت وباعث نجات جانو، اللہ اپنے محبوب کے محبوبوں کی محبت عطا فرمائے اور ان کی خدمت کی ہمت وتوفیق بخشے، آمین

(۴۴) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سألت ربی ان لا یدخل احدا من اھل بیت النار، فاعطا نیھا. (٧٢)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے مانگا کہ میرے اہل بیت سے کسی کو دوزخ میں نہ لے جائے اس نے میری مراد عطا فرمائی ہے۔

(۴۵) عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: من رضاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لا یدخل احدا من اھل

بیته النار. (۷۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا (خوشنودی) میں یہ ہے کہ حضور کے اہل بیت سے کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے۔

ان دونوں مذکورہ حدیثوں میں اہل بیت کرام کے لیے بڑی عظیم بشارت ہے جس سے مقام اہل بیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۴۶) عن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم الله وجهه الکریم، دعا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: اللهم انهم عترة رسولک فهب مسیئهم لمحسنهم و هبهم لی ثم قال: ففعل قال علی کرم الله وجهه الکریم ما فعل: قال: فعله ربکم بکم و یفعله بمن بعدکم. (۷۴)

امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی ’’الٰہی وہ تیرے رسول کی آل ہیں تو ان کے بدکاران کونکوکاروں کودے ڈال اوران سب کو مجھے ہبہ فرمادے‘‘۔ پھر فرمایا: مولیٰ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ امیر المؤمنین نے عرض کیا؟ فرمایا: کہ یہ تمہارے ساتھ کیا اور تمہارے بعد جوآنے والے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا۔

(۴۷) عن عبد الله بن بدر الخطمی عن ابیه رضی الله تعالیٰ عنهما قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من احب ان یبارک له فی اجله و ان یمتعه الله بما خوله فلیخلفنی فی اهلی خلافة حسنة ومن لم یخلفنی فیهم تبک امره و ورد یوم القیامة مسوداً وجهه. (۷۵)

حضرت بدر خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے پسند ہو کہ اس کی عمر میں برکت ہو، اور خدا اپنی دی ہوئی نعمت سے بہرہ مند کرے، تو اسے لازم ہے میرے بعد میرے اہل بیت سے اچھا سلوک کرے، جو ایسا نہ کرے اس کی عمر کی برکت اڑ جائے اور قیامت میں میرے

سامنے کالا منہ لے کر آئے۔

(۴۸) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انها سمیت فاطمة لأن الله تعالیٰ حرمها و ذریتها علی النار. (۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کا نام فاطمہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی تمام ذریت (اولاد) کو نار (جہنم کی آگ) پر حرام فرمادیا۔

(۴۹) عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله تعالیٰ علیه وسلم انما سماها فاطمة لأن الله تعالیٰ فطمها و محبیها من النار. (۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے ان کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ انہیں اوران سے محبت کرنے والوں کو آتشِ دوزخ سے آزاد فرمادیا ہے۔

(۵۰) عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لفاطمة ان الله تعالیٰ غیر معذبک ولا ولدک. (۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ نہ تجھے عذاب کرے اور نہ تیری اولاد میں کسی کو۔

(۵۱) صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق والوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ مقرر کیا اور اپنے صاحبزادے ابن عمر کے لیے تین ہزار، صاحبزادے نے اعتراض کیا کہ ابا حضور! اسامہ کو مجھ پر ترجیح کیوں

دی؟ فرمایا: اسامہ حضور کی بارگاہ میں تم سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے باپ زید تمہارے باپ (عمر) سے زیادہ محبوب تھے، تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب کو اپنے پیارے بیٹے پر ترجیح دی۔ (ترمذی، مشکوٰۃ، ص۵۷۱، مناقب اہل بیت)

حضرت زید حضور کے غلام تھے، گھر میں رہا کرتے، اسامہ ان کے بیٹے تھے۔ محض اتنی نسبت حضرت عمر کے احترام کے لیے کافی تھی۔ اس سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق رکھنے والی ہر چیز کا احترام لازم سمجھنا چاہیے۔

اہل بیت کے فضائل و مناقب سے متعلق جو ہوسکا سپرد قلم کر کے پیش کر دیا، اس مختصر مضمون میں مجموعی فضائل کو ترجیح دی گئی ہیں، اہل بیت کرام کے جو انفرادی فضائل ہیں، ان کا دائرہ بہت وسیع ہے قصداً ان کو آئندہ کے لیے رکھ چھوڑا ہے، اللہ تعالیٰ توفیق تکمیل سے نوازے۔

ماخذ و مراجع

(۱) الاحزاب:۳۳/۳۳ (۲) تفسیر خزائن العرفان (۳) تفسیر الکبیر للرازی:۹، ص۱۶۸
(۴) آل عمران:۳/ ۵۹-۶۱ (۵) خزائن العرفان (۶) خزائن العرفان
(۷) تفسیر ضیاء القرآن:۱/ ۲۳۸ (۸) آل عمران:۳/۱۰۳ (۹) خزائن العرفان
(۱۰) سوانح کربلا، ص۵۰، مدینہ پبلشنگ، کراچی
(۱۱) تفسیر نور العرفان، ص۹۹، استقامت کانپور (۱۲) الشوریٰ:۴۲/ ۲۳
(۱۳) ۱-خزائن العرفان، ۲-درمنثور:۵/۱۰۷ (۱۴) تفسیر درمنثور:۵/ ۱۰۷، سورہ شوریٰ
(۱۵) درمنثور-۵/ ۱۰۷
(۱۶) بخاری شریف، ج۱/ ۲۹۶، ج۲/۷۱۳ حدیث ۴۸۱۸
(۱۷) تفسیر درمنثور:۵/ ۱۰۷)، سورہ شوریٰ (۱۸) درمنثور، ایضاً
(۱۹) سورہ رحمٰن:۵۵/ ۱۹-۲۰ (۲۰) سورہ رحمٰن/ ۲۱-۲۲ (۲۱) درمنثور:۶/ ۱۹۵
(۲۲) سورۃ الدہر۷۶/ ۸-۹ (۲۳) خزائن العرفان (۲۴) الاحزاب:۳۳/ ۵۶
(۲۵) صحیح بخاری، ج۲/ ۷۰۹- کتاب التفسیر، مجلس برکات۔ کتاب الدعوات بخاری جلد۲، ص۹۴۰، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی یہ دونوں روایتیں موجود ہیں
(۲۶) رواہ الترمذی فی المناقب والحاکم فی المستدرک
(۲۷) سنن ترمذی کتاب المناقب۲۲۰/ ۲۲۰-مجلس برکات مبارک پور، مستدرک

حاکم: ۳/ ۱۶۲ نمبر ۴۷۱۶، شعب الایمان بیہقی ۱/ ۳۶۶ نمبر ۴۰۸

(۲۸) ج ۱، ۵۲۶، ۵۳۰، مجلس برکات مبارک پور- صحیح بخاری: باب فضائل اصحاب النبی حدیث ۳۷۱۳ ص ۶۲۶ دار السلام ریاض

(۲۹) صحیح بخاری حدیث، ۳۷۱۲، ج ۱، ص ۵۲۶، مجلس برکات

(۳۰) صحیح بخاری: ۱/ ۲۰۲۔ زکوٰۃ (۳۱) صحیح بخاری: ۱/ ۵۳۰- مناقب الحسن و الحسین

(۳۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۳- باب فضل عباس بن عبد المطلب

(۳۳) مسند امام احمد بن حنبل: ۳/ ۱۸، حدیث ۱۱۵۴

(۳۴) الطبرانی فی الاوسط: ۲/ ۳۶۰، حدیث ۲۲۳۰

(۳۵) الطبرانی فی الاوسط، ۲/ ۳۶۰ حدیث: ۲۲۳۰

(۳۶) الطبرانی فی الاوسط ۶/ ۵۹۔ حدیث ۵۷۹۰

(۳۷) کنز العمال للمتقی: ۱۲/ ۱۰۰، حدیث ۳۴۱۸۰

(۳۸) ۱- سنن دار قطنی: ۱/ ۳۵۵- حدیث ۷۰۶۔ ۲- سنن بیہقی: ۲/ ۵۳۰، ۳۹۴۹

(۳۹) الطبرانی فی معجم الکبیر ۲۲/ ۹۵- حدیث ۲۳۰

(۴۰) مستدرک حاکم: ۳/ ۱۶۲، حدیث ۴۷۱۵

(۴۱) الطبرانی فی الکبیر ۱۲/ ۳۴، ص ۲۳۸۸۔ فی الأوسط: ۴/ ۱۰ حدیث ۳۴۷۸۔ مستدرک حاکم: ۳/ ۱۶۳، حدیث ۴۷۲۰۔ فی الصغیر ۱/ ۲۴۰، حدیث ۳۹۱- ۲/ ۸۴، حدیث: ۸۲۵

(۴۲) الطبرانی فی معجم الکبیر: ۳/ ۴۵، حدیث ۲۶۳۷

(۴۳) الطبرانی فی الاوسط: ۱/ ۷۲ حدیث، ۲۰۳، وفی الکبیر ایضاً

(۴۴) الدیلمی فی مسند الفردوس: ۴/ ۳۱۱، حدیث ۶۹۱۳

(۴۵) سنن الترمذی، کتاب القدر، حدیث ۲۱۵۴

(۴۶) صحیح ابن حبان: ۱۵/ ۴۳۵، حدیث ۶۹۷۸

(۴۷) ۱- مستدرک حاکم ۳/ ۱۶۱، حدیث نمبر ۴۷۱۲۰، ۲- معجم کبیر طبرانی ۱۱/ ۱۷۶ حدیث: ۱۱۴۱۲، ۳- الهیثمي مجمع الزوائد ۹/ ۱۷۱

(۴۸) ۱- بیہقی شعب الإیمان ۲/ ۲۳۲- حدیث ۱۶۱۴۔ ۲- میزان الاعتدال للذہبی: ۳/ ۱۴۸

(۴۹) ۱- صحیح مسلم: ۲/ ۲۷۹ مجلس برکات، مبارک پور حدیث، ۲۴۰۸۔ ۲- البیہقی فی السنن الکبریٰ: ۲/ ۱۴۸، حدیث ۲۶۷۹۔ ۳- مشکوٰۃ الصابیح، ص ۲۶۸، مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۵۰) الاحزاب: ۳۳/ ۳۳) ۱- صحیح مسلم، ج ۲/ ۲۸۳، مناقب حدیث ۱۸۸۳- ۲۴۲۴۔ ۲- مستدرک حاکم ۳/ ۱۵۹ حدیث ۴۷۰۷/ ۴۷۰۹۔ ۳- مصنف ابن أبي شیبہ ۶/ ۳۷۰، حدیث ۳۲۱۲۔ ۴- سنن کبریٰ بیہقی: ۲/ ۱۴۹، حدیث ۲۶۸۰

(۵۱) سیرت خلفائے راشدین، عبد الشکور فاروقی، مکتبہ فاروقیہ لکھنؤ، ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء

(۵۲) صحیح مسلم: ۲/ ۲۷۸، فضائل علی سنن ترمذی: ۲/ ۱۲۴، تفسیر

(۵۳) ۱- سنن ترمذی: ۲/ ۲۲۷، مناقب، باب فضل فاطمۃ، ۲- ابن ماجہ: ۱۴، فضائل الحسن والحسین

(۵۴) سنن الترمذی: ۲/ ۱۵۲، کتاب التفسیر- ۲/ ۲۱۹، مناقب

(۵۵) ۱- سنن ابن ماجہ: ۸ باب الایمان، ۲- الطبرانی اوسط ۶/ ۲۲۶، حدیث ۶۲۵۴، ۸/ ۲۶۲، حدیث ۸۵۸

(۵۶) ۱- مسند امام احمد بن حنبل: ۲/ ۹۴۴، حدیث ۱۸۲۴۔ ۲- حلیۃ الاولیا لابن نعیم: ۶/ ۴۲

(۵۷) ۱- مستدرک حاکم: ۳/ ۱۶۵، حدیث ۴۷۲۶۔ ۲- مسند بزار: ۴/ ۲۲۳، حدیث ۱۸۲۹۔ ۳- حلیۃ الاولیا: ۴/ ۱۸۸۔ ۴- فیض القدیر مناوی: ۲/ ۴۶۲

(۵۸) مستدرک حاکم: ۳/ ۱۶۳، حدیث ۴۷۱۸

(۵۹) الطبرانی فی الأوسط: ۵/ ۳۴۸، حدیث ۵۵۱۴

(۶۰) الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۱۲: ۴۲۱

(۶۱) ترمذی: ۲/ ۱۵۲، تفسیر الاحزاب

(۶۲) الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۳/ ۳۸۰، حدیث ۳۴۵۶ - وفی الصغیر: ۱/ ۲۳۱، حدیث ۳۷۵

(۶۳) ۱-مستدرک حاکم: ۳/ ۱۶۳، حدیث ۴۷۲۳ـ۲-ابن عساکر فی تاریخ دمشق الکبیر: ۱۴/ ۱۷۳

(۶۴) ۱-مستدرک حاکم: ۳/ ۱۵۳، حدیث ۴۶۸۴ـ۲-مسند امام احمد: ۲/ ۶۲۵، حدیث ۱۰۶۹-۱۰۷۰ـ۳-امام احمد ۲/ ۷۵۸، حدیث ۱۳۳۳

(۶۵) ۱-الطبرانی فی المعجم الاوسط، ۲/ ۳۴۸، حدیث ۲۱۹۱ـ۲- الہیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/ ۳۴۶

(۶۶) درمنثور، ۵/۲=۷، سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳ (۶۷) الدرالمنثور ۵/۷۰۲

(۶۸) ۱-کنز العمال للمتقی: ۱۲/ ۱۰۴، حدیث ۳۴۲۰۵ـ۲- اراءۃ الادب لفاضل النسب امام احمد رضا قدس سرہٗ، ص ۵۱، بریلی

(۶۹) ۱-الجامع الصغیر للسیوطی ۲/ ۶۱۹، حدیث ۸۸۲۱ـ۲-فتاوی رضویہ ۴/ ۳۹۴

(۷۰) کنز العمال: ۱۲/ ۹۵، حدیث ۳۴۱۵۳، الجامع الصغیر: ۲/ ۶۱۹

(۷۱) فتاوی رضویہ: ۴/ ۳۹۴، سنی دارالاشاعت، مبارک پور

(۷۲) ۱-کنز العمال للمتقی: ۱۲/ ۹۵، ۳۴۱۴۹ـ۲-اراءۃ الادب، امام احمد رضا قدس سرہٗ

(۷۳) اراءۃ الادب لفاضل النسب، ص ۵۱

(۷۴) ۱-اتحاف السادۃ المتقین، للزبیدی: ۱۰/ ۵۰۸ـ۲- کنز العمال للمتقی حدیث ۳۴۱۷۸ - ۱۲/ ۱۰۰ـ۳-اراءۃ الادب لفاضل النسب الامام

احمد رضا، ص ۵۱

(۷۵) کنز العمال للمتقی: ۱۲/ ۹۹، حدیث: ۳۴۱۷۱

(۷۶) کنز العمال للمتقی: ۱۲/ ۱۰۹-۳۴۲۲۷

(۷۷) کنز العمال: ۱۲/ ۱۰۹، حدیث ۳۴۲۲۴

(۷۸) کنز العمال للمتقی: ۱۲/ ۱۵۱، حدیث ۴۲۴۶

اہل بیت اطہار کا مقام

سلف صالحین اور مشائخ کبار کی نظر میں

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اہل بیت نبوت کا مطلب ہے نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھرانے والے۔ آسانی کے لیے مختصر لفظوں میں صرف ''اہل بیت'' کہا جاتا ہے۔ ''اہل بیت'' کا اطلاق کن نفوس قدسیہ پر ہوتا ہے، اس سلسلے میں علما و مشائخ کی رائیں مختلف ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اہل بیت'' کے معانی و مطالب اپنی مشہور کتاب ''مدارج النبوۃ'' حصہ اول اور ''اشعۃ اللمعات'' حصہ چہارم میں بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ یہاں ''اشعۃ اللمعات'' کی عبارت کا ترجمہ پیش ہے۔

اہلِ بیت کے چند معانی ہیں:

(۱) وہ حضرات جنھیں زکوٰۃ لینا حرام ہے وہ بنو ہاشم ہیں۔ اور بنو ہاشم میں آلِ عباس، آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل اور آلِ حارث رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل و عیال میں ازواجِ مطہرات داخل ہیں، آپ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج کرنا سینہ زوری اور آیت کریمہ کی روش کے خلاف ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطْهِيْرًا.''(۱)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمھیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ (۲)

اس آیت کی ابتدا اور انتہا میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے خطاب ہے درمیانی حصے سے انہیں خارج کرنے سے کلام کا نظم و نسق برقرار نہیں رہتا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو شامل ہے کیوں کہ آیت کریمہ کی روش اس پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا انہیں اس آیت سے خارج کرنا اور آیت کو ان کے ماسوا سے مخصوص کرنا صحیح نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ اہل بیت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد و امجاد اور آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ان میں داخل ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادی کے ساتھ معاشرت اور آپ کے احکام کی پابندی کی بنا پر اہل بیت میں سے ہیں۔

بعض اوقات اہل بیت کا استعمال اس طرح آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کا لفظ حضرت فاطمہ زہرا، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز فجر کے لیے تشریف لاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: ''الصلوٰۃ یا اھل البیت ''(اے اہل بیت نماز پڑھو) اس کے بعد آیت مبارکہ پڑھتے:

''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.'' (ترمذی شریف)

ابن ابی شیبہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھی، خادم نے اطلاع دی کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ دروازے پر حاضر ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ ایک طرف ہوجائیں میں گھر کے اندر چلی گئی۔ حسن وحسین حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسن وحسین کو آغوش میں لے لیا، ایک ہاتھ سے حضرت علی کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے سیدہ فاطمہ کو پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ چمٹالیا اور انہیں سیاہ کمبل میں چھپالیا جو آپ کے اوپر تھا اور دعا کی اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں یہ تیری طرف آئے ہیں نہ کہ آگ کی طرف، میں بھی اور میرے اہل بیت بھی۔

یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مسجد ہر حیض والی عورت اور ہر جنبی مرد کے لیے حرام ہے سوائے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا اور حسین وحسن کے، اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کی اور اسے ضعیف قرار دیا۔

خلاصہ یہ کہ اہل بیت کا اطلاق ان چار پاکیزہ حضرات پر مشہور ومعروف ہے۔

علماے کرام نے ان اقوال کے درمیان تطبیق اور ان استعمالات کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ بیت تین ہیں۔ (۱) بیت نسب (خاندان)، (۲) بیت سکنی (کاشانۂ مبارکہ کے رہنے والے)، (۳) بیت ولادت (اولاد وامجاد) تو عبدالمطلب کی اولاد میں سے بنوہاشم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں، نسب کے اعتبار سے قریبی دادا کی اولاد کو بیت کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کا بیت (خاندان) ہے۔ ازواج مطہرات رہائش کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں، کسی شخص کی بیویوں پر اہل بیت کا اطلاق عرف اور عادت کے اعتبار سے خاص طور پر معروف ہے۔ عام طور پر بیوی ہی کو گھر والی کہا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد امجاد ولادت کے اعتبار سے اہل بیت ہیں۔ اہل بیت اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اولاد کو شامل ہے، تاہم ان میں سے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امتیازی شان حاصل ہے، مزید برآں فضل وکرامت

اور محبت ومودت کے تعلق سے ممتاز ہیں۔ چناں چہ جب لفظ اہل بیت بولا جاتا ہے تو ذہن ان کی ہی طرف جاتا ہے۔ (۳)

"اشعۃ اللمعات" کے محشی مولانا امیر علی صاحب حاشیے میں آیت تطہیر کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

حق یہی ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو گمان یہ تھا کہ خطاب ازواج مطہرات سے ہے (کیوں کہ آیت کا آغاز "یا نساء النبی" سے ہے) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد خارج ہے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کو اپنی چادر میں چھپایا اور دعا کی، اے اللہ! یہ بھی اہل بیت میں سے ہیں، پھر صبح کے وقت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے سامنے تشریف لاکر سلام کہتے تاکہ اہل مسجد (صحابۂ کرام) کو یہ معلوم ہوجائے کہ آیت کی تفسیر سب کو شامل ہے۔ (۴)

اہل بیت کا ادب واحترام

اہل بیت نبوت کا ادب واحترام اور ان سے محبت ومودت تمام مسلمانوں پر واجب ہے، ان کی شان میں گستاخی ایک مسلمان کو اسلام سے خارج کردیتی ہے، اس لیے کہ اہل بیت سے محبت، رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے اور رسول کی محبت تمام مخلوق پر فرض ہے تو اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اہل بیت نبوت کی محبت سرمایۂ ایمان، رضائے منان اور قرار سید انس وجان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ." (۵)

تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ (۶)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کے وہ قریبی کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

جو مجھے پہچانتا ہے تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا تو وہ جان لے کہ میں

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرزند ''حسن'' ہوں، پھر آیت کریمہ: **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَائِی اِبْرَاهِیْمَ.** آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا: میں بشیر کا بیٹا ہو، میں نذیر کا دل بند ہوں اور میں اہل بیت سے ہوں جن کی محبت و دوستی اللہ نے تم پر فرض کی ہے، اس سلسلے میں اللہ نے اپنے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آیت کریمہ: **قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ.** نازل فرمائی۔(۷)

رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں:

''**مَثَلُ اَهْلِ بَیْتِی مِثْلُ سَفِیْنَةِ نُوحٍ مَنْ رَکِبَ فِیْهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ.**''(۸)

میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کے سفینہ کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا وہ نجات یاب ہوا اور جو پیچھے رہ گیا غرق ہو گیا۔

جس طرح اہل بیت اطہار سے محبت و عقیدت ایمان کی دلیل ہے، اسی طرح تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے محبت بھی عین ایمان ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''**اصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم.**''(۹)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اگر روے زمین پر کوئی ایسا شخص ہے جو اہل بیت کرام سے محبت کا دم بھرتا ہے اور بعض صحابہ کرام کو گالیاں دیتا ہے، یا عام صحابہ کرام کے تعلق سے خوش اعتقاد ہے مگر اہل بیت کے تعلق سے دل میں کچھ کجی رکھتا ہے تو ایسا شخص خارج از اسلام اور دشمن رسول ہے۔

ہم اہل سنت، صحابۂ کرام کی عقیدت و محبت کا جہاں دم بھرتے ہیں وہیں دل میں اہل بیت نبوت کی محبت و مودت کا چراغ بھی روشن رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناو ہے عترت رسول اللہ کی

اس شعر میں امام احمد رضا قدس سرہ نے ''**أصحابی کالنجوم**'' اور ''**مثل أهل بیتی مثل سفینة نوح**'' دونوں حدیث کی ترجمانی کی ہے۔

اس ضروری گفتگو کے بعد اب اکابر و مشائخ کی تحریروں کا ایک انتخاب پیش ہے جس سے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان کی محبت اور وابستگی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا اور ان سے دوری اور نفرت کی وجہ سے خسران نعمت اور حرماں نصیبی کی داستان خوں چکاں بھی معلوم ہوگی۔

سید الصحابہ ورئیس الاکابر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے۔''

اور فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر اہل بیت کا احترام کرو۔''(۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہل بیت کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔(۱۱)

حافظ زرندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

''تمام علماے مجتہدین اور ائمۂ مہتدین کے لیے اہل بیت کی محبت میں بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''**قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ.**'' (روایت امام مناوی)

میں (امام یوسف بن اسماعیل نبہانی) کہتا ہوں حافظ زرندی نے علمائے مجتہدین اور ائمۂ مہتدین کی قید اس لیے لگائی کہ وہ امت کے مقتدا ہیں، جب ان کا یہ

طریقہ ہے تو کسی مومن کو لائق نہیں کہ ان سے پیچھے رہے کیوں کہ وصف ایمان اہل بیت کی محبت کے واجب ہونے کے لیے کافی ہے، جس قدر ایمان زیادہ ہوگا، محبت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی، اسی لیے علمائے مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لیے ان کی محبت میں بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا۔ (۱۲)

ائمۂ اربعہ اور حب اہلِ بیت

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لازماً ان کے ساتھ اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قید و بند درحقیقت اسی سبب سے تھی، اگرچہ بظاہر سبب یہ تھا کہ آپ نے منصب قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امامِ اہل مدینہ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم بن زید بن علی زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے اس لیے کئی سال مخفی رہے، بعض نے کہا کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے ابراہیم بن عبداللہ کی حمایت کی تھی اور امام مالک نے ان کے بھائی حضرت محمد کی حمایت کی تھی۔

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی لکھتے ہیں کہ اہل بیت کے بارے میں مجھے امام جلیل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی خاص بات کا علم نہیں ہے، لیکن وہ کمال تقویٰ اور دقتِ نظر کے باوجود یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کے قائل تھے، اس کا سبب یہی تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک سے کامل محبت رکھتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک کی شدید محبت کی بنا پر اس حال میں بغداد لے جائے گئے کہ وہ پابند سلاسل تھے، اس سلسلے میں انہیں ایسے

امور پیش آئے جن کی تفصیل طویل ہے، اہل بیت کرام سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کج رو گمراہوں نے انہیں رفض کی طرف منسوب کر دیا حالاں کہ وہ اس سے قطعاً بری تھے۔ (۱۳)

داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری (وفات: ۴۶۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ حضرات ہیں جن کی طہارت ازل سے مخصوص ہے، ان میں کا ہر فرد طریقت میں جامع و مکمل تھا۔ مشائخ طریقت اور صوفیا کے ہر عام و خاص فرد کے یہ امام رہے ہیں۔ (۱۴)

امام احمد بن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ: (وفات: ۹۷۳ھ)

سیدوں کی تنقید سے چشم پوشی کرنا چاہیے کیوں کہ اہل بیت کے فاسقوں کا فعل ناپسندیدہ ہے ان کی ذات ناپسندیدہ نہیں کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اگرچہ ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے ہی واسطے ہوں۔ (۱۵)

امام ابوسعید مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اے فاطمہ تیری ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور تیری رضا سے خدا راضی ہوتا ہے تو جو ان کی اولاد میں سے کسی کو اذیت دے تو اس نے بڑی خطرناک بات مول لے لی کیوں کہ ان کی اذیت حضرت فاطمہ کو ضرور دکھ پہنچائے گی، اور جس نے ان سے محبت کی تو جناب زہرا کی رضا مندی کا حق دار ہوا۔ (شرف النبوت) (۱۶)

شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی مکی (وفات: ۳۸۶ھ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام صحابہ و اہل بیت کو افضل سمجھے اور ان کے باہمی نزاعات کے بارے میں خاموش رہے، ان کے محاسن و فضائل بیان کرے تاکہ قلب میں ان کی محبت پیدا ہو، انہوں نے جو کچھ کہا اسے قبول کرے۔ اس لیے کہ ان کی عقل ہم سے زیادہ اعلیٰ تھی، ان میں سے ہر ایک نے اپنے علم پر اور منتہائے عقل پر عمل کیا جو انہیں اجتہاد سے معلوم ہوا۔ (۱۷)

سیدی عبدالوہاب شعرانی (وفات: ۹۷۳ھ)

’’مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگر چہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں، میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں، اسی طرح علما و اولیا کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں، اگر چہ وہ متقی نہ ہوں پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں، جتنی والی مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہوسکتی ہے۔‘‘(۱۸)

امام ربانی مجدد الف ثانی (وفات: ۱۰۳۴ھ)

’’وگوئیم چگونہ عدمِ محبت اہل بیت در حق اہل سنت گمان بردہ شود کہ آں محبت نزد ایں بزرگواراں جز و ایمان است و سلامتی خاتمہ را بہ رسوخ آں محبت مربوط ساختہ اند ... محبت اہل بیت سرمایۂ اہل سنت است مخالفاں ازیں معنی غافل اند و از محبت ایشاں جاہل، جانب افراط را خود اختیار کردہ اند و ماوراء افراط را تفریط انگاشتہ حکم بہ خروج نمودہ اند و مذہب خوارج انگاشتہ اند۔ نہ دانستہ اند کہ درمیان افراط و تفریط حد یست وسط کہ مرکز حق است و موطنِ صدق کہ نصیب اہل سنت گشتہ است. شَکَرَ اللّٰہ تَعَالٰی سَعُیَھُمُ.‘‘

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ گمان کیسے کیا جاتا ہے کہ اہل سنت کو اہل بیت سے محبت نہیں جب کہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جز و ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر موقوف ہے۔ اہل بیت کی محبت تو اہل سنت کا سرمایہ ہے مگر مخالفین اس حقیقت سے غافل اور اہل بیت کی محبت سے جاہل ہیں، انہوں نے جانب افراط کو اختیار کیا اور افراط کے علاوہ کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم لگا دیا اور سب کو خارجی سمجھ لیا، یہ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حدِ وسط ہے جو مرکز حق اور موطن صدق بنے جو اہل سنت کو نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کا بدلہ دے گا۔(۱۹)

مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات: ۱۱۹۵ھ)

شاہ غلام علی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فرمایا کرتے تھے: محبت اہل بیت موجب ایمان اور سرمایۂ بقائے تصدیق ایمان ہے میرا کوئی عمل سوائے ان حضرات کی محبت کے وسیلۂ نجات نہیں۔ (ملفوظات)(۲۰)

شیخ امان پانی پتی شارح لوائح (وفات: ۹۹۷ھ)

سرمایۂ درویشی پیش ما دو چیز است تہذیب اخلاق و محبت خاندان پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سرمایۂ درویشی میرے نزدیک دو چیزیں ہیں ایک تہذیب اخلاق، دوسری محبت اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم۔

چناں چہ وہ اسی غلبۂ محبت اہل بیت کی وجہ سے سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتے یہاں تک کہ بوقت درس و تدریس بھی اگر کسی سید لڑکے کو دیکھ لیتے، اگر چہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوتا تو احتراماً کھڑے ہوجاتے اور جب تک وہ نظروں کے سامنے رہتا کھڑے رہتے، ہرگز نہ بیٹھتے۔(۲۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وفات: ۱۱۶۷ھ)

’’میں نے ارواح اہل بیت نبوت کو خطیرۃ القدس میں باتم وجہ و اجمل وضع مشاہدہ کیا ہے، اور سمجھا کہ ان کو برا جاننے والا بڑے خطرے میں ہے۔‘‘(۲۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وفات: ۱۲۳۹ھ)

صوفیائے اہل سنت کے تمام سلسلے طریقت میں ائمۂ اہل بیت پر منتہی ہوتے ہیں، لہٰذا یہ حضرات اہل بیت جمیع فرق اہل سنت کے پیر و مرشد ہیں، اور جاننا چاہیے کہ اہل سنت کے نزدیک پیر و مرشد کی عظمت و وقعت کس مرتبے پر ہے، اور وہ پیروں سے کیسی عقیدت و محبت رکھتے ہیں کہ ان کے بغض و اہانت کو ارتدادِ طریقت جانتے ہیں تو انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ اس علاقہ سے اہل سنت کو اہل بیت نبوت سے کس قدر عقیدت و محبت ہوگی۔ لہٰذا بغض اہل بیت کی نسبت اہل سنت کی طرف کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔ اور یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی نور کو ظلمت اور آفتاب کو تاریک کہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ)(۲۳)

امام احمد رضا قادری بریلوی برکاتی (وفات: ۱۳۴۰ھ)

سادات کرام جو واقعی علم الٰہی میں سادات ہوں ان کے بارے میں رب عز و جل سے امید واثق یہی ہے کہ آخرت میں ان کو کسی گناہ پر عذاب نہ دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے: ان کا فاطمہ نام اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی تمام ذریت کو نار پر حرام فرما دیا۔ (کنز العمال)

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ! اللہ نہ تجھے عذاب کرے گا نہ تیری اولاد میں کسی کو۔ (کنز العمال) (۲۴)

یہ فقیر ذلیل بحمدہٖ تعالیٰ حضرات سادات گرامی کا ادنیٰ غلام و خاک پا ہے، ان کی محبت و عظمت ذریعہ نجات و شفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سید اگر بدمذہب بھی ہو جائے اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچے ہاں بعد کفر سیادت ہی نہیں رہتی پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے اور یہ بھی فقیر بارہا فتویٰ دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں۔ جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو برا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ لوگ اپنے نسب پر امین ہیں۔

ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سید نہیں اور وہ سید بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے، میرے خیال میں ایک حکایت ہے جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سید سے الجھا، انہوں نے فرمایا میں سید ہوں، کہا کیا سند ہے تمھارے سید ہونے کی، رات کو زیارت اقدس سے مشرف ہوا معرکہ حشر ہے یہ شفاعت خواہ ہوا، اعراض فرمایا، اس نے عرض کی میں حضور کا امتی ہوں، فرمایا کیا سند ہے تیرے امتی ہونے کی۔ (۲۵)

علما تشریح فرماتے ہیں کہ مدینہ کے باشندوں کی تعظیم کرو، اگرچہ ان سے بدعت وغیرہ کا صدور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاسداری ضروری ہے تو تمہارا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں کیا خیال ہے۔ (۲۶)

مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی

اس زمانے میں بھی ایسے لوگ بہت ہیں جو اہل بیت نبوت اور خاندان رسالت سے نفرت کرتے ہیں، ان کے فضائل و مناقب نہیں سن سکتے، اگر کوئی محبت والا ان حضرات کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے تو ان کی پیشانیوں میں بل پڑ جاتے ہیں، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور فوراً یزید خبیث کی حمایت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسے برحق بتاتے ہیں اور امیر المومنین و رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسے یاد کرتے ہیں اور نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگاتے ہیں اور انہیں باغی قرار دیتے ہیں۔ **(العیاذ باللہ تعالیٰ)**

اور وہ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے پیارے محبوب، دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں، ان کے علم کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم کے برابر بتاتے ہیں۔ (حفظ الایمان، ص: ۸) اور شیطان و ملک الموت سے حضور کا علم کم ٹھہراتے ہیں۔ (براہین قاطعہ، ص: ۵۱) تو ایسے لوگ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگائیں اور ان کو باغی قرار دیں تو کوئی تعجب نہیں کہ اللہ کے پیاروں کی توہین و گستاخی یہی ان کا مذہب ہے۔ حضور اور ان کے اہل بیت کی محبت جو مدار ایمان ہے اس سے ان کے قلوب خالی ہیں، اور ان کے دلوں میں ایمان نہیں بلکہ ایمان والے کبھی ایسی بکواس نہیں کر سکتے۔ (۲۷)

سلف صالحین وغیرہم کی تکریم اہل بیت کے چند واقعات

حضرت عمر فاروق اور تکریم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا کہ یحییٰ ابن سعید انصاری، عبید بن

حنین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ میں منبر پر چڑھا اور کہا میرے باپ کے منبر سے اتریے اور اپنے باپ کے منبر پر جائیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے باپ کا منبر نہیں تھا اور مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

میں اپنے سامنے رکھی ہوئی کنکریوں سے کھیلتا رہا، جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے پھر مجھے فرمایا کتنا اچھا ہوا گر آپ گاہے گاہے تشریف لائیں۔ فرماتے ہیں ایک دن میں ان کے پاس گیا آپ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تنہائی میں مصروف گفتگو تھے اور عبداللہ بن عمر دروازے پر کھڑے تھے، ابن عمر واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آ گیا۔

بعد میں حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا بات ہے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، میں نے کہا امیر المومنین! میں آیا تھا آپ حضرت معاویہ سے گفتگو فرما رہے تھے تو میں ابن عمر کے ساتھ واپس آ گیا، انہوں نے فرمایا:

”آپ ابن عمر سے زیادہ حق دار ہیں، ہمارے سروں کے بال اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اگائے ہیں۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نبیرۂ امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ سلوک

ابوالفرح اصفہانی، عبیداللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یحییٰ ابن سعید نے سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے وہ نوعمر تھے ان کی بڑی بڑی زلفیں تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں اونچی جگہ بٹھایا، ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں پھر ان کے جسم کے ایک بل کو اتنا دبایا کہ انہوں نے تکلیف محسوس کی اور فرمایا شفاعت کرنے کے لیے اسے یاد رکھنا جب وہ تشریف لے گئے تو ان کی قوم نے انہیں ملامت کی اور کہا آپ نے ایک نوعمر بچے کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔

انہوں نے فرمایا: مجھے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سن رہا ہوں، آپ نے فرمایا:

”فاطمہ میری لخت جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے۔“

اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمۃ الزہرا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے کے ساتھ کیا ہے اس سے خوش ہوتیں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے جوان کے پیٹ کی چٹکی لی ہے اور جو کچھ آپ نے انہیں کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا:

”بنو ہاشم کا ہر فرد شفاعت کرے گا، مجھے توقع ہے کہ مجھے ان کی شفاعت حاصل ہوگی۔“

انہی حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ میں کسی کام سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دروازے پر گیا، انہوں نے فرمایا: جب آپ کو مجھ سے کوئی کام ہو تو پیغام بھیج دیا کریں یا تحریر فرما دیا کریں مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں آپ کو اپنے دروازے پر دیکھوں۔

جعفر بن سلیمان اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب جعفر بن سلیمان نے امام مالک کو کوڑے لگوائے اور جو سزا دینی تھی دی اور انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا لوگ آپ کے پاس آئے جب افاقہ ہوا تو فرمایا: میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مارنے والے کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا:

”مجھے خوف ہے کہ مرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضری ہوگی تو مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے حیا آئے گی کہ میری وجہ سے آپ کی آل کا ایک فرد جہنم میں جائے۔“

کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے آپ سے کہا کہ میں جعفر سے آپ کا بدلہ دلواتا ہوں تو امام نے فرمایا خدا کی پناہ! ایسا نہیں ہوسکتا بخدا جب چابک میرے جسم سے

اٹھتا تھا تو میں انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کی بنا پر معاف کر دیتا تھا۔

اہل بیت کی حاجت برآری اور حج کی ابدی سعادت

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی اپنی تصنیف ’’مسامرات الاخیار‘‘ میں اپنی سند متصل سے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہیں کہ بعض متقدمین کو حج کی آرزو تھی، انہوں نے فرمایا:

’’مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حجاج کا ایک قافلہ بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا، اپنی آستین میں پانچ سو دینار ڈالے اور بازار کی طرف نکلا تا کہ حج کی ضروریات خرید لاؤں میں ایک راستے سے گزر رہا تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی، اس نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، میں سید زادی ہوں، میری بچیوں کے تن ڈھاپنے کے لیے کپڑا نہیں ہے اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا، اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی میں نے وہ پانچ سو دینار اس کے دامن میں ڈال دیے اور اس سے کہا آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کریں، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس آ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس بار حج پر جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا، دوسرے لوگ چلے گئے، حج کیا اور واپس لوٹ آئے، میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں اور انہیں سلام کر آؤں، چناں چہ میں گیا جس دوست سے ملتا اسے سلام کہتا اور کہتا اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمھاری کوشش کی جزائے خیر عطا فرمائے تو وہ مجھے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حج بھی قبول فرمائے، کئی دوستوں نے اسی طرح کہا، رات کو سویا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا لوگ تمھیں حج کی جو مبارک باد دے رہے ہیں اس پر تعجب نہ کرو تم نے ایک کمزور اور ضرورت مند کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے ہو بہو تجھ جیسا فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمھاری طرف سے حج کرے گا، اب اگر چاہو تو حج کرو، چاہو تو حج نہ کرو۔‘‘

تیمور لنگ اور آلِ نبی کی محبت کا صلہ

شیخ زین الدین عبد الرحمٰن خلال بغدادی فرماتے ہیں کہ مجھے تیمور لنگ کے ایک امیر نے بتایا کہ جب تیمور لنگ مرضِ موت میں مبتلا ہوا تو ایک دن اس پر سخت اضطراب طاری ہوا، منہ سیاہ ہو گیا اور رنگ بدل گیا، جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے اسے صورت بیان کی تو اس نے کہا میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ’’اسے چھوڑ دو کیوں کہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا اور ان کی خدمت کرتا تھا چناں چہ وہ چلے گئے۔‘‘

شمس الدین محمد بن حسن خالدی فرماتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کے پاس تیمور لنگ کو دیکھا، اس ساتھی نے کہا اے دشمنِ خدا! تم یہاں پہنچ گئے ہو؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اے محمد! اس کا سبب یہ ہے کہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا۔‘‘

اہل بیت کی خدمت اور مجوسی کا اسلام

شیخ عدوی نے اپنی کتاب ’’مشارق الانوار‘‘ میں ابن جوزی کی تصنیف ’’ملتقط‘‘ سے نقل کیا کہ بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی ایک زوجہ اور چند بیٹیاں تھیں قضائے الٰہی سے وہ شخص فوت ہو گیا، ان کی بیوی کہتی ہیں کہ شماتتِ اعدا کے خوف سے سمرقند چلی گئی، میں وہاں سخت سردی میں پہنچی، میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں داخل کیا اور خود خوراک کی تلاش میں چل دی، میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں، میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے کہا یہ رئیس شہر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچی اور اپنا حالِ زار بیان کیا، اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو، اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی، میں واپس مسجد کی طرف چل دی میں نے راستے میں ایک بوڑھا بلند جگہ بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محافظ شہر ہے اور مجوسی ہے، میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے چناں چہ میں اس کے پاس پہنچی، اپنی سرگزشت

بیان کی اور رئیس شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا بیان کیا اور اسے یہ بھی بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔

اس نے اپنے خادم کو بلایا اور کہا اپنی آقا (یعنی میری بیوی) کو کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آئے، چناں چہ وہ آئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں، بوڑھے نے اسے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آ، وہ میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لیے الگ رہائش کا انتظام کیا، ہمیں بہترین کپڑے پہنائے، ہمارے غسل کا انتظام کیا اور ہمیں طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

آدھی رات کے وقت رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے اور لواء الحمد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرانور پر لہرا رہا ہے، آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا، اس نے عرض کیا حضور آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں حالاں کہ میں مسلمان ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو، وہ شخص حیرت زدہ رہ گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس علوی عورت کو جو کچھ کہا تھا اسے بھول گیا؟ یہ محل اس شیخ کا ہے جس کے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا، اس نے اپنے غلاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا، اسے بتایا گیا کہ وہ عورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے، یہ رئیس اس مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا میرے گھر میں ہے، رئیس نے کہا اسے میرے ہاں بھیج دو، شیخ نے کہا یہ نہیں ہوسکتا، رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو اور اسے میرے ہاں بھیج دو، شیخ نے کہا بخدا ایسا نہیں ہوسکتا، اگرچہ تم لاکھ دینار بھی دو۔ جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اسے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے، تم اس لیے فخر کر رہے ہو کہ تم مسلمان ہو بخدا وہ

علوی خاتون جیسے ہی ہمارے گھر میں تشریف لائیں تو ہم سب اسی وقت ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو آپ نے مجھے فرمایا: چوں کہ تم نے اس علوی خاتون کی تعظیم و تکریم کی ہے اس لیے یہ محل تمھارے لیے اور تمھارے گھر والوں کے لیے ہے اور تم جنتی ہو۔

قاہرہ کا گورنر اور ایک آلِ رسول مؤذن

علامہ مقریزی فرماتے ہیں کہ مجھے رئیس شمس الدین محمد بن عبداللہ عمری نے بیان کیا کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قاہرہ کے محتسب (گورنر) تھے، وہ اپنے نائبوں اور خادموں کے ہمراہ سید عبدالرحمٰن طباطبی مؤذن کے گھر تشریف لے گئے ان سے اجازت طلب کی وہ اپنے گھر سے باہر آئے تو انہیں محتسب کے ان کے ہاں آنے پر حیرت ہوئی، وہ انہیں اندر لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر چلے گئے اور سید عبدالرحمٰن کے سامنے اپنے اپنے مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے بیٹھ گئے جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو قاضی جمال الدین نے کہا حضرت مجھے معاف کر دیجیے، انہوں نے پوچھا جناب کیوں معاف کر دوں؟ انہوں نے کہا کل رات میں قلعہ پر گیا اور بادشاہ یعنی ملک ظاہر برقوق کے سامنے بیٹھا تو آپ تشریف لائے اور مجھ سے بلند جگہ بیٹھ گئے، میں نے اپنے دل میں کہا: یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے اونچے کیوں بیٹھے ہیں؟ رات کو میں سویا تو مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے مجھے فرمایا: محمود! تو اس بات سے عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے بیٹھے؟ یہ سن کر عبدالرحمٰن رو پڑے اور کہا جناب میں کون ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یاد فرمائیں، یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں، سب نے سید صاحب سے دعا کی درخواست کی اور واپس آگئے۔

اہل بیت کی خصوصیت

سیدی محمد فاسی فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسنی سادات کو ناپسند

رکھتا تھا کیوں کہ بظاہر ان کے افعال سنت کے مخالف تھے، خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا: اے فلاں! کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم میری اولاد سے بغض رکھتے ہو، میں نے عرض کیا خدا کی پناہ! یارسول اللہ! میں تو ان کے خلافِ سنت افعال کو ناپسند رکھتا ہوں، فرمایا: کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے ملحق ہوتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! یارسول اللہ! فرمایا: یہ نافرمان اولاد ہے، جب میں بیدار ہوا تو ان میں سے جس سے بھی ملتا اس کی بے حد تعظیم کرتا۔

سیدزادے کے ساتھ ناگواری اور ایک عالم کا حشر

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ عراق کا ایک امیر سادات سے شدید محبت رکھتا تھا اور ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا تھا، اس کی مجلس میں جب کوئی سید موجود ہوتا تو انہیں سب سے آگے بٹھاتا اگرچہ وہاں ان سے زیادہ مال دار اور بڑے مرتبے والا دنیا دار موجود ہوتا، ایک دفعہ ایک سید اس امیر کی مجلس میں آئے، اس وقت وہاں ایک بہت بڑا عالم موجود تھا، سید صاحب کو بیٹھنے کے لیے جو جگہ ملی وہ اس عالم سے اونچی تھی، وہ اس جگہ بیٹھ گئے، وہ اس کے مستحق بھی تھے اور جانتے تھے کہ امیر اس سے راضی ہوگا۔ اس سے عالم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے نامناسب گفتگو شروع کر دی، امیر نے اس کی بات پر توجہ نہ دی اور دوسری بات شروع کر دی۔

کچھ دیر بعد جب یہ معاملہ بھول گیا تو امیر نے اس عالم کے بیٹے کے متعلق پوچھا جو تحصیل علم میں مصروف تھا، اس عالم نے کہا وہ متون یاد کرتا ہے اسباق پڑھتا ہے، اس نے یہ پڑھا ہے وہ پڑھا ہے، اس کا ایک سبق صبح کے وقت مقرر ہے، ایک سبق دوسرے وقت متعین ہے، اسی طرح اس کے دیگر حالات بیان کرتا رہا، امیر نے کہا کیا تو نے اس کے لیے ایسا نسب بھی مہیا کیا ہے اور اسے ایسی شرافت بھی سکھائی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو جائے، عالم اپنی حرکت فراموش کر چکا تھا، اس نے کہا یہ فضیلت فراہم کرنے اور سکھانے سے حاصل نہیں ہوسکتی، یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اس میں کسب کا دخل نہیں، امیر نے بڑے زور سے

کہا خبیث! جب تجھے یہ بات معلوم ہے تو تو نے سید صاحب کے اونچی جگہ بیٹھنے کو کیوں ناگوار محسوس کیا، بخدا! آئندہ تم میری مجلس میں نہیں آؤ گے، پھر حکم دیا اور اسے وہاں سے نکلوا دیا۔ (۲۸)

یہ تمام واقعات برکات آلِ رسول از علامہ عبدالحکیم شرف قادری سے ماخوذ ہیں، جو امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الشرف المؤبد لآل محمد'' کا اردو ترجمہ ہے۔

شعر مافی الضمیر اور واردات قلب کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے، شعر کے قالب میں کہی ہوئی باتوں کے اندر معنی آفرینی کے ساتھ اثر پذیری کا عنصر بھی نمایاں رہتا ہے، اس لیے ہمارے بہت سے مشائخ نے اپنے خیالات و نظریات کے اظہار کے لیے اس کا سہارا لیا۔

اہل بیت اطہار کی شان بالا درجت میں ارباب دین و دانش نے بڑے ہی والہانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کیے ہیں جن سے ان کی ادبی خدمات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اسی سلکِ ادب سے محبت اہل بیت کے چند موتی قارئین کے روبرو حاضر ہیں۔

امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ (وفات: ۲۰۴ھ)

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيُعَتِی
وَهُمْ إلَيُهِ وَسِيُلَتِيُ

اہل بیت نبی، اللہ کی بارگاہ میں میرے لیے رابطہ اور وسیلہ ہیں۔

اَرُجُوُا بِهِمُ أُعطَی غَدًا
بِيَدِ الُيَمِيُنِ صَحِيُفَتِي (۲۹)

مجھے امید ہے کہ روز قیامت ان کے طفیل میرا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

قَالُوُا تَرَفَّضتَ قُلُتُ كَلَّا
مَا الرِّفُضُ دِيُنِیُ وَلَا اِعُتِقَادِیُ

جن جاہلوں نے مجھے کہا کہ تو رافضی ہوگیا ہے تو میں نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں، میرا دین واعتقاد رافضیوں کا سا نہیں ہے۔

لٰکِنْ تَوَلَّیْتُ غَیْرَ شَکٍّ
خَیْرَ اِمَامٍ وَّخَیْرَ ھَادٍ (۳۰)

لیکن اس میں شک نہیں کہ بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی ومحبت رکھتا ہوں۔

یَا رَاکِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِنٰی
وَاھتِف بِقَاعِدِ خَیْفِھا وَالناھِضِ

اے سوار! منیٰ کی وادیِ محصب میں ٹھہر اور مقام خیف میں اٹھنے اور بیٹھنے والوں سے کہہ۔

سَحْرًا إذا فَاضَ الْحَجِیْجُ إلی مِنٰی
فیضًا کملتطِم الفُرات الفائض

بہ وقت سحر جب حجاج تلاطم خیز موجوں کی طرح منیٰ کی طرف بڑھیں۔

ان کان رَفضًا حبُ اٰلِ محمدٍ
فلیشھد الثقلان أني رَافِض (۳۱)

اگر بالفرض آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ میں ضرور رافضی ہوں۔

یَا آلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حُبُّکُمْ
فَرضٌ مِنَ اللّٰہِ فِی القراٰن اَنْزَلَہٗ

اے اہل بیت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کی محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے جس کا حکم اس نے قرآن میں نازل فرمایا ہے۔

یَکْفِیْکُمْ مِنْ عَظِیْمِ الفخرِ إنَّکُمْ
مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لا صَلاۃَ لَہٗ (۳۲)

آپ کی عظمت وشان کے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز نہ ہوئی۔

إذا نَحْنُ فَضَّلْنَا عَلِیًّا فَإنَّنَا
رَوَافِضُ بِالتَّفْضِیْلِ عندَ ذَوِیْ الْجَھْلِ

جب ہم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کی تو جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوگئے۔

وَفَضْلُ اَبِی بکرٍ إذَا مَا ذَکَرْتُہٗ
رُمِیتُ بِنَصْبٍ عند ذکري لِلفَضْلِ

اور جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہیں تو ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

فَلَا زلتُ ذَا رَفضٍ ونصب کِلاھما
بُحُبِّیھما حتی اُوَسَّدَ فی الرَّمْلِ (۳۳)

تو میں ان دونوں (صدیق وعلی) کی محبت میں، میں رافضی اور ناصبی ہی رہوں گا یہاں تک کہ قبر میں چلا جاؤں۔

إذا فی مجلسٍ نَذْکُرُ عَلِیًّا
وَسِبْطَیْہِ وفاطمۃَ الزَّکِیْہِ

جب ہم کسی مجلس میں حضرت علی، ان کے دونوں صاحب زادگان اور طہارت مآب فاطمہ کا ذکر کرتے ہیں۔

یِقَال: تَجَاوَزُوْا یا قومُ ھٰذا
فھٰذا مِنْ حَدِیْثِ الرَّافِضِیَّہ

تو کہا جاتا ہے کہ تم تو حد سے تجاوز کر رہے ہو، یہ تو رافضیوں کی سی باتیں ہیں۔

بَرِیْتُ إلی المُھَیْمِنِ مِن اُنَاسٍ
یَرَونَ الرَّفْضَ حُبَّ الفاطِمِیَّۃ (۳۴)

میں ایسے لوگوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو آلِ فاطمہ کی محبت کو رفض سمجھتے ہیں۔

حضرت ابوالحسن بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ:

اُحِبُّ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی وَابْنَ عَمِّهٖ
عَلِیًّا وَّسِبْطَیْهِ وَفَاطِمَةَ الزَّهْرَا

میں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے چچازاد بھائی حضرت علی، ان کی اولاد حسنین کریمین اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتا ہوں۔

هُمْ اَهْلُ بَیْتٍ اُذْهِبَ الرِّجْسُ عَنْهُمْ
وَاَطْلَعَهُمْ اُفُقَ الْهِدَایَةِ اَنْجُمًا زَهْرًا

یہی اہل بیت ہیں جن سے ہر قسم کی ناپا کی دور کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانِ ہدایت پر روشن ستارے بنا کر چمکایا۔

وَمَوَالَاتُهُمْ فَرْضٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ
وَحُبُّهُمْ اَسْنَی الذَّخَائِرِ الْاَخْرَی

ان کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے، اور ان کی محبت بہترین اور بلند ترین ذخیرۂ آخرت ہے۔

وَمَا اَنَا لِلصَّحْبِ الْکِرَامِ بِمُبْغِضٍ
فَاِنِّیْ اَرَی الْبُغْضَاءَ فِیْ حَقِّهِمْ کُفُرًا

میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والا نہیں اس لیے کہ ان سے بغض رکھنا کفر سمجھتا ہوں۔

هُمْ جَاهَدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ
وَهُمْ نَصَرُوْا دِیْنَ الْهُدٰی بِالظَّبَا نَصْرا

انہوں نے اللہ کی راہ میں ایسا جہاد کیا جیسا کہ اس کا حق تھا اور انہوں نے دین ہدایت کی ایسی مدد کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔

عَلَیْهِمْ سَلَامُ اللّٰهِ مَادَامَ ذِکْرُهُمْ
لَدَی الْمَلَأ الْاَعْلٰی وَاَکْرِمْ بِهٖ ذِکْرًا (۳۵)

ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو جب تک ان کا ذکر ملأ اعلیٰ میں ہوتا رہے اور یہ ذکر کس قدر مکرم و معظم ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۶۳۸ھ)

فَلَا تَعْدِلْ بِاَهْلِ الْبَیْتِ خَلْقًا
فَاَهْلُ الْبَیْتِ هُمْ اَهْلُ السِّیَادَةِ

اہل بیت کے ساتھ تم کسی مخلوق کو برابر نہ کرو کیوں کہ اہل بیت ہی اہل سیادت ہیں۔

فَبُغْضُهُمْ مِّنَ الْاِنْسَانِ خُسْرٌ
حَقِیْقِیٌّ وَّحُبُّهُمْ عِبَادَة (۳۶)

ان کی دشمنی انسان کے لیے حقیقی گھاٹا ہے، اور ان کی محبت عبادت ہے۔

ابوفراس، فرزدق، شاعر عرب

جب ہشام بن عبدالملک حج کے لیے گیا تو طواف کرتے ہوئے حجر اسود کو چومنے کی بہت کوشش کی مگر کثرت ہجوم کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا، اس کے لیے ایک تخت بچھا دیا گیا اس پر بیٹھ کر وہ طواف اور حجر اسود کو چومنے کا منظر دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کے ساتھ شامیوں کی ایک جماعت تھی، اسی وقت اچانک حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابوطالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تشریف لائے اور طواف میں مصروف ہو گئے، جب حجر اسود کی طرف بڑھے تو لوگوں نے ان کے لیے خود بہ خود راستہ صاف کر دیا اور انہوں نے بہ آسانی حجر اسود کا بوسہ دیا، یہ دیکھ کر ایک شامی نے پوچھا یہ کون ہے؟ جس سے لوگ اس قدر ہیبت زدہ ہیں، ہشام نے کہا کہ میں تو اسے نہیں جانتا اور اس نے یہ اس ڈر سے کہا تھا کہ اہل شام آپ کے

عقیدت مند نہ ہوجائیں، اس وقت وہاں عرب کا مشہور شاعر فرزدق موجود تھا، اس نے کہا میں جانتا ہوں اس کے بعد اس نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں ۔

هٰذَا الَّذِىْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهٗ
وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمٗ

یہ وہ ہے کہ وادی بطحا جس کی روش پہچانتی ہے بیت اللہ اور حل وحرم اس سے آشنا ہیں۔

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمٖ
هٰذَا التَّقِىُّ النَّقِىُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمٗ

یہ اس کا فرزند ہے جو اللہ کے تمام بندوں سے بہتر ہے۔ یہ خدا ترس پاک و صاف اور قوم کا سردار ہے۔

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةٍ اِنْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ
بِجَدِّهٖ اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

یہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرزند ہے اگر تو نہیں جانتا تو جان لے کہ اسی کے جد امجد خاتم النبیین ہیں۔

فَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهٖ
اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْكَرْتَ وَالْعَجَمٗ

تو تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے؟ اس کو ضرر پہنچانے والا نہیں، کیوں کہ جس سے تو نے نا آشنائی کا اظہار کیا اس کو عرب بھی جانتے ہیں اور عجم بھی۔

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا
تَسْتَوْكِفَانِ وَلَا يَعْرُوْهُمَا الْعَدَمٗ

ان کے دونوں ہاتھ سخاوت کی بارش ہیں جن کا فیض عام ہے، ہمیشہ برستے رہتے ہیں اور ''نا'' کا ان کے یہاں گزر ہی نہیں۔

سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ لَاتُخْشٰى بَوَادِرُهٗ
يَزِيْنُهٗ اِثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّيَمٗ

یہ ایسا نرم خو ہے کہ اس کے غضب ناک ہونے کا خوف ہی نہیں، اس کو دو چیزوں حسن خلق اور حسن طبیعت نے زینت دی ہے۔

مَا قَالَ لَاقَطُّ اِلَّا فِىْ تَشَهُّدِهٖ
لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَآءُهٗ نَعَمٗ

اس نے کبھی لا (نہیں) تو کہا ہی نہیں سوائے کلمۂ شہادت کے اور اگر اس میں لا نہ ہوتا تو ان کا وہ لا بھی نعم (ہاں) ہی ہوتا۔

اِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا
اِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِىْ الْكَرَمٗ

جب قریش ان کو دیکھتے ہیں کہنے والا کہتا ہے کہ انہیں کے اخلاقِ حسنہ پر جود وکرم کی نہایت ہے۔

يُغْضِىْ حَيَاءً وَّيُغْضٰى مِنْ مَّهَابَتِهٖ
فَمَا يُكَلِّمُ اِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

یہ تو حیا سے نگاہ نیچی رکھتا ہے اور لوگوں کی نگاہیں اس کی ہیبت سے جھک جاتی ہیں اور کوئی اس سے گفتگو نہیں کرتا مگر جب کہ یہ تبسم فرمائے۔

اَللّٰهُ شَرَّفَهٗ قِدْمًا وَّعَظَّمَهٗ
جَرٰى بِذَاكَ لَهٗ فِىْ لَوْحِهِ الْقَلَمٗ

اللہ نے ازل ہی سے ان کو شرف وکمال بخشا اور بزرگ بنایا ہے اور اس سلسلے میں ان کے لیے لوح محفوظ میں قلم چل چکا ہے۔

مَنْ يَشْكُرِ اللّٰهَ يَشْكُرْ اَوَّلِيَّةَ ذَا
فَالدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمٗ

جو اللہ کا شکر گزار ہو وہ ان کی اس عظمت و اولیت کا بھی اعتراف کرے کہ

دین حق انہیں کے گھر سے پوری دنیا کو نصیب ہوا۔

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَّبُغْضُهُمْ
كُفْرٌ وَّقُرْبُهُمْ مَنْجًى وَمُعْتَصَمْ

یہ اس پاکیزہ گروہ کا ایک فرد ہے جن کی محبت دین، بغض کفر اور قرب ذریعۂ نجات وجائے پناہ ہے۔

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ، ذِكْرُهُمْ
فِيْ كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِهِ الْكَلِمْ

ہر ابتدا میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے اور اسی پر ہر کلام کی انتہا ہے۔

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقىٰ كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ
اَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ: هُمْ

اگر متقی لوگوں کا شمار کیا جائے، تو ان سب کے امام و پیشوا یہی ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ روے زمین پر سب سے بہتر کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ یہی لوگ۔

لَا يَسْتَطِيْعُ جَوَادٌ بَعْدَ جُوْدِهِمْ
وَلَا يُدَانِيْهِمْ قَوْمٌ وَّاِنْ كَرُمُوْا (۳۷)

ان کی سخاوت کے بعد کوئی بھی سخی سخاوت کی مجال نہیں رکھتا، اور کوئی بھی قوم جود و بخشش میں ان کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی، اگرچہ وہ کتنی ہی جود و سخا والی ہو۔

جب ہشام نے یہ سب سنا تو غضب ناک ہو کر فرزدق کو ’’عساف‘‘ نامی کنویں میں قید کر دیا (یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے) جب اس کی خبر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے بہ شفقت، محبت بارہ ہزار درہم فرزدق کے پاس بھیجے اور معذرت کے ساتھ کہا کہ اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتے تو وہ بھی بھیجتا، اس نے یہ کہہ کر وہ درہم واپس کر دیے کہ میں نے آپ کی تعریف اللہ و رسول کو راضی کرنے کے لیے کی ہے نہ کہ عطا و بخشش کے لیے۔ حضرت امام نے فرمایا: فرزدق سے کہو کہ اگر تو ہم اہل بیت رسول سے محبت رکھتا ہے تو یہ درہم

واپس نہ کرے، کیوں کہ ہم اہل بیت جسے کوئی چیز بخش دیتے ہیں تو اسے ہرگز واپس نہیں لیتے تو فرزدق نے قبول کر لیا۔ (۳۸)

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی (وفات: ۱۳۵۰ھ)

آلَ طٰهٰ يَا اٰلَ خَيْرِ نَبِيٍّ
جَدُّكُمْ خِيَرَةٌ وَاَنْتُمْ خِيَارٌ

اے حضرت فاطمہ اور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک! آپ کے جد امجد بھی افضل ہیں اور آپ بھی افضل ہیں۔

اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْـ
تِ قِدْمًا فَأَنْتُمُ الْاَطْهَارُ

اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو شروع ہی سے آلودگیوں سے محفوظ رکھا ہے، لہٰذا آپ پاک اور صاف ہیں۔

لَمْ يَسَلْ جَدُّكُمْ عَلَى الدِّيْنِ اَجْرًا
غَيْرُ وُدِّ الْقُرْبٰى وَنِعْمَ الْاِجَارُ

آپ کے جد امجد نے تبلیغ دین پر کچھ اجرت طلب نہیں کی، البتہ رشتہ داروں کی محبت کا حکم دیا، بے شک آپ بہترین پناہ ہیں۔

حُبُّكُمْ جَنَّةٌ لِكُلِّ فُؤَادٍ
فِيْهِ حُبُّ الْاَصْحَابِ وَالْبُغْضُ نَارٌ

آپ کی محبت ہر اس دل کے لیے گل و گلزار ہے جس میں صحابہ کی محبت ہے اور آپ کا بغض آگ ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَاَتَمَّ النُّوْ
رَ فِيْكُمْ وَاِنْ اَبٰى الْكُفَّارُ

اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو اور آپ میں نور مکمل فرمائے اگرچہ کافر انکار کریں۔ (۳۹)

امام احمد رضاؔ قادری بریلوی (وفات: ۱۳۴۰ھ)

پارہاے صحف غنچہاے قدس　　اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے　　اس رِیاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر　　ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اس بتولِ جگر پارۂ مصطفیٰ　　حجلہ آراے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے　　اس رِداے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ　　جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا　　راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام
اس شہیدِ بلا شاہ گل گوں قبا　　بیکس دست غربت پہ لاکھوں سلام (۴۰)

حسن رضا حسنؔ بریلوی (وفات: ۱۳۲۶ھ)

باغ جنت کے ہیں بہرِ مدحِ خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت
کس زباں سے ہو بیانِ عزو شان اہل بیت
مدح گوے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلِ بیت
اُن کی پاکی کا خداے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت
مصطفیٰ عزت بڑھانے کے لیے تعظیم دیں
ہے بلند اقبال تیرا دودمانِ اہل بیت
اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلِ بیت
دولت دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دُکانِ اہل بیت
زخم کھانے کو تو آبِ تیغ پینے کو دیا

خوب دعوت کی بلا کر دشمنانِ اہل بیت
اپنا سودا بیچ کر بازار سونا کر گئے
کون سی بستی بسائی تاجرانِ اہل بیت
اہلِ بیتِ پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ دشمنانِ اہلِ بیت
بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستانِ اہل بیت (۴۱)

ماخذ و مراجع

(۱) سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۳، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔
(۲) کنز الایمان، امام احمد رضا قادری، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔
(۳) اشعۃ اللمعات، ج: ۴، ص: ۶۸۰، ۶۸۱، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ۔
(۴) حاشیہ اشعۃ اللمعات ج: ۴، ص: ۶۸۱، مولانا امیر علی، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ۔
(۵) سورۃ الشوریٰ، آیت: ۲۳، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔
(۶) کنز الایمان، امام احمد رضا قادری، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔
(۷) الصواعق المحرقہ، ص: ۲۰۰، امام احمد بن حجر ہیتمی مکی۔
(۸) کنز العمال، ج: ۲، ص: ۱۲۳۱، حدیث: ۳۴۱۵۱، علامہ علاء الدین متقی ہندی، بیت الافکار الدولیۃ.
(۹) مشکاۃ المصابیح، ص: ۵۵۴، امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔
(۱۰) برکات آلِ رسول از: علامہ عبد الحکیم شرف قادری، ص: ۲۴۹، ترجمہ: الشرف المؤبد لآل محمد، از: علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۱۱) برکاتِ آلِ رسول، ص:۲۴۴، علامہ نبہانی، علامہ شرف قادری، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۱۲) برکاتِ آلِ رسول، ص:۲۴۹، علامہ نبہانی، علامہ شرف قادری، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۱۳) برکاتِ آلِ رسول، ص:۲۵۰، علامہ نبہانی، علامہ شرف قادری، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۱۴) کشف المحجوب اردو، ص:۱۱۵، داتا گنج بخش ہجویری، غلام معین الدین نعیمی، رضوی کتاب گھر، دہلی۔

(۱۵) الصواعق المحرقہ، امام احمد بن حجر ہیتمی مکی۔

(۱۶) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۲۷، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۱۷) قوت القلوب اردو، ج:۲، ص:۲۹۶، ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، ترجمہ: مولانا صدر عالم، اسیر چول پبلی کیشنز، نئی دہلی۔

(۱۸) برکاتِ آلِ رسول، ص:۲۵۲، ۲۵۳، علامہ نبہانی، علامہ شرف قادری، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۱۹) مکتوبات امام ربانی، ج:۲، ص:۹۷، مکتوب: ۳۶، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، ایشیق کتابوے، ترکی۔

(۲۰) سفینۂ نوح، ص:۳۳، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رضوی کتاب گھر، دہلی۔

(۲۱) اخبار الاخیار، ص:۴۹۶، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ادبی دنیا دہلی۔

(۲۲) سفینۂ نوح، ص:۳۳، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، رضوی کتاب گھر، دہلی۔

(۲۳) سفینۂ نوح، ص:۳۳، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، رضوی کتاب گھر، دہلی۔

(۲۴) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۰۷، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۲۵) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۲۵، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۲۶) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۲۷، امام احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۲۷) خطبات محرم، ص:۲۶۰، مفتی جلال الدین احمد امجدی، کتب خانہ امجدیہ، براؤں، بستی۔

(۲۸) برکاتِ آلِ رسول، ص:۲۶۰ تا ۲۷۰، علامہ نبہانی، علامہ شرف قادری، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۲۹) دیوان امام الشافعی، ص:۲۷، امام محمد بن ادریس شافعی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ۔

(۳۰) دیوان امام الشافعی، ص:۳۸، امام محمد بن ادریس شافعی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ۔

(۳۱) دیوان امام الشافعی، ص:۵۹، امام محمد بن ادریس شافعی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ۔

(۳۲) دیوان امام الشافعی، ص:۶۷، امام محمد بن ادریس شافعی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ۔

(۳۳) دیوان امام الشافعی، ص:۸۲، امام محمد بن ادریس شافعی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ۔

(۳۴) دیوان امام الشافعی، ص:۱۱۳، امام محمد بن ادریس شافعی، مکتبۃ الآداب، قاہرہ۔

(۳۵) نور الابصار، ص:۱۲۷، شیخ مؤمن بن حسن مؤمن شبلنجی، ابناء مولوی محمد بن غلام رسول سورتی، ممبئی۔

(۳۶) نور الابصار، ص:۱۲۸، شیخ مؤمن بن حسن مؤمن شبلنجی، ابناء مولوی محمد بن غلام رسول سورتی، ممبئی۔

(۳۷) دیوان الفرزدق، ص:۵۱۱ تا ۵۱۳، ابوفراس فرزدق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

(۳۸) الصواعق المحرقہ، ص:۲۳۳، امام احمد بن حجر ہیتمی مکی۔

(۳۹) برکاتِ آلِ رسول، ص:۲۴، علامہ نبہانی، علامہ شرف قادری، رضا اسلامک مشن، بریلی۔

(۴۰) حدائق بخشش، ج:۲، ص:۶۴، ۶۵، امام احمد رضا قادری بریلوی، رضوی کتاب گھر، دہلی۔

(۴۱) ذوق نعت، ص:۳۰، ۳۱، علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی، رضوی کتب خانہ بازار صندل خان، بریلی۔

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
استاذ جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو، یوپی

اسلام ایک مکمل روحانی اور اخلاقی نظام اور مستقل تہذیب کا نام ہے، جس کے اندر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ اجتماعی شیرازہ بندی کے اصول سیاسی و معاشرتی ضابطے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور ان اصول وقوانین کے عملی مظاہر بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جلوہ افروز ہیں۔ جس کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ فرمایا: ”لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة.“

رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جہاں عبادت وطاعت اور سیاست ومعاشرت کے لیے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کیا وہیں ازدواجی تعلقات کی ہمواری گھریلو زندگی کے اعتدال وتوازن، حقوق زوجین کی ادائیگی کے لیے واضح طریقۂ عمل عطا فرمایا، عائلی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ انسانی دنیا کو نجی اور قومی زندگی کے لئے رہنما اصول مہیا کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ ایک مضبوط سماج اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ازدواجی زندگی بسر کی اور متعدد عورتوں سے نکاح فرمایا، جس کا مقصد تعلیمی، تشریعی، سماجی اور سیاسی مصالح کی تکمیل تھا۔

- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صنف نازک کے مسائل کے متعلق جو تعلیمات لے کر تشریف لائے تھے، ان تعلیمات کو خواتین امت تک پہنچانے، انہیں مسائل سمجھانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے کے لیے ایسی خواتین کی ضرورت تھی، جو بالغ نظر، بلند کردار ہوں اور فریضۂ رسالت کی تبلیغ کے لیے مخلص کارکن کی حیثیت سے کام کر سکیں، اس سلسلے میں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو امت کی عورتوں تک پوری دیانت کے ساتھ ساتھ پہنچانے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوں چنانچہ ازواج مطہرات نے بھی عائلی زندگی کے مسائل اور ان کی عملی تعبیرات واحکام کو امت کی عورتوں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیا۔
- زمانۂ جاہلیت میں ازدواجی زندگی کے تعلق سے بہت سی غیر اخلاقی اور احمقانہ رسمیں رواج پا چکی تھیں جن سے اس معاشرے میں سر مو انحراف جائز نہ تھا۔ جب کہ یہ رسمیں بڑی تباہ کن اور انسانی معاشرے کے لیے سخت مہلک تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں ان غلط رسموں کا انسداد اور صالح طرز عمل کی ترویج واشاعت بھی تھا، ان کو ختم کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسموں کے خلاف عمل کر کے صالح نمونہ پیش نہ کرتے۔ انہیں میں ایک رسم یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں متبنیٰ کی مطلقہ یا بیوہ بیوی سے نکاح کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا، اس رسم کی اصلاح سرکار نے اپنے متبنی غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے فرمائی۔
- انسانی معاشرے میں وفاداری اور احسان شناسی ایک عمدہ زیور ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس اصحاب کی وفاداریوں اور جاں نثاریوں کا شکریہ اس طرح ادا فرمایا، کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیوں کو اپنے حرم میں داخل فرمایا اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے اپنی صاحبزادیاں منسوب کر کے ان کی کلاہ افتخار میں چار چاند لگائے۔
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں کے متعدد مقاصد میں سے ایک مقصد دشمنوں کے دل جیتنا، اسلام کے ساتھ ان کی مخالفت کو کم کرنا، قبائل کو رشتے کے ذریعہ اپنے قریب تر کرنا اور دین حق کی روشنی کو پھیلانے کے لیے راستے کو ہموار کرنا

بھی تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا قبیلہ بنی مطلق کی اسلام دشمنی کو ختم کر کے انہیں اسلام سے قریب کرنا تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے سرکار کا نکاح کرنا اس لحاظ سے مفید تھا کہ قوم یہود کی اسلام دشمنی میں کمی واقع ہو، چنانچہ یہود جو اس سے پہلے اسلام کے خلاف ہر جنگ میں کسی نہ کسی حیثیت سے شریک رہا کرتے تھے اب وہ اس سلسلے میں خاموش نظر آتے ہیں۔

یہ وہ اہم تعلیمی تشریعی، سماجی وسیاسی امور ومصالح تھے جن کی تکمیل کسی ایک عورت کے نکاح سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ شادیاں کیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی کاشانے میں بیک وقت نو ازواج مطہرات شمع حرم کی طرح جلوہ گر تھیں اور ان کی ضیا پاشیوں سے خواتین اسلام ہی نہیں بلکہ امت کے شائقین علم روشنی حاصل کرتے رہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسم گرامی خدیجہ کنیت ام ہند اور لقب طاہرہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر آپ کا خاندان رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب پاک سے مل جاتا ہے، والدہ کا اسم گرامی فاطمۃ بنت زائدہ تھا۔ خویلد اپنے قبیلہ میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مکہ مکرمہ آ کر اقامت اختیار کی۔ قصی کے لڑکے عبدالداران کے حلیف بن گئے۔ اور پھر یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کر لیا۔ عام الفیل سے پندرہ سال پہلے آپ کے بطن سے حضرت بی بی خدیجہ کی ولادت ہوئی سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ والد نے اپنی پاکیزہ صفت لخت جگر کے لئے ان کے معیار کا رشتہ ڈھونڈنا شروع کیا۔ نگاہ انتخاب ورقہ بن نوفل پر جا کر ٹھہری جو تورات و انجیل کے زبردست عالم سیرت واخلاق میں ممتاز اور آپ کے چچیرے بھائی تھے۔ لیکن کسی وجہ سے یہ رشتہ پائے تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ پھر ابو ہالہ بن نبیاش تمیمی کے کلاہ افتخار کا طرہ بن گئیں۔ کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہوا تو آپ عقیق بن عابد مخزومی کے

چمن آرزو کا پھول بن گئیں۔ اسی دوران عرب کی مشہور خونریز جنگ حرب الفجار چھڑ گئی جس میں آپ کے والد گرامی اور شوہر مارے گئے۔ یہ واقعہ عام الفیل کے بیس سال بعد واقع ہوا۔

تجارت

والد اور شوہر کے انتقال نے حضرت خدیجہ کو غم واندوہ کا پیکر بنا دیا اور ان کا مستقبل معاشی اعتبار سے بظاہر تاریک ہو گیا لیکن قدرت نے انہیں فطرت سلیم تدبر ہوش مندی ذکاوت وفراست کے نور سے مالا مال کیا تھا صبر وتحمل کی چٹان بن کر میدان عمل میں اتریں اور کاروبار تجارت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ اپنے اعزا اور تجارتی کارندوں کے ذریعہ تجارت کرنے لگیں اور مال تجارت بھیجنے لگیں۔ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو طالب نے کہا بیٹا خدیجہ کا مال باہر جا رہا ہے میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ تم ہی ان سے جا کر ملو اور کاروان تجارت کے ساتھ جاؤ۔ افسوس ہے کہ میرے پاس رقم نہیں ہے، ورنہ میں تمہارے لیے سرمایہ فراہم کرتا قلت زر کی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت خدیجہ سے نہ مل سکے اور نہ ہی کاروان تجارت کے ساتھ سفر کیا لیکن اس گفتگو کی اطلاع کسی طرح حضرت خدیجہ کو ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پورے مکہ میں امین کے لقب سے مشہور ہو چکے تھے اور آپ کی پاکبازی و نیک سیرتی، دیانت و امانت اور پاکیزہ اخلاق کا چرچا عام ہو چکا تھا اتنا ہی اشارہ حضرت خدیجہ کے لیے کافی تھا، سنتے ہی پیغام بھیجا آپ تشریف لائیے اور میرا مال تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیے، میں دوسروں کو جو معاوضہ دیتی ہوں آپ کو اس کا دونا دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کر لیا اور شام جانے کے لیے تیار ہو گئے چنانچہ آپ نے حضرت خدیجہ سے مال تجارت لیا اور ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، بصریٰ پہنچ کر خرید وفروخت کا سلسلہ شروع ہوا، کرشمۂ قدرت سے اس سفر تجارت میں حضرت خدیجہ کو سالہائے گذشتہ کی نسبت دوگنا نفع ہوا۔

میسرہ نے دوران سفر جو حالات و واردات مشاہدہ کیے تھے حضرت خدیجہ سے بیان کیا، حضرت خدیجہ بہت زیادہ متأثر ہوئیں اور رفیق حیات بننے کے لئے تیار ہوگئیں۔

حرم نبی میں

تجارتی کاروبار، دولت کی فراوانی و شریفانہ اخلاق محامد، حسن سیرت و صورت کی بنا پر اعیان مکہ خواہش مند تھے کہ اس متمول پاکیزہ خصلت خدیجہ سے نکاح کریں لیکن کارکنان قضاوقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا اور آپ کو نیل گوں آسمان کے نیچے سب سے بڑا اشرف حاصل ہونے والا تھا۔ حضرت خدیجہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت و اخلاق سے ان کی گرویدہ بن چکی تھیں۔ چنانچہ یعلیٰ بن امیہ کی ہمشیرہ نفیسہ بنت منیر کو بلایا اور یہ خدمت ان کے سپرد کی، وہ آپ کی شادی کا پیغام حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیں۔ حضرت خدیجہ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چچا موجود تھے جو والد کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے معاملات عقد کو طے کر سکتے تھے، لیکن اسلام ہی کی طرح عہد جاہلیت میں بھی شریف خواتین اپنے معاملات عقد و نکاح میں مختار تھیں۔ اسی بنا پر آپ نے خود پیغام دیا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کرلیا۔ شادی کی تاریخ اور دن کا بھی تعین ہوگیا چنانچہ تاریخ معین پر آپ ہی کے کاشانۂ مبارک پر خاندان ہاشمی کے تمام رؤسا جمع ہوئے جن میں ابوطالب اور حضرت حمزہ بھی شریک تھے، حضرت خدیجہ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کرلیا تھا عمر بن اسد کے مشورے سے پانچ سو طلائی درہم پر نکاح ہوگیا۔ خطبۂ نکاح ابو طالب نے پڑھا۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال تھی۔

نزول وحی کا آغاز اور حضرت خدیجہ کی خدمات

پندرہ برس کی خوشگوار ازدواجی زندگی یکجہتی اور آرام و آسائش کے ساتھ گزری، جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال ہوئی تو حرا کے خلوت کدے میں نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ اس غیر معمولی واقعہ سے رسول گرامی صلی اللہ

علیہ وسلم خوف و اضطراب کی کیفیت میں گھر آئے اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ مونس و غم گسار بی بی نے سرکار کے اس قول ''**لقد خشیت علی نفسی**'' کے جواب میں بڑی ہمدردی اور دلجوئی فرماتے ہوئے عرض کیا:

''**کلا و الله ما یخزیک الله ابداً إنک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق.**''

''متردد نہ ہوں خدا ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں بیکسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ (بخاری شریف، جلد اول، ص۲)

اس تسلی بخش کلام کے بعد حقائق تک پہونچنے والی خاتون اس وقت کے سب سے بڑے عالم ورقہ بن نوفل اسدی کے پاس آپ کو لے کر گئی تا کہ اس واقعے کی حقیقت کا پتہ چل سکے اور خاوند کو طمانیت قلب حاصل ہو۔ حضرت خدیجہ جب ورقہ کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا ''اپنے بھتیجے کی باتیں سنئے'' بولے اے بھتیجے تم نے کیا دیکھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا۔ کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے ورقہ نے جواب دیا، ہاں، جو کچھ تم پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے، تو دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے، اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔

حضرت بی بی خدیجہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ تصدیق نبوت کے ساتھ سرکار کی سب سے بڑی مدد و معاون ثابت ہوئیں۔ آپ ہی کے اثر و اقتدار کا نتیجہ تھا کہ ابتدا میں کفار قریش آپ کو ایذا دینے سے ہچکچاتے رہے، جب مشرکین نے آپ پر مظالم ڈھائے تو آپ ہی تسلی و تشفی دیتی رہیں۔ استیعاب میں ہے:

”**فكان يسمع من المشركين شيئا يكره من رد عليه و تكذيب له الا خرج الله عنه بما تثبته و تصدقه و تخفف عنه وتهون عليه ما يلقى من قومه .**“یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ ہوتا حضرت خدیجہ کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملے کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔ (جلد۲، ص۷۴۵)

جب ۷ نبوی میں قریش نے اسلام کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر سوچی کے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو ایک ساتھ شعب ابو طالب میں محصور کر دیا جائے چنانچہ ابو طالب پورے خاندان کے ساتھ اس گھاٹی میں فروکش ہوئے، حضرت خدیجہ بھی ہمراہ تھیں۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس گھاٹی میں ابتلا و آزمائش کی سخت گھڑیاں گذاریں۔ طلح کے پتے کھا کھا کر گذر بسر کرتے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔

وفات

حضرت خدیجہ پچیس سال تک حرم نبوت میں رہیں گیارہ رمضان ۱۰ نبوی کو ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قبر میں اتارا۔

حضرت خدیجہ کی وفات سے تاریخ اسلام کا ایک جدید دور شروع ہوا یہی وہ زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو ”عام الحزن“ (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ سے دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ ہوئے، دونوں بچپن میں انتقال کر گئے، چار صاحبزادیاں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ پیدا ہوئیں۔

فضائل ومناقب

فضائل اخلاق، محاسن کردار میں حضرت خدیجہ کی ذات بڑی اعلیٰ وارفع تھی

کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ فضاؤں میں جب داعی حق نے فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی تائید میں نہ اٹھی، وادی عرفات، کوہ حرا اور جبل فاران کی تمام بستیاں اور آبادیاں تک پیکر حیرت وسکوت بنی رہیں، ایک آپ ہی کی آواز تھی جو تائید حق میں بلند ہوئی اور ایک آپ ہی کا قلب نازک تھا جو اس ظلمت کدۂ عالم میں انوار الٰہی کی تجلی گاہ بنا، اللہ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والی، اللہ کے پیغمبر کی حمایت میں اپنا کاروبار اپنی تجارت، اپنی دولت، اپنا عیش وآرام حد یہ کہ اپنی جان غرض سب کچھ قربان کرنے کے لئے آگے بڑھنے والی، اللہ کے رسول کے ساتھ قید رہنے والی اور پروردۂ ناز ونعم ہو کر انواع واقسام کے شدائد ومصائب کو برداشت کرنے والی، ناامیدی اور افسردگی کے اوقات میں قلب پژمردہ کو شگفتہ وشاداب کرنے والی اگر کوئی ذات تھی تو صرف آپ کی ذات تھی، آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کی راہ میں سچی مشیر کار تھیں، دور ابتلاء وآزمائش میں آپ کا ایثار اور جذبۂ قربانی بے مثال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غمگسار شریک حیات اور اسلام کی بے لوث مددگار خاتون سے حد درجہ محبت فرماتے تھے، سرکار نے آپ کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کی جو ایک استثنائی مثال تھی، آپ کی وفات کے بعد بھی تعلق خاطر کی وہی کیفیت باقی رہی جو زندگی میں تھی، معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سرکار دو عالم آپ کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اگرچہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا پھر بھی مجھے جس قدر رشک ان پر آتا تھا اور کسی پر نہیں آیا جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ان کا ذکر برابر کرتے رہتے۔ ایک دن میں نے انہیں اس پر رنجیدہ بھی کیا لیکن صاف فرمادیا کہ اللہ نے مجھے خدیجہ کی محبت دی ہے۔ حضرت عائشہ نے ایک موقع پر کہا کہ آپ کیا ایک بڑھیا (خدیجہ) کو یاد کرتے ہیں جو دنیا سے جا چکی جبکہ خدا نے آپ کو اس سے اچھی بیویاں عطا فرمائیں، سرکار نے ارشاد فرمایا ”عائشہ ہرگز نہیں خدیجہ بہت عظیم تھیں، جب لوگوں نے میری

تکذیب کی وہ والہانہ بڑھیں، جب لوگ کفر میں ڈوبے تھے وہ ایمان لائیں، جب میرا کوئی مددگار نہ تھا انہوں نے مدد کی۔

صحیحین میں سرکار کی حدیث ہے:

’’**خیر نسائھا مریم بنت عمران و خیر نسائھا خدیجة بنت خویلد.**‘‘ دنیا میں افضل ترین عورتیں مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت جبریل امین سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت خدیجہ بھی تھیں جبریل امین نے فرمایا: ’’**لبشرھا بیتا فی الجنة من قصب لا ضحب فیھا ولا نصب** ‘‘ان کو جنت میں ایسا گھر ملنے کی بشارت دے دیں جو موتی کا ہوگا جس میں شور وغل اور محنت ومشقت نہ ہوگی۔

گویا اللہ رب العزت حضرت خدیجہ کی خدمات وطاعات سے اتنا خوش ہوا کہ آپ کو زندگی اور دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی۔

ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

اسم گرامی سودہ، قریش کے ایک مشہور قبیلے عامر بن لوئی سے تعلق رکھتی تھیں سلسلۂ نسب یہ ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بنی حسل بن عامر بن لوئی ماں کا نام شموس تھا جو مدینہ کے قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتی تھیں جن کا نسب نامہ یہ ہے: شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خرش بنی عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا، اعلان نبوت کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں، اس طرح انہیں قدیم الاسلام ہونے کی فضیلت حاصل ہے، مکہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ اور آپ کے شوہر کفار قریش کے مظالم کا نشانہ بنے اور جب ان شدتوں کی بنا پر ہجرت حبشہ کا حکم ہوا تو یہ مقدس جوڑا حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا، چند سال حبشہ میں قیام کے بعد شوہر کے ساتھ مکہ آئیں، جہاں آپ کے شوہر نامدار سکران نے کچھ دنوں بعد وفات پائی۔

حضرت سودہ حرم نبوت میں

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد امہات المؤمنین میں سب سے پہلے حرم نبوی میں داخل ہونے کا شرف حضرت سودہ کو حاصل ہوا۔ حضرت خدیجہ کا وصال ہوا تو سرکار کو مونس وغمخوار اور رفیقۂ حیات کی جدائی کا بہت صدمہ ہوا اور آپ رنجیدہ خاطر رہنے لگے، خولہ بنت حکیم زوجہ عثمان بن مظعون نے جب یہ کیفیت دیکھی تو عرض کیا کہ آپ کو ایک مونس ورفیق کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا ہاں ضرورت تو ہے اس لیے کہ بال بچوں کی پرورش و پرداخت اور خانگی امور و معاملات کی ذمہ داری خدیجہ پر تھی، ان کے وصال سے خلا پیدا ہوگیا ہے۔ سرکار کے ایما پر حضرت خولہ سودہ کے والد زمعہ کے پاس گئیں اور سلام کیا پھر سودہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا محمد شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی دریافت کرلو، سودہ کی رضا مندی پر رسوم رشتہ کی تکمیل ہوگئی، سرور کائنات حضرت سودہ کے گھر بنفس نفیس تشریف لے گئے، زمعہ نے نکاح پڑھایا، ۴۰۰؍ درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد سودہ کے بھائی عبد اللہ بن زمعہ آئے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے اس رشتۂ ازدواج پر حسرت کا اظہار کیا اور سر پر خاک ڈالی لیکن جب عبد اللہ مسلمان ہوگئے تو اپنی اس جاہلانہ حماقت پر ہمیشہ افسوس کرتے رہے۔ یہ عقد رمضان ۱۰ نبوی میں ہوا تھا۔

ایک روایت میں ہے حضرت سودہ نے شوہر اول کی زندگی میں خواب دیکھا تھا، شوہر سے بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے، تمہارا نکاح رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا، چنانچہ اس خواب کی تعبیر حرف بحرف صادق آئی۔

مدینہ آمد

۱۳ نبوی میں جب سرور عالم نے عزیز وطن مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں قیام فرمایا تو زید بن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ وہ حضرت سودہ اور فاطمہ زہرا کو لے کر مدینہ آئیں۔

چنانچہ آپ حضرت زید کے ساتھ مدینہ آ گئیں اور دو ہجرتوں کی فضیلت سے آپ کا دامن کمال مالا مال ہوا۔

حجۃ الوداع ۱۰ھ میں آپ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکاب تھیں، چونکہ آپ بلند قامت، فربہ اندام تھیں جس کی بنا پر بھیڑ بھاڑ میں تیزی کے ساتھ چلنا مشکل تھا اس لیے حضور نے آپ کو اجازت دی کہ مزدلفہ سے عام لوگوں کی روانگی سے پہلے تم کو روانہ ہو جانا چاہیے کیونکہ بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے زحمت ہوگی۔ (بخاری، ج ۱، ص ۲۲۸)

شمائل وخصائل

حضرت سودہ کا قد لمبا، جسم فربہ، ازواج مطہرات میں آپ سب سے بلند قامت تھیں، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جس نے ان کو دیکھ لیا وہ اس سے چھپ نہیں سکتی تھیں۔

حضرت سودہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک بخاری شریف میں بھی ہے صحابہ میں ابن عباس، ابن زبیر اور یحیی بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

آپ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں حضرت عائشہ کا ارشاد ہے: ”ما من الناس امرأة احب الی ان اکون فی مسلاخها من سودة“ سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی (طبقات،: ج ۸، ص ۳۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں ممتاز تھیں، حضور نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات سے فرمایا تھا ”میرے بعد گھر میں بیٹھنا“ چنانچہ حضرت سودہ نے اس حکم کی تعمیل شدت کے ساتھ کی، حجۃ الوداع کے بعد کبھی حج کے لیے نہ نکلیں۔ فرمایا کرتی تھیں میں نے حج اور عمرہ دونوں ادا کر لیا ہے اور اب رسول خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔

سخاوت وفیاضی میں آپ حضرت عائشہ کے علاوہ تمام امہات المؤمنین میں نمایاں تھیں۔ ایک بار حضرت عمر نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس تھیلی میں کیا ہے اس نے کہا درہم، فرمایا کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں؟ پھر یہ ساری رقم اسی وقت تقسیم کر دی، وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں خرچ کرتیں۔ ایثار میں بھی لاجواب تھیں آپ جب کبرسن ہو گئیں تو خیال آیا کہ کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طلاق نہ دے دیں اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں اس بنا پر آپ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ کے پاس آ رہی تھیں ان دونوں نے مذاق کے طور پر کہا تم نے کچھ سنا ہے؟ پوچھا کیا؟ انہوں نے کہا دجال نے خروج کیا ہے، حضرت سودہ یہ سنتے ہی پریشان ہو گئیں، ایک خیمہ جس کے اندر کچھ لوگ آگ سلگا رہے تھے جو قریب تھا، فوراً اس میں داخل ہو گئیں، حضرت عائشہ اور حفصہ ہنستی ہوئی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا، آپ تشریف لائے، خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے، یہ سن کر سودہ خیمہ سے باہر آئیں، آپ کے اوپر مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے جسے باہر نکل کر صاف کیا۔

وفات

حضرت سودہ کے سال وفات میں اختلاف ہے واقدی نے ۵۴ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں، ثقہ راویوں کے نزدیک آپ کی وفات حضرت عمر کے اخیر زمانۂ خلافت میں ہوئی، اس طرح تقریباً ۲۲ھ میں سانحۂ ارتحال پیش آیا، جس کی تائید بخاری، ذہبی، ابن عبدالبر اور جزری نے کی ہے، شوہر اول سے آپ کے ایک فرزند ہوئے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا جنہوں نے جنگ جلولہ میں شہادت پائی۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اسم گرامی عائشہ صدیقہ و حمیرا لقب ام المؤمنین خطاب، کنیت ام عبداللہ ہے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، والدہ محترمہ ام رومان زینب تھیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر بن ابی قحافہ عثمان، بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک آپ کی ولادت، اعلان نبوت کے بعد شہر مکہ میں ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم نے سرکار کے ساتھ نکاح کے نام و پیام کے فرائض انجام دیئے۔ اور ۱۰ انبوی میں آپ کا عقد آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا جب کہ آپ کی عمر ۹ سال تھی، مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا، بعد ہجرت جب مدینہ آئیں تو شوال ۱ھ میں رسم عروسی ادا کی گئی اور آپ حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

سرکار اپنی ازواج میں حضرت خدیجہ کے بعد سب سے زیادہ حضرت عائشہ ہی سے محبت فرمایا کرتے تھے، حضرات صحابہ کو بھی اس کا علم تھا چنانچہ وہ اس دن بالعموم اپنے ہدیے سرکار کی خدمت میں پیش فرماتے جس دن حضرت عائشہ کے پاس قیام کی باری ہوتی۔

حضرت عمرو بن عاص نے ایک بار سرکار سے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آپ سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں؟ فرمایا: عائشہ کو، عرض کیا مردوں کی نسبت؟ فرمایا: عائشہ کے باپ کو۔ (بخاری شریف باب مناقب ابوبکر)

واقعہ ایلا کے بعد سرکار ایک دن حضرت عائشہ کے پاس آئے اور فرمایا:

عائشہ میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں جواب میں عجلت نہ کرنا، بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کے بعد دینا، حضرت عائشہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کون سی بات ہے؟ سرکار نے سورہ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائیں:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلاً . وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا .

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تم کو دنیوی زندگی اور اس کی رونق درکار ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلے طریقہ سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسول اور آخرت پسند ہے تو تم میں جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ (سورہ احزاب: آیت ۲۸، ۲۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بلا تامل عرض کیا:

افیک یا رسول اللہ استشیر ابوی بل اختار اللہ و رسولہ والدار الآخرۃ. مسلم ، مشکوۃ باب، عشرۃ النساء، ص ۲۱۸)۔

یا رسول اللہ کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔

حضرت عائشہ کا یہ جواب عشق رسول اور دنیاوی عیش و تنعم کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دینے کی دلیل ہے۔ اور رفیق زندگی کے قدموں پر حیات مستعار کی ساری تمنائیں قربان کر دینے کا سبق ہے۔ زندگی کے آخری آٹھ دن سرکار نے حجرۂ عائشہ میں اقامت فرمائی۔ اور ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ میں جان جان آفرین کے سپرد فرمائی۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال تھی آپ نے ۴۸ سال بیوگی کی زندگی بسر کی اس طویل عرصہ میں آپ کا محبوب مشغلہ عبادت الٰہی اور فروغ علم دین رہا، رمضان ۵۸ھ میں دار فانی کو خیر آباد کہا۔

فضائل و مناقب

فضائل و مناقب کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ان کی دینی و دنیاوی عظمت شان کا مظہر ہے ’’میں فخر نہیں کرتی بلکہ بطور واقعہ کہتی ہوں کہ خدا نے مجھے نو باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے علاوہ کسی اور کو نہیں ملیں۔

۱- خواب میں فرشتے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری صورت پیش کی۔
۲- جب میں سات برس کی تھی تو آپ نے مجھ سے نکاح کیا۔
۳- جب میں نو برس کی ہوئی تو رخصتی ہوئی۔
۴- میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی آپ کی خدمت میں نہ تھی۔
۵- آپ جب میرے بستر پر ہوتے تب بھی وحی آتی تھی۔
۶- میں آپ کی محبوب ترین بیوی تھی۔
۷- میری شان میں قرآن کی آیتیں اتریں۔
۸- میں نے جبرئیل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔
۹- آپ نے میری ہی گود میں سر رکھ کر وفات پائی (مستدرک حاکم)

تعلیم وتربیت

صغر سنی ہی میں حضرت عائشہ نے اپنے والد سے مروجہ دنیاوی علوم کے ساتھ دینی علوم اور اسلامی احکام ومسائل کی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ پھر جب کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئیں (جہاں سے پورے عالم کو علم وآگہی اور دین ودانش کا نور حاصل ہوا) تو آپ شمع رشد وہدایت کی عرفانی شعاعوں سے کامل طور پر بہر یاب ہوئیں۔ اس طرح تاریخ وانساب، شعر وادب اور دین وشریعت کی ابتدائی تعلیم پدر بزرگوار سے حاصل ہوئی، اور قرآن وسنت کی تعلیم براہ راست ذات رسالت سے حاصل ہوئی۔

آپ جس عمر میں خانوادۂ نبوت میں داخل ہوئیں وہ ذہن ودماغ کی تازگی قبول علم اور حفظ وضبط معارف کے لیے سب سے زیادہ مناسب زمانہ ہوتا ہے۔ آپ کا تعلق تعلیم یافتہ خاندان سے تھا اور خود بھی طباع، ذہین، نکتہ سنج، دقیقہ رس واقع ہوئی تھیں۔ قدرت نے جس فیاضی کے ساتھ آپ کو فراست وشعور اور اس قدر علم سے نوازا تھا ویسا ہی عظیم وجلیل، معلم ومربی بھی عطا فرمایا تھا۔ قبول علم کے ذاتی اوصاف و کمال کے ساتھ کاشانۂ نبوت کے اندرونی حالات وکوائف کے جاننے کا موقع خوب میسر آیا۔ حجرۂ عائشہ چوں کہ مسجد نبوی شریف سے بالکل متصل تھا، اس لیے مردوں کے لیے جو کچھ تعلیمات ہوا کرتی تھیں انہیں بھی سننے کا موقع میسر آتا، مسجد نبوی ہی اسلام کا دینی، تبلیغی، سیاستی اور تمدنی مرکز تھا۔ سارے امور وقضایا دینی، ملکی مہمات و مسائل وہیں زیر بحث ونظر لائے جاتے اس لیے حضرت عائشہ کو اپنے علم وبصیرت میں اضافہ کا ہر ہر آن موقع میسر آتا، بعض غزوات واسفار میں بھی ہمرکابیٔ رسول کا موقع ملا۔ جس کی وجہ سے بیرونی حالات اور سرکار کے کوائف سفر سے بھی بخوبی آشنا ہوئیں۔

حجرۂ نبوی میں خواتین اسلام جب دریافت مسائل کے لیے حاضر ہوتیں تو آپ اس وقت موجود رہتیں۔ مزید برآں آپ کے اندر تحقیق مسائل اور حقیقت رسی کے لیے دریافت مسائل کی جرأت کافی تھی۔ مسئلے بارگاہ رسالت میں پیش کرتیں اور ان کے جوابات معلوم کرتیں، کامل تشفی ہونے تک مسئلہ کے ہر ہر پہلو کے بارے میں مسلسل سوالات کرتی رہتیں۔ ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، **من حوسب عذب**، قیامت میں جس کا حساب ہوا اس پر عذاب ہوگا۔ عرض کی یا رسول اللہ خدا کا ارشاد ہے ”**فسوف یحاسب حسابا یسرا**“ یعنی حساب آسان لیا جائے گا، سرکار نے فرمایا یہ اعمال کی پیشی ہے لیکن جس کے اعمال میں جرح وقدح ہوئی وہ تو برباد ہی ہوا۔ (مسند عائشہ، ص ۷۷)

ایک بار حضرت عائشہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

”**والارض جمیعا قبضته یوم القیامة والسموات مطویات بیمینه.**“ (زمر، آیت/ ۶۷)

اور قیامت کے دن سب زمینوں کو سمیٹ دے گا اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیے جائیں گے۔ پوچھا جب زمین آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا صراط پر۔ (ایضا، ص ۱۱۰)

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے اندر خداداد قابلیت و ذہانت اور طباعی فکر رسا کا اندازہ کر لیا تھا، جو نبوی تعلیمات کو حفظ وضبط اور تشریعی امور

کے اخذ و استنباط کے لیے ناگزیر تھی۔ اکتساب علم کے مواقع تو انہیں بیشتر میسر تھے خود حضور بھی تعلیم و تربیت کے لیے آپ کے اعمال و افعال کا محاسبہ فرمایا کرتے تھے اور لغزشوں پر ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور کی خدمت میں چند بدوی حاضر ہوئے اور ''السلام علیکم'' کے بجائے ''السام علیکم'' (تم کو موت آئے) کہا۔

حضور نے جواباً فقط وعلیکم فرمایا۔ حضرت عائشہ نے جب بدویوں کی گستاخی کو سنا تو ضبط نہ کرسکیں اور بولیں **علیکم السام و اللعنة** (تم پر موت اور لعنت ہو) سرکار نے فرمایا۔ عائشہ نرمی چاہیے، خداوند تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند فرماتا ہے۔ (بخاری باب الرق فی الامر کلہ)

علم و فضل اور خدمت حدیث

حضرت عائشہ کی تعلیم و تربیت جس عرفانی ماحول میں ہوئی اس کا بیان متذکرہ بالا سطور میں آ چکا ہے۔ انہوں نے نادر ذکاوت، عظیم فطانت، فکر ثاقب اور کامل ذوق وشوق کے ساتھ علوم دینیہ کی تحصیل کی اور قرآن و حدیث، فقہ و فتاویٰ، عقائد و کلام، اسرار دین و شریعت میں کامل درک حاصل کیا، مزید برآں عربیت، شعر و ادب، تاریخ و انساب اور طب میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ذات صرف خواتین اسلام ہی کا مرجع نہ تھی بلکہ کبار صحابہ اور تابعین بھی دین و شریعت کے اہم مسائل میں آپ کی جانب رجوع کیا کرتے تھے۔ بالخصوص جب کسی علمی معاملہ میں صحابہ اور تابعین کے درمیان اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہوتی تو حضرت عائشہ کے پاس جا کر مسئلہ کی صحیح صورت دریافت کی جاتی۔

ان مواقع پر حضرت عائشہ کے جوابات ان کے علمی تبحر اور بصیرت فی العلم کا روشن ثبوت ہوا کرتے تھے۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے:

''**تفقه بها جماعة**'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں

جماعت فقہا مسائل دینیہ میں آپ کی جانب رجوع کرتی تھی۔ (تذکرہ، ج:۱، ص: ۲۶)

یہی وجہ تھی کہ علمائے ملت نے ہر دور میں حضرت عائشہ کی کثرت علم کا اعتراف کیا ہے۔

ابو موسیٰ اشعری

''**ما اشكل علينا اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث قط فسئلنا عائشه عنه الا وجدنا عند ها منه علما .**'' (ترمذی بحوالہ تلخیص الصحاح، ج:۵، ص۱۰۶)

ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی کوئی حدیث مشکل نہیں ہوئی، ہم نے عائشہ سے اس کا حال پوچھا تو ان کے پاس اس کا علم پایا۔ (تذکرہ، ج:۱، ص ۴۷۵)

عروہ بن زبیر

''**مارايت احدا اعلم بفقه ولا بطب ولا شعر من عائشة.**''

میں نے کسی کو فقہ طب اور شعر میں عائشہ سے بڑا عالم نہیں پایا۔ (استیعاب، ج۴، ص۱۸۸۳)

عروہ بن زبیر

''**ما رأيت احدا من الناس اعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا حلال و حرام و بشعر ولا بحديث العرب ولا النسب من عائشة.**''

میں نے قرآن، فرائض اور حلال و حرام، شعر، حدیث، عرب اور نسب کا ماہر حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۷)

سروق

''**رايت اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يسئلون بها عن الفرائض.**''

میں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ سے میراث کے مسائل دریافت کرتے ہوئے دیکھا۔ (الحدیث والمحدثون، ص ۱۳۸)

صحابہ وتابعین آپ ہی کی مرویات اور اصابت رائے پر اعتماد کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی بیان کردہ احادیث اتنی ہیں کہ صرف ازواج نبی ہی نہیں بلکہ مردوں میں سے بھی چند کے سوا کوئی آپ کی برابری نہ کرسکا۔

کتب احادیث میں آپ کی کل مرویات ۲۲۱۰ ہیں، بخاری ومسلم ۱۷۴ میں متفق ہیں۔ بخاری ۵۴ اور مسلم ۶۸ روایتوں میں منفرد ہیں۔ (الحدیث والمحدثون، ص ۱۲۸)

آپ سے صحابہ اور تابعین کی جماعت کثیر نے روایت حدیث کی جن میں چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں (صحابہ) عمر، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، ابوموسیٰ، زید بن خالد، ابن عباس، ربیعہ بن عمر قرشی، سائب بن یزید۔

(تابعین) سروق، ابن حبیب، عروہ، قاسم، شعبی، عطاء، ابن ابی ملیکہ، مجاہد، عکرمہ، نافع، عمیرہ بنت عبدالرحمٰن، ابوبکر، ذکوان، ابویونس، عمرو بن میمون، علقمہ بن قیس، عبداللہ بن حکم، اسود بن یزید، سعید بن مسیّب۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۷ - السنۃ قبل التدوین، ص ۴۷۵)

حدیث کی روایت یا اس کے حفظ وضبط ہی میں وہ ممتاز نہیں بلکہ شعور نبوت سے کسب فیض نے ان کی فکر میں بلندی اور نگاہ میں دقیقہ رسی کی جو صلاحیت بہم پہنچائی تھی اس سے چند ہی اصحاب رسول بہرہ مند ہوئے تھے۔

نکتہ فہمی اور واقعات واحادیث کے علل واسباب کے علم تفقہ ژرف نگاہی اور قوت استنباط میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے علاوہ مکثر الروایہ صحابہ میں کوئی حضرت عائشہ کے درجہ تک نہ پہنچ سکا۔ چنانچہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنیاد پر کوئی حکم بیان کیا اور حضرت عائشہ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اس کو رد کردیا اور آج تک ان مسائل میں حضرت عائشہ ہی کا قول مستند ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فتویٰ دیتے تھے کہ عورت کو غسل جنابت کے وقت چوٹی کھول کر بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا وہ عورتوں سے یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اپنی چوٹیاں منڈوالیں، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غسل کرتی اور چوٹیاں نہ کھولتی تھی۔ (مسلم، ص ۲۰۸)

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں، میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اور عرض کیا ام المؤمنین! جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ غسل شرعی کے لیے خروج ماء شرط ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ جابر غلط کہتے ہیں۔ غسل خروج ماء کے بغیر بھی واجب ہوتا ہے اگر خروج ماء کے بغیر رجم واجب ہوجاتا ہے تو غسل کیوں نہیں ہوسکتا۔ (عین الاصابتہ)۔ ابوالقاسم بن محمد روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر عورت سامنے سے گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔ جب حضور سجدہ کرنے لگتے تھے، ہاتھ سے میرے پاؤں کو ہلاتے تھے، میں اپنے پاؤں سکوڑ لیا کرتی اور جب حضور سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوبارہ پاؤں پھیلا دیتی۔ (ایضاً)

ابومسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (تابعی)

”مارأیت احدا اعلم سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا افقہ فی رای ان احتیج إلی رای ولا اعلم بآیۃ فیما نزلت ولا فریضۃ عن عائشۃ.“ (سیرت عائشہ، ص ۱۷۵)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا جاننے والا اور رائے میں اگر اس کی ضرورت پڑے ان میں سے زیادہ فقیہ اور آیتوں کی شان نزول اور فرائض کے مسئلے کا واقف کار حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہ دیکھا۔

عطاء بن رباح

”کانت عائشۃ افقہ الناس واعلم الناس واحسن الناس رأیاً

فی العامة.‘‘ (استیعاب، ج۴، ص۱۸۸۳)

عامة الناس میں حضرت عائشہ سے زیادہ فقیہ عالم صاحب الرائے کوئی اور نہ تھا۔

امام زہری

’’لو جمع علم عائشة الی علم جمیع ازواج النبی صلی الله علیه وسلم و جمیع النساء لکان علم عائشة افضل.‘‘

اگر تمام ازواج مطہرات اور تمام لوگوں کا علم یکجا کیا جائے تو ان میں سب سے افضل حضرت عائشہ کا علم ہوگا۔ (استیعاب، ج۴، ص۱۸۸۳)

قبیصہ بن ذویب

’’کانت عائشة اعلم الناس یسئلها اکابر صحابة‘‘

حضرت عائشہ لوگوں میں سب سے بڑی علم والی تھیں۔ اکابر صحابہ آپ سے مسائل پوچھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۷)

فضل و کمال میں آپ کی جامعیت، فہم و ذکا اور علم و عرفان میں آپ کی برتری زبان وحی سے اس طرح ادا ہوئیں:

’’فضل عائشة علی الناس کفضل الثرید علی سائر الطعام.‘‘

(بخاری و مسلم) عائشہ کو عام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو عام کھانوں پر۔

طہارت، نماز، جنازہ، روزہ، حج، زکوٰۃ، بیع اور دیگر متفرق شرعی مسائل جو حضرت عائشہ سے دریافت کیے گئے اور ان مسائل میں دوسرے صحابہ کی فہم و اجتہاد میں جو سہو تھا اس کی تصحیح حضرت عائشہ کی جانب سے کی گئی۔ ان امور کو عین الاصابۃ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث

عمومی مجلسوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور

تقریران کو دیکھ کر، سن کر عام صحابۂ کرام لوح ذہن پر محفوظ کرلیا کرتے تھے مگر خاص ازدواجی اور خانگی امور و مسائل کے متعلق اسوۂ رسول کا سرمایہ صرف ازواج مطہرات کے توسط سے ہی عام لوگوں تک پہونچ سکتا تھا۔

چوں کہ حضرت عائشہ کو بچپن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بہت سا حصہ حضرت ابوبکر صدیق کے واسطہ سے ملا، بعد ازاں جب آپ حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو ذات رسول سے ایسا تقرب حاصل ہوا جو دیگر ازواج مطہرات کے حصہ میں نہ آیا۔ مزید برآں ذہن و فکر کی پختگی اور قوت حفظ و ضبط میں آپ دیگر ازواج پر فائق تھیں۔

اسی لیے لازمی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے بارے میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ’’عین الاصابۃ‘‘ میں طہارت، نماز جنازہ، روزہ، حج، خرید و فروخت، زکوٰۃ، شادی بیاہ اور دیگر متفرق مسائل میں حضرت عائشہ کے اختلافات کا تذکرہ کیا ہے۔

رمضان المبارک ۵۸ ھ میں دار فانی سے رحلت کی۔ حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

اسم گرامی حفصہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، ماں کا نام زینب بنت مظعون ہے جو حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں، اس طرح حضرت حفصہ عبداللہ بن عمر کی حقیقی بہن ہیں کیونکہ آپ بھی حضرت زینب ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ آپ کا پہلا نکاح خاندان بنوسہم کے ایک شخص خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ آپ نے والدین اور شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ غزوۂ بدر ۲ھ میں خنیس زخمی ہوئے مدینہ آئے تو انہیں زخموں کے صدمے سے شہادت پائی۔

حرم نبوی میں

حضرت خنیس کی وفات کے بعد فاروق اعظم کو اپنی لخت جگر کے عقد ثانی کی فکر دامن گیر ہوئی، اسی زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ بی بی رقیہ بنت رسول اللہ کا وصال ہو گیا تھا، فاروق اعظم نے حضرت عثمان کے سامنے حضرت حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی، حضرت عثمان نے سوچنے کی مہلت مانگی پھر کچھ دنوں بعد نفی میں جواب دیا، پھر حضرت عمر نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے حفصہ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا جس سے حضرت عمر کو سخت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے نکاح کیا، اور آپ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئیں نکاح کے بعد ابوبکر صدیق عمر فاروق سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اس بنا پر کچھ جواب نہ دیا کہ رسول اللہ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر رسول اللہ نے ان سے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (بخاری شریف، ج ۲، ص ۵۷۱۔ اصابہ، ج ۸، ص ۵۱)

فضائل واخلاق

آپ کے حسن اخلاق کے بارے میں ابن سعد لکھتے ہیں: "انها صوامة وقوامة" یعنی حفصہ صائم النہار اور قائم اللیل تھیں، دوسری روایت میں ہے: "وماماتت حفصة حتى ما تفطر." انتقال کے وقت تک صائم رہیں۔ (اصابہ، ج ۸، ص ۵۲)

مسلمانوں میں اختلاف کو سخت ناپسند کرتی تھیں، جنگ صفین کے بعد تحکیم کا مسئلہ سامنے آیا اور آپ کے بھائی عبداللہ بن عمر اختلاف سے بچنے کے لئے گوشہ نشین ہو گئے تو حضرت حفصہ نے ان سے کہا اس معاملہ میں شرکت سے اگرچہ تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تم کو اس میں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے۔ (بخاری، ج ۲، ص ۵۸۹)

آپ سے کتب حدیث میں ساٹھ حدیثیں مروی ہیں، جس سے آپ کی عالمانہ حیثیت ظاہر ہوتی ہے، دین میں تفقہ اور فہم و بصیرت کے زیور سے بھی آراستہ تھیں ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے، حضرت حفصہ نے اعتراض کیا کہ خدا تو فرماتا ہے "وان منكم الاوار دها" تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا، آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی تو ہے کہ "ثم ننجي الذين اتقوا و نذر الظالمين فيها جثيا" پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے (مسند احمد بن حنبل ج ۶، ص ۳۸۵)

سرکار آپ کا یہ ذوق علمی دیکھ کر آپ کی تعلیم کی فکر میں رہا کرتے۔

وفات

حضرت حفصہ کا وصال حضرت امیر معاویہ کے زمانۂ حکومت شعبان ۴۵ھ میں ہوا، مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا، اس کے بعد حضرت ابوہریرہ جنازہ کو قبر تک لے گئے، ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور ان کے لڑکوں عاصم، سالم، عبداللہ اور حمزہ نے قبر میں اتارا، آپ نے اولاد نہیں چھوڑی لیکن معنوی اولاد یعنی تلامذہ بہت چھوڑے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، حمزہ، صفیہ بنت ابی عبیدہ، حارثہ بن وہب، مطلب بن ابی وداعہ، ام مبشر انصاریہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، شیتر بن شکل۔

ام المؤمنین زینب، ام المساکین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسم گرامی زینب سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد منان بن ہلال بن عامر بن حفصہ۔

بڑی پارسا عبادت گذار خاتون تھیں چونکہ نہایت فیاض اور دریا دل واقع ہوئیں تھیں۔ بڑی سیر چشمی کے ساتھ خرچ کرتی تھیں فقراء و مساکین کے ساتھ نہایت مشفقانہ سلوک روا رکھتی تھیں، ان کے ساتھ مروت و کرم ہی کے ساتھ پیش آتی تھیں

بلکہ ان کے تمام ضروریات و امتیازات کا خیال رکھتی تھیں اور نہایت ہی فیاض و دلدہی کے ساتھ انہیں کھانا کھلاتی تھیں اس لئے ام المساکین کے نام سے مشہور ہوگئی تھیں یہ لفظ آپ کی کنیت بن گیا تھا۔ آپ کا پہلا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا ایک مدت تک ان کے عقد میں رہیں۔ زن وشوہر میں نہایت محبت تھی، جنگ احد میں حضرت عبد اللہ بن جحش بڑی دلیری وشجاعت کے ساتھ بڑے داد شجاعت دی مگر اتنے زخم آئے کہ جان بر نہ ہوسکے اور شربت شہادت نوش کیا۔

حرم نبوی میں

چونکہ آپ انتہائی صالح پاک باز اور جود وسخا کی پیکر تھیں اور اس وصف میں بہت مشہور ہوئیں اس لئے عدت گزر جانے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیغام نکاح دیا۔ آپ نے اس سعادت کو قبول فرمایا، نکاح کے بعد کاشانۂ رسالت میں داخل ہوئیں۔ شادی کے بعد تین مہینہ زندہ رہیں پھر وفات کر گئیں۔

حضرت خدیجہ کے بعد سرور عالم کی حیات طیبہ میں وفات پانے والی یہی بیوی ہیں حضور نے نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن ہوئیں وفات کے وقت عمر شریف ۳۰ سال تھی۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

اسم گرامی ہند، کنیت ام سلمہ، آپ کا نسبی تعلق قبیلۂ قریش کے خاندان مخزوم سے ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ عبداللہ بن عمر مخزوم، والدہ ماجدہ عاتکہ بنت عامر بنو قرأس سے نسبی تعلق رکھتی تھیں۔ والد ابو امیہ مکہ کے مخیرّ فرد تھے، سفر میں ہوتے تو قافلہ کی ضروریات اپنی جیب سے پوری کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کا لقب زاد الراکب ہوا کرتا تھا۔ ام سلمہ بڑے باپ کی بیٹی تھیں اس لیے بڑے ناز ونعم میں پرورش پائیں جب سن بلوغ کو پہونچیں تو ابو سلمہ عبداللہ ابن عبد الاسلام سے آپ کا نکاح ہوا۔

اعلان نبوت کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ کفار کے

مظالم کی شدت بڑھی تو مہاجرین حبشہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئیں وہاں سے مکہ واپس آگئیں پھر مدینہ کی جانب ہجرت کی، آپ کو دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا نیز آپ کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والی سب سے پہلی خاتون ہیں۔

وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کرنا چاہتی تھیں مگر گفار نے ان کو روک لیا تو آپ اپنے شیر خوار بچے کو لے کر مدینہ چل پڑیں بعد میں ابوسلمہ بھی ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ غزوۂ احد میں چند گہرے زخم آئے تھے جن سے آپ جانبر نہ ہوسکے۔ جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو گھر میں کہرام مچا ہوا تھا آپ کہہ رہی تھیں۔ ہائے غربت میں کیسی موت ہوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر کرو ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور یہ کہو کہ خداوند بہتر نعم البدل عطا فرمائے۔ نماز جنازہ سرکار نے پڑھائی اور مغفرت کی دعا کی۔

حرم نبوی میں

جب عدت گذر گئی، فاروق اعظم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح پہنچایا تو منظور کر لیا اور عقد کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ حضرت ام سلمہ کو ابوسلمہ کی وفات سے جو زبردست صدمہ پہونچا تھا، اللہ تعالی نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے غایت درجہ محبت فرماتے تھے اور حضرت ام سلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حد درجہ خیال رکھتیں حضرت سفینہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام ہیں دراصل حضرت ام سلمہ کے غلام تھے ان کو آزاد کیا تو یہ شرط رکھی کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہیں تم پر ان کی خدمت لازم ہوگی۔

حضرت ام سلمہ کا شعور پختہ اور رائے صائب ہوا کرتی تھی معاملات کی نوعیت کو خوب سمجھ لیا کرتی تھیں، مزاج نبوت کی رمز شناس بن گئی تھیں۔ صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں صلح کے بعد حضور نے لوگوں کو حکم دیا کہ قربانی

کریں مگر لوگ اتنے دل شکستہ تھے کہ کئی بار کہنے پر بھی کسی نے قربانی نہ کی چوں کہ شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔

جس کی بنا پر لوگوں کو از حد رنج و الم تھا حضور اندر تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہ سے حال بیان کیا انہوں نے عرض کی آپ کسی سے کچھ نہیں کہیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لیے بال بنوالیں آپ نے باہر آ کر قربانی کی اور بال منڈوائے یہ دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو قربانیاں کیں اور احرام اتارے۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کو جمہور کی فطرت شناسی میں کس درجہ مہارت تھی۔ امام الحرمین کا بیان ہے صنف نازک کی پوری تاریخ میں صاحب الرائے کی ایسی عظیم مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔ (زرقانی، ج ۳، ص ۳۷۲)

حجۃ الوداع میں حضور کے ہمرکاب تھیں۔ ۱۱ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو حضرت عائشہ کے حجرے میں منتقل ہو گئے حضرت ام سلمہ اکثر بیشتر حاضر ہوتیں ایک دن مرض نے شدت اختیار کر لی تو ام سلمہ ضبط نہ کر سکیں چیخ اٹھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں۔ (ابن سعد، ج ۲، ص ۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد تقریبا ۵۲ سال زندہ رہیں۔ شہادت عثمان غنی، جنگ جمل، جنگ صفین، معرکہ کربلا اور واقعہ حیرہ آپ کی زندگی میں پیش آئے مگر وہ ان تمام معاملات و واقعات سے لاتعلق رہیں۔

علم و فضل

حضرت ام سلمہ کا علمی پایہ امہات المومنین میں حضرت عائشہ کے بعد سب سے بلند تھا، قرآن شریف کی قرأت خوب کرتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں آپ کے تفقہ کا یہ عالم تھا کہ لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ مروان بن حکم آپ سے مسائل پوچھتا اور یہ کہتا تھا کہ حضور کی ازواج کے

ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس بھی آپ سے بعض مسائل پوچھا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وکوائف جو عام صحابہ کے رو برو حکومت میں ہوئے ان کے عینی مشاہدین اور سننے والوں کی کمی نہ تھی مگر خلوت کی زندگی اور اندرون خانہ کے حالات اور ازواج مطہرات کے ساتھ سرکار کے طرز عمل سے زیادہ باخبر امہات المومنین ہی تھیں۔

حدیث کے حفظ و ضبط اور نقل و روایت میں حضرت عائشہ کے بعد حضرت ام سلمہ ہی تھیں۔ آپ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔ محمود ابن بسید کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں تاہم عائشہ اور ام سلمہ کی ان میں کوئی حریف و مد مقابل نہ تھی (ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۹)

حضرت ام سلمہ کے ذخیرۂ احادیث میں حضور کی خانگی زندگی سے متعلق ہی مرویات نہیں بلکہ احکام و مسائل سے متعلق دوسری اہم روایات بھی ہیں، جن سے فقہائے اسلام نے مسائل مستنبط کیے ہیں۔

فن حدیث میں ان کی اس برتری کا سبب یہ ہے کہ وہ احادیث سننے کی حد درجہ شائق تھیں ایک دن بال گندھوا رہی تھیں، حضور خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ایہا الناس کا لفظ نکلا تو مشاطہ سے کہنے لگیں، بال باندھ دو اس نے کہا جلدی کیا ہے؟ ابھی تو ایہا الناس ہی زبان مبارک سے نکلا۔ بولیں کیا خوب ہم آدمیوں میں داخل نہیں ہیں؟ (مسند احمد، ح ۲، ص ۶۹۷)

آپ صرف احادیث ہی کی جامع نہیں تھیں بلکہ فقہ میں بھی مجتہدانہ شان رکھتی تھیں، صاحب اصابہ نے کہا کہ وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

وہ دقیقہ رس، نکتہ سنج، صاحب بصیرت خاتون تھیں، جس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگانا آسان ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ سے پوچھا دونوں نے کہا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت

میں صائم ہوئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ نے سنا تو چہرہ کا رنگ فق پڑ گیا اس خیال سے رجوع کیا اور کہا میں کیا کروں فضل ابن عباس نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ام سلمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کو زیادہ علم ہے۔ (مسند احمد، ج ٦، ص ۳۰٦)

علم حدیث کی اشاعت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں، بعض امرا نے نماز کے اوقات میں تبدیلی کی تھی۔ مستحب اوقات ترک کر دیئے تو حضرت ام سلمہ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم لوگ عصر جلد پڑھتے ہو۔

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجیلا للظھر منکم و انتم اشد تعجیلا للعصر منہ.'' (ترمذی، ج ۱، ص ۲۲)

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی چوں کہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کے بعد پیشانی سے مٹی جھاڑتے تھے حضرت ام سلمہ نے روکا اور فرمایا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کے خلاف ہے۔ ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تو آپ نے فرمایا تھا کہ تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو (مسند احمد، ص ۳۰۱)

تلامذہ

حضرت ام سلمہ سے علم حدیث حاصل کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں، عبد الرحمٰن ابن ابی بکر اسامہ بن زید، ہند بنت الحارث فراسیہ، صفیہ بنت شیبہ، عمر، زینب، مصعب بن عبد اللہ، عبد اللہ بن رافع، نافع، شعبہ، ابوبکر، خیرہ، سلمان بن یسار، ابوعثمان نہدی، ابوسلمہ سعید بن مسیّب، ابوواء، صفیہ بنت محصن، شعبی، عبد الرحمٰن بن حارث بن حشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، عثمان بن عبد اللہ بن لوہب، عروہ بن زبیر کریب مولی ابن عباس قبیصہ بن ذویب کر لعلی بن مالک۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ خصائل، عابدہ و زاہدہ تھیں۔ خیر کی متلاشی رہتیں، ہفتہ میں تین روز روزہ رکھتیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ

انجام دیتیں۔

بعمر ۸۴/ سال ٦۳ ھ میں وصال فرمایا۔ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اسم گرامی زینب، کنیت ام الحکمہ، قبیلۂ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن ودان بن اسد بن خزیمہ، والدہ کا نام امیہ تھا جو حضرت عبد المطلب کی لخت جگر تھیں اس بنا پر حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آغاز دعوت فرمایا تو آپ شرف اسلام سے بہرہ مند ہوئیں اس طرح قدیم الاسلام ہونے کی فضیلت حاصل تھی، اسد الغابہ میں ہے **''کانت قدیمۃ الاسلام.''**

آپ کا پہلا نکاح سرکار نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کیا جو اسلام میں مساوات کی پہلی زریں مثال تھی کہ بنی ہاشم کی ایک معزز خاتون ایک غلام کے ساتھ بیاہی گئی، اس نکاح کا ایک مقصد اور تھا جس کی وضاحت صاحب اسد الغابہ نے ان الفاظ میں کی **''تزوجھا لیعلمھا کتاب اللہ و سنۃ رسولہ''** حضور نے ان کا نکاح حضرت زید سے اس لیے کیا تھا کہ وہ زینب کو قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سے بہرہ مند کریں یہ رشتۂ ازدواج تقریباً ایک سال تک قائم رہا، پھر تعلقات ناساز گار ہو گئے بالآخر زید نے طلاق دے دی۔

حرم نبوی میں

حضرت زینب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، حضور کے حکم پر انہوں نے زید سے نکاح کرنا منظور کر لیا تھا، جب طلاق ہوئی تو سرکار نے ان کی دلجوئی کے لیے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن حضرت زید آپ کے منھ بولے بیٹے تھے اور دور جاہلیت میں متبنّیٰ کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا اور بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا

جائز نہ تھا اس لیے سرکار نے اس بارے میں تامل کیا، متبنّیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھنا یہ جاہلیت کی رسم تھی جسے مٹانا ضروری تھا، اس لیے فرمان الٰہی نازل ہوا'' **و تخفی فی نفسک ما اللہ عبدیہ و تخشی الناس و اللہ احق ان تخشاہ** '' اورتم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کردینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے کہا تم زینب کے پاس میرا پیغام نکاح لے کر جاؤ، زید ان کے گھر آئے تو آٹا گوندھ رہی تھیں، زید نے دیکھنا چاہا پھر منھ پھیر لیا اور کہا کہ زینب میں تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں، جواب ملا میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی یہ کہہ کر مصلی پر کھڑی ہوگئیں، ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی''**فلما قضی زید منھا و طراز وجنا کھا** ''اس کے بعد حضرت زینب سے آپ کا نکاح ہوگیا یہ نکاح گویا آسمانی نکاح تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے مکان پر آئے اور بلا اجازت حضرت زینب کے مکان میں داخل ہوئے، دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی، یہ دعوت اسلامی سادگی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی، جس میں صرف روٹی اور سالن کا اہتمام تھا، حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے مالیدہ بھیجا تھا، جب سامان طعام مہیا ہوگیا حضرت انس لوگوں کو بلانے گئے، تین سو آدمی حاضر ہوئے، دس دس افراد کی جماعتیں بنا دیں، ایک ایک جماعت آتی اور کھا کر واپس چلی جاتی، یہ دعوت ولیمہ اس اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے کہ اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ دعوت میں جو چند لوگ موجود تھے وہ کھانا کھا کر گفتگو میں مصروف تھے اس سے حضور کو تکلیف ہوئی مگر فرط مروت کی بنا سرکار خاموش رہے، بار بار اندر جاتے اور باہر آتے، اسی مکان میں حضرت زینب تشریف فرما تھیں اور دیوار کی طرف رخ کیے بیٹھی تھیں، بعض حساس لوگوں نے حضور کو بار بار اندر باہر آنے جانے سے تاڑ لیا اور اٹھ کر چلے گئے، حضرت انس نے حضور کو لوگوں کے جانے کے بارے میں بتایا تو آپ حجرۂ زینب میں تشریف لائے، اسی وقت وحی نازل ہوئی''**یا ایھا الذین آمنو لا تدخلوا بیوت النبی**

الآیۃ'' اس کے فوراً بعد ہی حضور نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو اندر جانے کی ممانعت ہوگئی، یہ واقعہ ۵ ھ ذیقعدہ کے مہینہ میں پیش آیا۔

حضرت زینب ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ کی ہمسر تھیں خود حضرت عائشہ کا بیان ہے ''**ھی التی کانت تسا مینی منھن فی المنزلۃ عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**'' ازواج میں سے وہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔

آپ نسباً پھوپھی کی بیٹی تھیں، حسن و جمال میں ممتاز تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی خاطر داری مقصود تھی یہی وجہ ہے کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ کو سفیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس آئیں تو سب نے اس خدمت کے لیے حضرت زینب کا انتخاب فرمایا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ خاموش ہو کر سن رہی تھیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں، جب زینب تقریر مکمل کر چکیں تو حضرت عائشہ مرضی رسول پا کر کھڑی ہوئیں اور ایسی پر زور تقریر کی کہ حضرت زینب حیران رہ گئیں، حضور نے فرمایا کیوں نہ ہو یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (بخاری شریف)

فضائل

حضرت زینب مکارم اخلاق کا پیکر تھیں، جود و سخا میں ممتاز عبادت و ریاضت کی عادی، اخلاص و ایثار کا پیکر تھیں۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں''**کانت زینب صالحۃ صوامۃ قوامۃ** '' زینب نیکوکار، روزہ دار اور نمازی تھیں، بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مصروف رہتیں، قناعت و توکل آپ کا شیوہ تھا۔

ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں مال تقسیم فرمایا، آپ درمیان میں بول اٹھیں، حضرت فاروق اعظم نے تنبیہ کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ ان سے درگزر کرو یہ خاشع ومتفرغ ہیں۔

آپ کی فیاضی اور سیر چشمی کی طرف سرکار نے اشارہ کرتے ہوئے لمبے ہاتھ والی فرمایا آپ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کا وصال ہوا تو مدینہ منورہ میں کہرام برپا ہوگیا، غربا اور مفلوک الحال لوگوں میں ماتم برپا تھا، سخت پریشان ومحزون نظر آتے تھے۔

آپ اپنی معاش اپنے دست وبازو سے پیدا کرتیں اور غربا ومساکین کی مدد فرماتیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے دس ہزار سالانہ وظیفہ ملتا جسے فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیتیں۔ ایک مرتبہ آپ کا سالانہ وظیفہ آیا تو آپ نے اس پر کپڑا ڈلوا کر برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کوئی حق ہے؟ فرمایا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے، ۵ درہم نکلے جب سارا مال تقسیم ہو چکا تو آپ نے دعا کی یا اللہ اس سال کے بعد میں عمر کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں دعا قبول ہوئی، اپنا رزق اپنے دست وبازو سے پیدا کرتی تھیں اس لیے دوسروں کا عطیہ لینا پسند نہ تھا جو کچھ بے مطلب مل جاتا تھا اسے قبول تو کرلیتیں لیکن بلا تاخیر تقسیم فرما دیتیں۔

وفات

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تم میں سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے ''اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا'' یہ اشارہ فیاضی اور سخاوت کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو حقیقت پر محمول کیا چنانچہ وہ اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت سودہ کا ہاتھ ان میں سب سے بڑا تھا جس سے انہیں خیال پیدا ہوا کہ سرکار کے بعد حضرت سودہ سب سے پہلے رحلت فرمائیں گی، لیکن جب سرکار کی وفات کے بعد حضرت زینب نے وصال کیا تو یہ عقدہ حل ہوا کہ سرکار نے لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت وفیاضی میں لمبے ہاتھ کو قرار دیا اور اس طرح حضرت زینب ارشاد رسول کی مصداق بنیں۔

وفات سے پہلے آپ نے کفن کا سامان مہیا کرلیا، وصیت فرمائی کہ اگر حضرت عمر کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی۔ ۲۰ھ میں وفات پائی، اس وقت ۵۳؍سال عمر تھی اور حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی، اسامہ بن زید، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا، بقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ قبیلۂ مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی تھیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن ساکب بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمر مزلقیا۔

حضرت جویریہ کا پہلا عقد ان کے قبیلہ کے ایک فرد مسافع بن صفوان سے ہوا تھا جو آپ کے والد کی طرح اسلام کا سخت دشمن تھا۔

چنانچہ حارث نے کفار قریش کے اشارے پر ۵ھ میں مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تحقیقات کے لئے بریدہ بن حصیب اسلمی کو روانہ کیا جنہوں نے بنی مصطلق کے عزائم کی تصدیق کی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ایک فوج کے ساتھ مدینہ سے نو منزل کے فاصلہ پر مقام مریسیع پہنچے حارث کو اسلامی لشکر کے کوچ کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی اس کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی بھاگ گیا۔ لیکن مریسیع میں آباد لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف صف آرائی کی اور دیر تک فرزندان توحید پر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعتاً پرزور حملہ کیا کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگنے لگے۔ بہت سے لوگ مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے جن کی تعداد تقریبا ۶۰۰ سو تھی غنیمت میں ۲؍ ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ اسیران جنگ میں حضرت جویریہ بھی تھیں تمام قیدی لونڈی، غلام بنا کر لشکر اسلام میں تقسیم کر دیئے گئے۔

کاشانۂ نبوی میں

جویریہ کا باپ حارث سردار عرب تھا جویریہ جب گرفتار ہوئیں تو وہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میری رئیسانہ شان سے بعید ہے کہ میری لڑکی کنیز بنے آپ اس پر مہربانی فرما کر اس کو آزاد کر دیجئے سرکار نے فرمایا یہ بات میں جویریہ کی رائے پر چھوڑتا ہوں حارث نے اپنی بیٹی سے جا کر کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تیری مرضی پر منحصر کیا ہے دیکھ اب مجھے رسوا نہ کرنا۔

لیکن آپ نے صاف الفاظ میں کہا میں تو رسول کریم کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں۔ ابن سعد لکھتے ہیں حارث نے پہلے زر فدیہ ادا کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا نکاح ہو گیا۔

اس نکاح کا ایک خوشگوار اثر یہ ہوا کہ مریسیع کے تمام قیدی جو کنیز اور غلام بنائے گئے تھے۔ یک لخت آزاد کر دیئے گئے فوج نے کہا جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔ (ابوداؤد کتاب العتاق، ص ۱۰۵، ج ۲)

حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے کسی عورت کو جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا ان کے سبب بنو مصطلق کے سیکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔

شمائل واخلاق

حضرت جویریہ خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ”كانت إمرأة حلوة ملاحة لا يراها احد إلا اخذت بنفسه.“ (اسد الفاربہ، ج ۵، ص ۴۲۰)

آپ عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں سرکار کا گذر ہوا آپ دیکھتے ہوئے چلے گئے دوپہر کے قریب آئے تب بھی محو دعا پایا۔ (ترمذی ص ۵۹۰)۔

جمعہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حجرے میں تشریف لائے تو آپ روزے سے تھیں چونکہ سرکار ایک روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔

حضرت جویریہ سے پوچھا کل روزہ رکھا تھا؟ بولیں نہیں فرمایا تو کیا کل رہو گی جواب ملا نہیں ارشاد ہوا پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے۔ آپ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں آپ سے ابن عباس، جابر، ابن عمر، عبید بن سباق طفیل، ابو ابواب مراغی مجاہد، کریب کلثوم بن مصطلق، عبد اللہ بن شداد بن جاد نے روایت کی آپ کا نام برہ تھا سرکار نے بدل کر جویریہ رکھا کیونکہ پہلے نام میں بدفالی تھی آپ کی عمر ۶۵ سال تھی مروان نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

اسم گرامی رملہ، کنیت ام حبیبہ، سلسلۂ نسب یہ ہے رملہ بنت ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، ماں کا نام صفیہ بنت ابو العاص تھا جو حضرت عثمان غنی کی پھوپھی تھیں، آپ کی ولادت بعثت نبوی سے سترہ سال پہلے ہوئی تھی۔

پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ہوا جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام لائیں، حبشہ کی طرف ہجرت کی حبشہ جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ام حبیبہ کو بھی عیسائیت کی ترغیب دی لیکن وہ اسلام وایمان پر ثابت قدم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بنا پر زوجین میں تفریق ہو گئی، عبید اللہ نے آزاد خراباتی زندگی اختیار کی، ایک دن شراب پی کر نشہ کی حالت میں گرے اور دم توڑ دیا۔

حرم نبوت میں

عدت کے ایام ختم ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں ام حبیبہ سے نکاح کا پیغام بھیجا، اور اسے وکیل بنایا، نجاشی نے اپنی لونڈی ابریہ کے ذریعہ ام حبیبہ تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح پہنچایا، جسے انہوں نے منظور کیا اس صلے میں نجاشی نے اپنی کنیز ابریہ کو چاندی کے دو کنگن اور

انگوٹھیاں دیں، شام ہوئی تو بادشاہ حبش نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور تمام مسلمانوں کو جمع کیا خود نکاح پڑھایا پھر آپ کو بذریعہ جہاز مدینہ منورہ روانہ کر دیا آپ مدینہ کے قریب کی بندرگاہ میں اس وقت اتریں جب سرکار خیبر میں تھے، بوقت نکاح ۳۶؍ سال کا سن تھا، نکاح ۶ھ میں ہوا۔

علم وفضل اور اخلاق وعادات

آپ حسین وجمیل اور موزوں اندام تھیں، صحیح مسلم میں ابوسفیان کی زبانی یہ قول منقول ہے ”**عندی احسن العرب و اجمله ام حبیبه**“ میرے نزدیک عرب کی حسین وجمیل عورت ام حبیبہ ہے۔

آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۶۵؍ حدیثیں کتب احادیث میں مروی ہیں، آپ سے احادیث نبوی کی روایت کرنے والے اہم روایان حدیث یہ ہیں۔ بیٹی حبیبہ، معاویہ، عتبہ (ابوسفیان کے بیٹے) عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی، صاحبزادہ سالم بن سوار مولیٰ ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ام سلمہ، عروہ بن زبیر، ابوصالح سمان، شہر بن حوشب۔

حضرت ام حبیبہ نے شوہر کی ترغیب مسیحیت کو ٹھکرا کر دین کی راہ میں استقامت کی درخشاں مثال قائم کی، جوش ایمانی اور عظمت رسول پر باپ کو قربان کر دیا فتح مکہ سے پہلے جب آپ کے والد ابوسفیان صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ آئے اور آپ کے گھر گئے سرکار کے بستر پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہ نے یہ دیکھ کر بستر الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے، بولیں یہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے اور آپ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ناپاک ہیں، ابو سفیان نے کہا تو مجھ سے دور ہو کر بہت بگڑ گئی۔ (اصابہ، ج ۸، ص ۸۵)

سنت رسول کی پیروی بڑی شدت سے کرتیں اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دیتیں، ابوسفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو منگا کر رخساروں پر ملنے کے بعد کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے ہاں شوہر پر چار مہینہ دس دن کا سوگ کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا فرماتی ہیں ”**فما برحت اصلیهن بعد**“ میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن اویس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانہ میں برابر یہ نماز پڑھتے رہے۔ فطرتاً نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میری بہن سے آپ نکاح کر لیجئے فرمایا کیا تمہیں یہ منظور ہے، بولیں کیا مضائقہ ہے، میں کسی بہن کو بھلائی میں دیکھنے سے مانع نہیں ہونا چاہتی ہوں۔

وفات

اپنے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۴ھ میں انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئیں، آپ کی عمر اس وقت ۷۳؍ سال تھی، قبر حضرت علی کے مکان میں تھی، وفات سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ اور ام سلمہ کو پاس بلایا اور کہا آپ لوگوں کے ساتھ میرے تعلقات سوکنوں جیسے رہے، چونکہ آپ لوگوں نے یہ طرز حیات پسند کیا تھا اس لیے میں نے بھی یہی پسند کیا، حضرت عائشہ بہت متأثر ہوئیں اور دعائے مغفرت کی، ام حبیبہ نے کہا آپ نے مجھے خوش کیا اللہ آپ کو خوش کرے، پہلے شوہر سے دو بچے عبداللہ اور حبیبہ پیدا ہوئے، حبیبہ کی تربیت آغوش نبوت میں ہوئی اور قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود کے ساتھ شادی ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسم گرامی زینب، لیکن غزوۂ خیبر میں جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو آپ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئیں اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصے کو جو سردار اور بادشاہ کے لیے مخصوص ہو صفیہ کہتے تھے اسی بنا پر آپ صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

آپ خیبر کے معزز یہودی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، ماں باپ، دونوں

کی جانب سے نجابت وشرافت کا طغرائے امتیاز رکھتی تھیں، والد کا نام حیی بن اخطب تھا، جو قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون کی نسل میں شمار ہوتا تھا، ماں کا نام ضرو تھا جو رئیس قریظہ سموال کی بیٹی تھیں، قریظہ اور نضیر دونوں خاندان یہودیوں میں بڑے معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے، بنی اسرائیل کے تمام خاندانوں میں یہ دونوں خاندان نہایت ممتاز تھے۔

آپ کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرضی سے ہوا تھا، جب اس نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ غزوۂ خیبر میں کنانہ قتل کیا گیا آپ کے باپ بھائی بھی مارے گئے اور خود گرفتار ہوئیں، جب تمام قیدی فتح کے بعد جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیز کی درخواست کی، سرکار نے اجازت دی کہ ان قیدیوں میں سے جسے چاہو منتخب کرلو، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کرلیا اس وقت ایک صحابی نے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ حضور نے بنو قریضہ و بنونضیر کی رئیسہ دحیہ کلبی کے حوالے کردی، وہ تو آپ کے لیے سزاوار ہے، مقصد یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام قیدیوں جیسا سلوک روا نہ رکھا جائے چنانچہ دحیہ کو دوسری کنیز عطا ہوئی۔

حرم نبوی میں

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان سے عقد فرمایا، خیبر سے روانہ ہوکر مقام صہباء میں رسم عروسی ادا ہوئی اور یہیں دعوت ولیمہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ جب یہاں سے لشکر روانہ ہوا تو سرکار نے آپ کو اونٹ پر سوار کیا اور اپنی عبا سے پردہ کردیا آپ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوگئیں۔ حجۃ الوداع میں سرکار کے ساتھ شریک حج ہوئیں۔

۳۵ھ میں مفسدین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تو آپ نے ان کی بہت مدد کی، جب مفسدین نے حضرت عثمان کا آب ودانہ بند کردیا اور چاروں

طرف پہرہ بٹھادیا گیا تو آپ خچر پر سوار ہوئیں اور قصر خلافت کی طرف چلیں، اشتر کی نظر پڑی تو اس نے آپ کے خچر کے منہ پر ہاتھ مارے، یہ دیکھ کر آپ کو بہت افسوس ہوا اور فرمایا مجھے ذلیل ہونے کی ضروت نہیں، میں واپس جاتی ہوں تم میرے خچر کو چھوڑ دو، گھر واپس آئیں تو آپ نے حضرت امام حسین وحسن کو مامور کیا کہ وہ آپ کے مکان پر خورد ونوش کا سامان پہنچاتے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حد درجہ عشق اور شیفتگی رکھتی تھیں، جب سرکار علیل ہوئے تو نہایت حسرت واندوہ کے ساتھ بولیں کاش میں آپ کی جگہ بیمار ہوجاتی اور آپ کی بیماری مجھے لگ جاتی، دوسری ازواج مطہرات نے آپ کی طرف حیرت واستعجاب سے دیکھا سرکار نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہے، اس کے الفاظ میں تعلی اور تصنع کا شائبہ تک نہیں ہے، دل سے نکلی ہوئی بات دل پر اثر کرتی ہے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ سے حد درجہ انس تھا، ایک سفر میں حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار پڑ گیا، بار برداری کے لائق نہ رہا، حضور نے حضرت زینب سے ایک اونٹ صفیہ کو دینے کی خواہش ظاہر کی کیونکہ ان کے متعدد اونٹ تھے حضرت زینب نے کہا کیا میں ایک یہودیہ کو اپنا اونٹ دیدوں؟ اس پر حضور اس قدر ناراض ہوئے کہ دو ماہ تک زینب کے پاس نہ گئے۔ ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں، حضور نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولیں کہ عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج رسول میں افضل ہیں کیونکہ ہم دونوں شرف زوجیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنت عم ہونے کی بھی فضیلت رکھتی ہیں، سرکار نے فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسی علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں تو پھر تم دونوں مجھ سے افضل کیوں کر ہوسکتی ہو۔

حجۃ الوداع کے لئے جارہی تھیں، آپ کا اونٹ ایک جگہ بیٹھ گیا، جس کی بنا پر سب سے پیچھے رہ گئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صفیہ زار و

قطار رو رہی ہیں، حضور نے بڑھ کر ردائے مبارک سے آپ کے آنسو پوچھنے شروع کیے حضور آنسو پوچھتے جاتے تھے اور آپ بے اختیار روتی جاتی تھیں کیونکہ حضور کی شفقت دیکھ کر آپ کا دل اور بھر آیا تھا۔

اخلاق وعادات

قد پست، خوبرو اور حسین تھیں، صورت ظاہری کے ساتھ حضرت صفیہ سیرت کے لحاظ سے بہت نمایاں تھیں، آپ کے دامن اخلاق میں محامد ومحاسن کے سدا بہار پھول موجود تھے، عقل وفراست میں بھی بڑی شان رکھتی تھیں، اسد الغابہ میں ہے ''**كانت عاقلة من عقلاء النسا**'' زرقانی میں ہے ''**كانت صفية عاقلة حليمة فاضلة**'' آپ بڑی زیرک وہوشمند، بردبار اور فاضلہ تھیں۔ صبر وتحمل کی زبردست چٹان تھیں، غزوۂ خیبر میں گرفتار کر کے لائی جارہی تھیں۔ آپ کی بہن بھی ساتھ تھیں جو یہودیوں کی لاشیں دیکھ کر بے اختیار چیخ پڑتیں لیکن آپ حلم وبردباری کی پیکر بن کر متانت کے ساتھ چل رہی تھیں حتی کہ شوہر کی لاش سے گزریں جب بھی آپ کا پیمانۂ صبر نہ چھلکا۔ یہ معمولی بات نہیں ایسے مواقع پر بڑے بڑے باہمت مردوں سے بھی دامن ضبط چھوٹ جاتا ہے، آپ تو عورت تھیں۔ یہ حلم وبردباری آپ کی کتاب حیات کا درخشاں باب ہے۔ بڑی فیاض اور سخی واقع ہوئی تھیں، آپ کی سیر چشمی اور فیاضی کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو اپنی سونے کی بجلیاں حضرت فاطمہ اور حضرات ازواج مطہرات میں تقسیم فرمادیں۔ اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ بھی دادودہش اور صلہ رحمی کیا کرتی تھیں۔ طرز معاشرت بڑا پاکیزہ تھا، ہر قسم کا لذیذ کھانا پکانے میں مہارت تھی حضور کو آپ کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند تھا، اسی لیے جو کچھ پکاتیں ہدیۃً بارگاہ رسالت میں ضرور پیش کرتیں۔ آپ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو امام زین العابدین، اسحٰق، مسلم اور یزید وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

وفات

حضرت صفیہ کا انتقال رمضان ۵۰ھ میں ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں

اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی، ایک لاکھ ترکہ چھوڑا جس میں ایک ثلث کی وصیت اپنے ایک یہودی بھانجے کے لیے کی۔

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

اسم گرامی میمونہ، قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتی ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن ردبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصیفۃ بن قیس بن عیلان بن مضر ماں قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتی تھیں ان کا شجرۂ نسب یہ ہے ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطۃ بن جرش۔

آپ کا پہلا عقد مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا لیکن کسی وجہ سے طلاق ہو گئی پھر ابورہم بنی عبد العزیٰ کے نکاح میں آئیں، ابورہم کا انتقال ۷ھ میں ہوا تو لوگوں نے سرکار سے انتساب کی کوشش کی۔

حرم نبوی میں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذیقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تھے، اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح ہوا حضرت عباس نکاح کے متولی ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو مقام سرف میں جو مکہ سے ۱۰؍میل کے فاصلہ پر واقع ہے، قیام فرمایا، ابو رافع حضرت میمونہ کو لے کر مقام سرف پہنچے اور وہیں رسم عروسی ادا ہوئی، سرکار کا آخری نکاح تھا اور حضرت میمونہ سب سے آخری بیوی تھیں۔

فضائل واخلاق

حضرت میمونہ مکارم اخلاق کی جامع تھیں، خوف وخشیت خداوندی اور صلہ رحمی آپ کے دامن اخلاق کے زریں نقوش ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں ''**انها كانت من اتقانا لله واوصلنا للرحم**'' میمونہ خدا سے بہت ڈرتی تھیں اور صلہ رحمی کرتی تھی۔ احکام نبوی کی تعمیل میں پیش پیش رہتیں اور دوسروں کو بھی اتباع رسول کی

تلقین فرماتیں۔ ایک مرتبہ آپ کی کنیز ابن عباس کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں، خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہوگئی ہے، لیکن پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ابن عباس مرض نسوانی کی حالت میں اپنا بستر الگ کر لیتے ہیں واپس آ کر حضرت میمونہ سے بیان کیا تو بولیں، ان سے جا کر کہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے اس قدر اعراض کیوں؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونے پر آرام فرماتے تھے۔ (مسند، ج ۶، ص۳۳۲)

حضرت میمونہ کے اندر جوہر فقاہت بھی موجود تھا وہ اکثر و بیشتر مقامات پر اپنی فقہی رائے پیش کرتیں، ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہوگئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں، جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ کے پاس آئی تو بولیں تم یہیں رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (ایضاً، ص۳۳۲)

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس پراگندہ سر آئے تو کہا بیٹے! اس پریشانی کا کیا سبب ہے جواب دیا ام عمار نسوانی مرض میں مبتلا ہے، وہی مجھ کو کنگھا کرتی تھیں، بولیں کیا خوب! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے، اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے، بیٹا! کہیں ہاتھ میں بھی مرض ہوتا ہے۔

حضرت میمونہ سے کتب حدیث میں ۴۶، حدیثیں مروی ہیں۔ آپ سے حضرت ابن عباس، عبداللہ بن شداد بن ہاد، عبدالرحمٰن بن سائب، یزید بن اصم، عبید اللہ خولانی، ندبہ، عطا بن یسار، سلیمان بن یسار، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب، عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور عالیہ بنت سبیع نے روایت کیا

وفات

صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات ۵۱ھ میں بمقام سرف ہوئی، یہ عجیب

اتفاق ہے کہ اسی مقام پر رسم عروسی ادا ہوئی تھی اور وہیں سے جنت کو سدھاریں، حضرت عبداللہ بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، باادب آہستہ آہستہ لے چلو۔

واقعات کربلا۔ پس منظر، پیش منظر اور مابعد

ڈاکٹر سید سراج اجملی
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اہل بیت مصطفیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کائنات انسانی کی وہ منتخب ہستیاں ہیں جن کے فضائل ومناقب کا سلسلہ نص قطعی سے شروع ہوکر کتب احادیث، اقوال صلحا، تحریرات سلف، ملفوظات صاحبان دل سے ہوتا ہوا معاصر صاحبان قلم تک پہنچا ہے۔ چوں کہ اس سلسلہ کا آغاز خود خالقِ کائنات نے اپنے لازوال کلام سے فرمایا ہے، اس لئے ذکر کے اس سلسلہ کی تکمیل اس روز ہی ممکن ہے جس روز یہ کارخانۂ ہست وبود سمیٹ لیا جائے گا۔ اس درمیان میں تاریخ اسلام کوئی عہد یا کوئی ایک زمانۂ حکومت، یا کوئی ایسا مرحلۂ تہذیب پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں سلسلۂ مناقب اہل بیت رکا ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کی خدمات اور قربانیاں بے مثال ہیں۔ اسلام کی حقانیت، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ کی سنتیں، شعائر اسلام کے استحکام کی جملہ صورتیں، اگر آج زندہ ہیں اور ان سے ایمان والے اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کی حرمت پر اپنی جان قربان کرنے کا نہ صرف جذبہ رکھتے ہیں بلکہ اس جذبہ کا عملی مظاہرہ بھی کرتے رہتے ہیں تو یہ سب احسان ہے اہل بیت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ انھوں نے اقامت دین اور حفاظت دین کی راہ میں اپنی قربانیوں سے نشانات امتیاز قائم کردیے ہیں۔

اہل بیت کی قربانیوں پر اللہ کے کلام کی گواہی قیام قیامت تک کے لئے

موجود ہے، الجوہر المنظم کے حوالے سے علامہ عزیز الحق کوثر ندوی قادری نظامی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''مناقب اہل بیت'' میں مشہور مفسر ثعلبی کی پیش کردہ اس روایت کو معتبر بتایا ہے کہ حسنین بیمار ہوئے اور ان کے والدین کریمین نے بارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شفا کے لئے نذر کے تین روزے رکھے۔ دونوں شاہزادوں نے بھی ان کی پیروی کی اور گھر کی کنیز نے بھی اور افطار کے لئے قرض پر کچھ جَو آیا جسے حضرت سیدہ نے پیسا، تینوں روز ایسا اتفاق ہوا کہ افطار سے پہلے کوئی حاجت مند سامنے تھا۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین اور گھر کی کنیز غرض کہ سب نے اپنا کھانا اس کو دے دیا اور پانی سے افطار کرکے اگلے دن کا روزہ پانی پی کر ہی رکھا، پہلے روز ایک مسکین آیا تھا، دوسرے روز یتیم اور تیسرے دن اسیر اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔
(قرآن حکیم، سورۂ انسان: ۸)

یہ شاید اہل بیت کے ذریعہ پیش کی گئی اولین اجتماعی قربانی ہے کہ جس پر خالق کائنات گواہ ہے اور یہ گواہی اس کی مقدس کتاب میں ابدالآباد تک کے لئے رقم ہوگئی ہے۔ کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا واقعہ قربانیوں کے اس فقید المثال سلسلہ کا دیباچہ ہے جس کا ایک اہم باب محرم ۶۱ ھ کے عاشورہ کو کربلا میں مکمل ہوا اور وہاں سے ایک نئے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ بقول حضرت سید محمد اکمل اجملی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد۔

یہ کربلا ہے، بہتّر چراغ روشن ہیں
بڑھا یہاں سے محبت کا سلسلہ آگے

۶۱ ھ کا عاشورۂ محرم وہ تاریخ ہے جس روز حق کا نام لے کر باطل کو استحکام بخشنے والے اور بقول کسے تقدیس جائے نماز کو جام شراب میں غرق کردینے والے نمائندۂ ملوکیت نے، روئے زمین پر حق کے سب سے بڑے نمائندے فرزند رسول الثقلین سید جوانان جنت، حضرت امام حسین علیہ السلام سے مطالبۂ بیعت کا جواب نفی

میں پا کر قتال کے ناپاک ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

جس طرح نمائندۂ حق حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربیت مزاج اور تطہیر نفس کا فریضہ انجام دینے کے لئے خالق کائنات نے خصوصی ہدایات کے ذریعہ ایک نصاب تیار کر دیا تھا جس کا نفاذ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جس پر عمل کا سلسلہ ہر پروردۂ آغوش رسالت نے روا رکھا، خواہ وہ سیدنا علی مرتضٰی ہوں، سیدہ فاطمہ زہرا ہوں، حضراتِ حسنین کریمین ہوں یا ان سے وابستہ کوئی اور شخص یا غلام یا کنیز۔ اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے۔ دوسری مثال کے طور پر واقعۂ مباہلہ کو پیش کیا جا سکتا ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد قرآنی کے مصداق کے طور پر ’’انفسنا‘‘ کے زمرے میں سیدنا علی مرتضیٰ، ’’نسائنا‘‘ کے زمرے میں فاطمہ زہرا، اور ’’ابنائنا‘‘ کے زمرے میں حضرات حسنین کریمین کو ساتھ لیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ نجران کے نصاریٰ اس نورانی جماعت سے اس طرح خوف زدہ ہوئے کہ راہ فرار اختیار کرنا ہی انہیں سب سے زیادہ آسان محسوس ہوا۔

حضرات اہل بیت کی سیرت سے اللہ کے ارشادات اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں قربانیوں کی مثالیں اور بھی پیش کی جا سکتی ہیں کہ ان افراد خانۂ رسالت اور صاحبان شرف و جلالت کی پوری زندگی آیات قرآنی کی عملی تفسیر نظر آتی ہے۔ ان حضرات کی حیات مبارکہ میں ایک ایسا واقعہ پیش کرنے سے بھی تاریخ قاصر نظر آتی ہے جہاں انہوں نے احکام الٰہی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذاتی اغراض کو ترجیح دی ہو۔ سواد اعظم اہل سنت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی انسان کے حوالے سے عقیدۂ عصمت کا قائل نہیں، لیکن عجیب و غریب بات خانوادۂ رسالت میں یہ نظر آتی ہے کہ اس کا ہر فرد زندگی کے تمام معاملات میں اپنی مرضی، اپنے افکار و خیالات، یہاں تک کہ اپنی جان کو بھی اللہ و رسول کی مرضی کے تابع کیے ہوئے نظر آتا ہے۔ اس کی زندگی کا صرف ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ زندگی کے ہر رویے سے اللہ و رسول کے احکام پر عمل ہو اور معاشرے میں

ہونے والا کوئی تغیر اگر خلاف احکام خدا و رسول ہو تو اس کی بیخ کنی کے لئے جذبۂ فاتح بدر و حنین کے ساتھ جان کی بازی لگا دی جائے۔ تاریخ اسلام کا ہر غیر جانبدار طالب علم افراد خاندان رسالت کی سیرت کے مطالعے میں اس جذبے کو صاف محسوس کرتا ہے اور تمام کتب تاریخ و سیر اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو سب سے نقصان دہ بات اسلامی معاشرے کو پیش آئی وہ آپ کے عہد خلافت تک قائم رہنے والے دبدبے اور ہیبت میں کمی تھی جس نے کئی گورنروں اور امراء کو من مانی کرنے اور ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل اور تقویٰ و پرہیز گاری سے دور کر دیا۔

نتیجے کے طور پر مروان بن حکم اور مغیرہ بن شعبہ جیسے لوگ قوی ہوتے گئے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ پیش آیا اور سیدنا علی مرتضٰی کی خلافت ٹھیک سے قائم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر سیاست شروع ہوگئی، جس کا اخلاص سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ سیدنا علی مرتضٰی امیر المؤمنین اور خلیفۂ برحق تسلیم کر لئے گئے اور قیام قیامت تک کے لئے یہ منصب آپ کے نام نامی سے وابستہ ہوگیا، ساتھ ہی اس منصب کی فضیلت اور عظمت بھی۔ اب آپ کے خلاف کسی نے بھی تلوار اٹھائی اور جنگ کی تو اس کے بارے میں سواد اعظم اہل سنت کے مشہور عالم دین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے یہ الفاظ دہرائے جاتے رہیں گے۔ آپ اپنی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشریہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’وہمیں است مذہب اہل سنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود برحق بود و مصیب، و مخالفین او بر غیر حق و مخطی‘‘ (تحفہ اثنا عشریہ، ص: ۲۱۹)

ترجمہ: اور اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین (علی کرم اللہ وجہہ) اپنی جنگوں میں حق پر بھی تھے اور صواب پر بھی اور آپ کے مخالفین ناحق پر تھے اور خطا پر تھے۔

بحیثیت خلیفۂ راشد اور امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضٰی کے معاملات عین

مرضی خدا و رسول کے مطابق اور نظام اسلامی کے رواج و نفاذ کی راہ میں بڑھنے والے صائب قدم کی حیثیت رکھتے ہیں جو ایسے افراد کو کب پسند آسکتے تھے جن کا مطمح نظر مولائے کائنات سے مختلف ہو، ایسے لوگوں کو تاریخ اسلام خوارج کے نام سے موسوم کرتی ہے، لیکن مخالفتِ نظریات و طریقۂ مولائے کائنات میں صرف خوارج ہی شامل نہیں تھے۔ نتیجے کے طور پر سیدنا علی مرتضیٰ کی شہادت کا واقعہ عین مسجد کوفہ میں پیش آیا۔ اور سیادت و امارت اور تکمیل خلافت راشدہ کے لئے نواسۂ رسول سیدنا حسن مجتبیٰ کا انتخاب ہوا۔ آپ جس روز تک خلافت راشدہ کے منصب پر رہے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ رہی جس کی کل مدت حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تیس سال تھی اور آپ کی دستبرداری کے بعد وہ ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔

امیر المؤمنین سیدنا حسن مجتبیٰ کی خلافت سے دستبرداری اصل میں خلافت راشدہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے خاتمے اور بادشاہت و ملوکیت کے آغاز سے عبارت ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ کسی بادشاہ سے وہ مطالبات کیے ہی نہیں جاسکتے جو امیر المؤمنین اور خلیفۂ راشد سے کیے جاسکتے ہیں، مثلاً یہ صرف مسجد نبوی میں امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہی ممکن تھا کہ وہ فرماتے کہ اہل ایمان اگر مجھ میں کوئی کمی دیکھیں تو انہیں حق ہے کہ اپنی تلوار سے اسے دور کردیں۔ یا سیدنا عمر فاروق اعظم سے بیت المال کی تقسیم کے تعلق سے برسر منبر سوال کرلیا جائے کہ آپ دو کرتوں کے کپڑوں سے بنا ایک کرتا کیونکر استعمال کرسکتے ہیں؟ اور وہ صاحبان اتقاہر وقت خشیت الٰہی سے لرزتے ہوں، لیکن جب خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہو تو ملوکیت کو سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے کسی جید اور مستند صحابی کا اعتراض ناگوار گذرسکتا ہے جو اس کے عمل سے متعلق ہو۔ اس طرح خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد کے بیس سال تک اسلامی معاشرہ طرح طرح کے امتحانات سے گزرتا رہا اس درمیان ۵۰ ہجری میں نواسۂ رسول امیر المؤمنین سیدنا حسن مجتبیٰ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد بنی امیہ کا زمانۂ اقتدار عام طور پر اہل بیت

رسالت کے لئے زمانۂ امتحان ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن امتحان کے اس دورانئے میں سب سے زیادہ شدت ۶۰ ہجری میں آئی۔ ۶۰ ہجری کا زمانہ وہ ہے جس میں بقول مولانا کوثر:

”یہ مسلمانوں کے لئے بہت بڑی بلا اور اسلام کیلئے بہت ہی بڑی مصیبت تھی کہ یزید جیسا شرابی، نشہ باز، فاسق اور فاجر خلافت رسول کی مسند پر بٹھا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۶۰ ہجری کا ہے جس کی بنا پر یہ سن فتنۂ عظیم کا سرچشمہ ہے اور اسی لئے حدیث میں اس سن سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ امام احمد اور امام بزار مسند صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ابو ہریرہ ان مخصوص صحابہ کرام میں سے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے مستقبل سے باخبر کردیا تھا۔“ (مناقب اہل بیت-ص: ۵۳۵)

امام بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینے کے بازار میں یہ کہا کرتے تھے:

”یا اللہ! میں ۶۰ ہجری کا زمانہ نہ پاؤں ...... خدایا میں لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں“ (بحوالہ خصائص کبریٰ، جلد ۲، ص: ۱۳۹)

اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور ۵۹ ہجری میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ یزید کی تخت نشینی اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا امتحان تھا۔ اس معاشرے کے خواص سے سب سے پہلے مطالبۂ بیعت کرنا یزید نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے سب سے زیادہ ضروری جانا اور اس بارے میں ایک حکم نامہ گورنر ولید بن عقبہ کے ذریعے خواص واشراف مدینہ کو عموماً اور نواسۂ رسول سیدنا امام حسین علیہ السلام کو خصوصاً بھجوایا، یہ واقعہ رجب سن ۶۰ ہجری کا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اپنے عہد میں حق کے سب سے بڑے علم بردار اور آیۃ من آیات اللہ حسین ابن علی اس مطالبے کو کیونکر تسلیم کرسکتے تھے؟ لیکن انکار بیعت یزید کا نتیجہ کیا کیا شکلیں دکھا سکتا تھا یہ بھی نواسۂ رسول علیہ السلام پر خوب واضح تھا اور یہ قطعی ممکن نہ تھا کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جیتے جی

حرم نبوی کو افواج یزید کے ناپاک قدم پامال کریں اور وہاں اہل بیت کا مقدس خون بہے۔ اللہ کے دین اور اس کے شعائر کی حرمت کی حفاظت امام حسین علیہ السلام کا مقصد حیات تھا، انکار بیعت فاسق امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری تھی اور آپ اس سے عہدہ برا ہوئے لیکن سر دست اس کی قیمت یہ ادا کرنی پڑی کہ مدینۃ الرسول اور شہر دلبر اور آرام گاہ سید کائنات کو سلام آخر کر کے وہاں سے بمع خاندان مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے امام حسین کی مدینے سے روانگی کی تاریخ ماہ رجب المرجب ۶۰ ہجری کی ۲۸/ویں تاریخ ہے۔

مکہ مکرمہ میں بھی فرزند رسول کو چین کے لمحات گزارنے کا موقع نہیں ملا مطالبۂ بیعت شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اور جو خطرہ مدینۃ الرسول کا قیام ترک کرنے کا باعث بنا تھا یعنی حرم نبوی کی حرمت وہی خطرہ مکہ شریف میں بھی بڑھنے لگا اس لئے کہ یزید ہر قیمت پر اپنی حکومت اور اپنے اقتدار پر خانوادۂ رسالت سے مہر تسلیم لگوانا چاہتا تھا وہ جانتا تھا کہ جب تک بیت الشرف اس کی حکومت پر پسندیدگی کی مہر نہ لگائے۔ اس کو عرب میں کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ امام حسین کی موجودگی اس کے اقتدار کے استحکام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی جسے دور کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو امام حسین مع رفقا بیعت یزید کر لیں یا پھر انہیں مع رفقا ختم کر دیا جائے۔ اول الذکر یوں ممکن نہ تھا کہ بقول محمد علی جوہر امام حسین کا پیغام ہی یہ تھا کہ ؎

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن تو فاسقوں کی اطاعت نہ کر قبول

اور ثانی الذکر کا خطرہ ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا، ادھر یزید کی عیاشیاں اور دین سے دوریاں بڑھتی جا رہی تھیں جس کے نتیجے میں عوام میں بے چینی پھیل رہی تھی، خاص طور پر کوفے کے عوام میں کہ جو مولائے کائنات امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ کے دور خلافت میں دار الخلافہ بھی رہ چکا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے فرزند رسول کو خطوط لکھے اور مطالبہ کیا کہ آپ تشریف لا کر شعائر اسلام کے ساتھ کی جانے والی یزید کی بدسلوکیوں کا قلع قمع کریں۔ ہم آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں۔

امام حسین نے ان خطوط کے جواب میں اپنے بھائی اور سفیر حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا جہاں آپ کے پہنچتے ہی ہزار ہا لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر امام حسین کی بیعت کی۔ اس کی خبر ملتے ہی یزید نے گورنر کوفہ حضرت نعمان بن بشیر کو معزول کر کے ایک سفاک، بے رحم اور ظالم شخص عبید اللہ ابن زیاد کو گورنر بنایا۔ اس نے کوفہ آتے ہی احکام صادر کیے کہ یزید کی بیعت فسخ کرنے والوں کو بچوں سمیت قتل کیا جائے گا اور ان کے گھروں کو ڈھا دیا جائے گا۔ اہل کوفہ اس حکم سے سہم گئے اور نمائندۂ خانوادۂ رسالت حضرت مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے، عبید اللہ ابن زیاد نے آپ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ ادھر مکہ شریف سے امام حسین روانہ ہو چکے تھے آپ کے ساتھ مخدراتِ عصمت، اعزہ، خاندان اہل بیت کے معصوم بچے اور آپ کے اعوان و انصار تھے۔ راستے میں جگہ جگہ لوگ آپ کے قافلے کے ساتھ ہو جاتے اس امید پر کہ امام حسین اقتدار پر قبضہ کرنے جا رہے ہیں تو اس کا فائدہ انہیں بھی حاصل ہو، ایسے ہر مرحلے پر امام حسین بار بار خطبہ ارشاد فرماتے اور بعد از حمد و صلوٰۃ فرماتے کہ ”لوگو! میں اللہ کے دین کے استحکام و قیام اور فسق و فجور کا قلع قمع کرنے کے لئے نکلا ہوں اس راہ میں جو چیز مطلوب و مقصود ہوتی ہے وہ شہادت ہے اس لئے یہ بالکل نہ سمجھا جائے کہ اس سفر کا مقصد دنیاوی اقتدار حاصل کرنا ہے“ وغیرہ وغیرہ۔

ان خطبات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو منزل کے بعد وہی لوگ ہمراہ رہتے جو اس سفر حسین کا اصل مقصد نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی جانوں کو نائب اللہ فی الارض، فرزند رسول، حسین علیہ السلام کے ہاتھوں بیچ رکھا تھا۔ راستے ہی میں امام حسین کو کوفے کے تازہ حالات کا علم ہوا۔ راستے ہی میں آپ کو حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے دونوں معصوم شہزادوں کی شہادت کی خبر ملی آپ نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا اور راہ حق میں آگے قدم بڑھایا۔ راستے ہی میں کئی ایسے لوگ ملے جنہوں نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفر سے باز رکھنے کی بھی کوشش کی لیکن

امام حسین اس سفر کا اصل مقصد ارشاد فرماتے اور اپنے مقصود یعنی شہادت عظمیٰ کی جانب مع اعوان وانصار واہل بیت بڑھتے گئے۔ راستے میں فوج یزید کا ایک رسالہ آپ کی راہ میں حائل ہوا جس کا سردار حر تھا۔ حر بن یزید ریاحی نے بحکم یزید جب آپ کے قافلے کو روکا تو اس وقت حر کے رسالہ کی حالت پیاس سے ابتر تھی۔ نواسۂ ساقی کوثر نے اپنے افراد خاندان کو حکم دیا کہ حر اور اس کی فوج کو پانی پلایا جائے یہی نہیں ان کے جانور بھی پیاسے ہیں انہیں بھی پانی پلایا جائے۔ ظاہر سی بات ہے اس حکم امام کی تعمیل ہوئی، تاریخ بتاتی ہے کہ خود امام عالی مقام اپنے دست مبارک سے حر کے رسالے کو پانی پلا رہے تھے۔ اب امام حسین کے قافلے کے ساتھ حر کا رسالہ بھی چل رہا تھا۔ دوسری محرم ۶۱ھ کو یہ قافلہ دریائے فرات کے کنارے جس مقام پر پہنچا تاریخ نے اس کے نام نینوا اور کربلا بیان کیے ہیں۔

کربلا ہی وہ مقام ہے جہاں عظیم معرکۂ حق و باطل پیش آیا۔ یہاں حضرت امام حسین علیہ السلام نے قیام کرنے اور خیام نصب فرمانے کا حکم دیا۔ آہستہ آہستہ یہاں یزیدی فوج کے مختلف رسالے آتے گئے۔ سنان ابن انس، حرملہ بن کاہل، خولی اور شمر نامی سرداران یزید اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ آتے گئے۔ کربلا میں افواج یزیدی کا سربراہ عمرو بن سعد تھا۔ یہ سب سرداران یزید شقاوت وسفاکی میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے اس پر مستزاد، ان کو یزید اور عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے ہر طرح کی سختی کی اجازت اور ان کی عادت تھی جس نے سب سے پہلے طریقۂ صفین کو اس طرح دہرایا کہ خیام حسینی پر دریائے فرات سے پانی کی فراہمی کو معطل کر دیا اور دریا پر پہرے بٹھا کر امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعوان وانصار واہل بیت پر پانی بند کر دیا یہ ۷ویں محرم ۶۱ ہجری کا واقعہ ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جس منصب پر فائز تھے وہ نیابت رسول اور وراثت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کا منصب تھا جس کا اولین تقاضہ تھا کہ امت کو حتی المقدور جہنم سے بچایا جائے۔ یہ کوشش آپ نے آخر تک جاری رکھی اس کے ثبوت کے طور پر طبری، ابن کثیر، ابن اثیر وغیرہ سے لے کر معاصر تاریخ نویسوں تک کے یہاں تواتر کے ساتھ یہ بات ملتی ہے کہ آپ نے افواج یزیدی کے سامنے خطبات ارشاد فرمائے۔ آپ نے حسب روایت اہل بیت خطبات میں حمد وصلوٰۃ کے بعد اپنے شرف مرتبے، اوامر ونواہی کے حوالے سے اہل اسلام کا رویہ، تقویٰ کے تقاضے اور حمایت حق وغیرہ کی فضیلت بتا کر افواج یزیدی کو جرم عظیم کرنے اور نتیجے کے طور پر جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنانے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن ان کے قلوب، سماعتوں اور بصارتوں پر تو مہر لگ چکی تھی اور بقول حسن احمد صدیقی ”یزید کے سبھی کارندے یزید ہی جیسا مزاج رکھتے تھے۔ پھر غالبًا انہیں تو اوپر سے ہدایات بھی یہی تھیں کہ نرمی نہ برتی جائے اور جلد از جلد معاملات کو قابو میں کیا جائے۔ اس لئے وہ بے چارے مجبور بے بس بھی تھے اور انہیں اپنے آقا کی رضا حاصل کرنے کے لئے جانور پن کا ثبوت دینا ہی تھا۔“ (شہید کربلا کا دفاع......ص ۲۱۳، مکتبہ روحانی دیو بند)

سیدنا امام حسین نے خطبات کا یہ سلسلہ ۹ویں محرم تک جاری رکھا اور قعر جہنم کی جانب بخوشی ورضا مندی جانے والوں کو روکنے کی کوشش فرماتے رہے جس کے نتیجے کے طور پر یزید کی فوج کا وہ سردار جو آپ کو سب سے پہلے ملا تھا اور کربلا تک لایا تھا راہ صواب پر چل پڑا اور اپنے فرزند اور غلام کے ساتھ صبح شہادت امام حسین سے معافی طلب کر کے سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنے والا بن گیا۔ یہ حر بن یزید ریاحی تھا جسے تقدیر نے نہ صرف قعر جہنم سے کھینچ کر مستحق جنت بنا دیا بلکہ سیدنا امام حسین کے ۷۲ رفقا میں شامل کر کے ہمیشہ کے لئے قابل عزت، سزاوار رحمت اور حضرت حر بنا دیا۔

۹ویں محرم کا دن گزرنے کے بعد جو رات آئی اسے تاریخ اسلام میں شب عاشورہ کہا جاتا ہے۔ شب عاشورہ محرم بایں معنیٰ نہایت فضیلت والی رات ہے کہ اس رات روئے زمین پر حق کے سب بڑے نمائندوں کی جماعت مستقل اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہی اور اس بات پر شکر رب ادا کرتی رہی کہ اسے سب سے بڑا

فریضہ ادا کرنے اور اللہ و رسول کی نظروں میں سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس شب بھی سیدنا امام حسین نے خطبہ ارشاد فرمایا لیکن وہ خطبہ اہل جہنم اور دشمنان حق کے سامنے نہیں بلکہ حامیان حق، خواہشمندان لیلائے شہادت اور اسیران محبت خاندان رسالت کے سامنے ارشاد فرمایا۔ امام نے فرمایا تھا کہ ’’یزید کی فوج صرف ان سے مطالبۂ بیعت کر رہی جس کے انکار پر ان کا سر قلم کرنا چاہتی ہے ان کے اعوان و انصار کا نہیں۔‘‘ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ’’میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت اٹھاتا ہوں مجھے ذرا ناگوار نہیں لگے گا اس مجمع میں سے جو واپس جانا چاہے جا سکتا ہے۔‘‘ روایت تو یہاں تک ہے کہ آپ نے چراغ گل کر کے اندھیرا کر دیا کہ جانے والوں کو شرمندگی نہ ہو لیکن جب کچھ دیر کے بعد چراغ دوبارہ روشن ہوا تو فرزند رسول کے نگاہوں نے دیکھا کہ مجمع ویسے ہی بیٹھا ہے اور زبان بے زبانی سے کہہ رہا ہے کہ ابن رسول اللہ! آپ کی رفاقت میں سفر حیات کا یہ مرحلہ طے کرنے اور جام شہادت نوش کرنے کے نتائج سب پر روشن ہو چکے ہیں، آپ کی تعلیمات نے نفوس کو نفس مطمئنہ کے منصب پر فائز کر دیا ہے اور اب یہاں کی فانی زندگی ہو یا وہاں کی باقی زندگی، سب آپ کے ہی قدموں میں بسر ہوگی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ.

عاشورۂ محرم ۶۱ ہجری کو نماز فجر کے بعد ہی قربانیوں کا وہ غیر معمولی سلسلہ شروع ہوا جو شاید دنیا میں اپنی طرح کا پہلا اور آخری واقعہ ہے۔ میرے محدود مطالعے کے مطابق تاریخ انسانی ایسا کوئی واقعہ اور قربانی کی ایسی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کرتی جس میں ایک شخص نے اپنی جان کی قربانی پیش کرنے سے پہلے اپنے ہر طرح کے متعلق اور ہر رشتہ سے عزیز کو راہ خدا میں نذر کیا ہو۔ کربلا میں صبح عاشور سے عصر عاشور تک امام حسین علی جدہ و علیہ السلام نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ تاریخ نے صرف خاندان بنی ہاشم کے ۱۸/افراد کے نام کربلا کے شہدا کی فہرست اپنے دامن میں رکھے ہیں جن میں بطور خاص اولاد جناب ابوطالب صدفی صد موجود ہے۔ مولائے کائنات سیدنا علی مرتضٰی کے حضرت امام حسین و حضرت عباس سمیت ۷/ بیٹے، حضرت امام حسین کے تین بیٹے، حضرت امام حسن کے ایک بیٹے، حضرت عقیل بن ابی طالب کے دو بیٹے، عبداللہ بن جعفر بن عقیل بن ابوطالب کے دو بیٹے، حضرت مسلم بن عقیل کے دو بیٹے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اعوان و انصار اور غلامان امام حسین علی جدہ و علیہ السلام باری باری سے اپنی جانوں کا نذرانہ بارگاہ احدیت میں پیش کرتے رہے۔ احباب اعوان اور انصار کی شہادت کا سلسلہ مکمل ہوا تو آل علی ابن ابی طالب کی شہادت کا سلسلہ شروع ہوا اور نصف النہار پر اپنی گرمی سے قہر ڈھانے والے سورج نے حامیان حق اور نمائندگان صداقت پر ڈھائے جانے والے مظالم کا مشاہدہ کیا۔ آل علی کی شہادت کا سلسلہ آغاز ہوا تو ہر عمر اور ہر سن کے مجاہد نے داد شجاعت دی۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تین دن سے ان مجاہدوں پر پانی بند تھا، بنی امیہ کی معروف شقاوت کے نمونے کربلا میں اپنی پوری شدت کے ساتھ نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف وارثین میراث سیادت صبر و ثبات کا کوہ گراں بنے ہوئے کربلا کو اپنے مقدس خون سے ہر دور کے اہل ایمان کا مرکز عقیدت بنا رہے تھے۔ امام حسین کبھی بھائیوں کے جنازے کو دفن کرتے تو کبھی بھانجوں اور بھتیجوں کی پامال لاشیں اور آخر میں شبیہ پیغمبر جناب علی اکبر کو بھی اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے خود اجازت عطا کر کے میدان کارزار میں بھیجا اور ان کی شہادت پر رضا و تسلیم کا وہ ثبوت پیش کیا جس پر قیام قیامت تک آنے والے صابرین آفریں کہتے رہیں گے۔ لیکن صبر حسینی کا آخری امتحان ابھی باقی تھا جو اس طرح لیا گیا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے دست مبارک پر ایک شیرخوار کو لئے میدان میں تشریف لائے تاریخ اس شیرخوار کو خاندان رسالت کی جانب سے حضرت حق میں پیش کیے جانے والے سب سے کم عمر فدیہ کی حیثیت سے سلام کرتی ہے اور اس کا نام علی اصغر بتاتی ہے۔ جب تمام رفقا و احباب، اعوان و انصار اور اعزہ فدیۂ راہ خدا ہو چکے تو سرکار امام حسین نے ارادۂ جہاد فرمایا۔ میدان جنگ میں تشریف

لائے اور آخری کوشش کے بطور ایک مرتبہ پھر ان بدبختوں کو تلقین کی لیکن انہیں ہوس زر نے نابینا کر رکھا تھا اور راہ صواب ان پر بند ہو چکی تھی۔ جواب میں انہوں نے تیروں کی بارش کی، فرزند رسول نے شمشیر کے جوہر دکھائے اور اپنے وارث فاتح خیبر ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا لیکن تا کبے؟ وقت موعود آ چکا تھا۔ اللہ رب العزت کے حضور سرخروئی کے ساتھ حاضری کی گھڑی قریب تھی۔ فرزند رسول کو نشانہ بنانے والوں میں سنان ابن انس، خولی اور شمر کے نام تاریخ نے ہمیشہ کے لئے دشنام کے مترادف کے بطور اپنے سینے میں دفن کر رکھے ہیں۔ سنان ابن انس نے نیزے سے حملہ کیا، خولی نے تلوار چلائی اور شمر نے سجدۂ آخر میں ابن رسول اللہ کو پس گردن سے ذبح کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتوح کے خاتمے کے بعد فاتح اور وہ فاتح جو کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند نہ ہو کیا کیا کر سکتا ہے اس کی تفصیل کے لئے کتب تاریخ میں فاتحین کے کارناموں کی داستانیں انسانیت کو شرمندہ کرنے کے لئے موجود ہیں۔ ان فاتحین نے بھی وہی سب کیا جو ایک جابر، سفاک اور ظالم بادشاہ کے فوجی کرتے ہیں۔

سید اہل بیت عابد بیمار سید الساجدین امام زین العابدین علی جدہ وعلیہ السلام اور مخدرات عصمت کو رسن بستہ کیا۔ بغیر کجاوے کے اونٹوں پر سوار کیا اور شہدا و سید الشہدا کے سر نیزوں پر لے کر اپنے امیر کی خوشنودی کے لئے کوفہ و دمشق کی جانب روانہ ہوئے۔ خوشنودیٔ رب کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے شہدا کے سر نیزوں پر بلند ہو کر بھی دعوت حق و صداقت دے رہے تھے اور مظلوم افراد خاندان رسالت اپنے انداز و اطوار سے ان کے سچے وارث اور دین متین کو ساری دنیا تک اس کی اصل شکل میں پہنچانے کے سب سے بڑے ذمہ دار، حصار ظلم و ستم میں بھی نظر آ رہے تھے۔

حضرت امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام اور ان کے ۷۲ رفقا جنہوں نے کربلا میں اپنا نذرانۂ جان عزیز دین متین کی بقا اور حفاظت کے لئے بارگاہ رب بے نیاز میں

پیش کیا ان کی فہرست بانی دائرہ شاہ اجمل حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادی کے بھتیجے، داماد اور خلیفہ حضرت شیخ محمد یحییٰ المعروف شاہ خوب اللہ الہ آبادی نے اپنے مکتوبات میں دی ہے، جو سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل سید حسین نجم الثاقب اجملی کے کتاب خانے میں قلمی صورت میں موجود ہے اور شہدائے کربلا کی مطبوعہ فہرست بھی انہیں کی ملکیت ہے جو ان کے شکریے کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہے:

۱ حضرت امام حسین
۲ حضرت عباس بن علی
۳ حضرت عبداللہ بن علی
۴ حضرت جعفر بن علی
۵ حضرت عثمان بن علی
۶ حضرت محمد بن علی
۷ حضرت ابوبکر بن علی
۸ حضرت علی اکبر بن حسین
۹ حضرت علی اصغر بن حسین
۱۰ حضرت عبداللہ بن حسین بن علی
۱۱ حضرت قاسم بن حسن بن علی
۱۲ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر
۱۳ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر
۱۴ حضرت مسلم بن عقیل بن ابی طالب
۱۵ حضرت جعفر بن عقیل بن ابی طالب
۱۶ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل
۱۷ حضرت ابو عبداللہ بن مسلم بن عقیل
۱۸ حضرت محمد بن ابو سعید بن عقیل
۱۹ حضرت سلمان غلام امام حسین
۲۰ حضرت قارب غلام امام حسین
۲۱ حضرت مجحیہ غلام امام حسین
۲۲ حضرت مسلم بن عوسجہ
۲۳ حضرت سعید بن عبداللہ الحنفی
۲۴ حضرت بشیر بن الغمر
۲۵ حضرت یزید بن حصین
۲۶ حضرت عمران بن کلب
۲۷ حضرت نعیم بن عجلان
۲۸ حضرت زہیر بن قین
۲۹ حضرت عمرو بن قرضہ انصاری
۳۰ حضرت حبیب بن مظاہر
۳۱ حضرت حر بن یزید ریاحی
۳۲ حضرت عبداللہ بن عمر الکلبی
۳۳ حضرت نافع بن ہلال
۳۴ حضرت انس اسدی
۳۵ حضرت قیس مسخر سعید
۳۶ حضرت عبداللہ بن عروہ غفاری

۳۷ حضرت عبدالرحمان بن عروہ غفاری
۳۸ حضرت شھیب بن عبداللہ
۳۹ حضرت جون غلام ابوذر غفاری
۴۰ حضرت حجاج بن زید سعدی
۴۱ حضرت قاشط بن زبیر الکلابی
۴۲ حضرت مقسط بن زبیر الکلابی
۴۳ حضرت کنانہ بن عتیق
۴۴ حضرت ضرغام بن مالک
۴۵ حضرت جون بن مالک
۴۶ حضرت زید بن ثبیت القیسی
۴۷ حضرت زید بن ثبیت القیسی
۴۸ حضرت عبداللہ بن ثبیت
۴۹ حضرت عامر بن مسلم
۵۰ حضرت قعنب بن عمرو
۵۱ حضرت سالم عامر بن حکم
۵۲ حضرت سیف بن مالک
۵۳ حضرت زبیر الخاطمی
۵۴ حضرت زید بن میقل الجوفی
۵۵ حضرت حجاج بن مسروق
۵۶ حضرت مسعود بن حجاج
۵۷ حضرت مسعود بن حجاج
۵۸ حضرت مجمع بن عبداللہ العیز ی
۵۹ حضرت عمار بن حسن طائی
۶۰ حضرت حیان بن حارث
۶۱ حضرت جندب بن حجیر
۶۲ حضرت عمر بن خالد
۶۳ حضرت سعید غلام عمر بن خالد
۶۴ حضرت یزید بن زید الکندی
۶۵ حضرت ظاہر غلام عامر بن انس
۶۶ حضرت جبالہ بن علی شیبانی
۶۷ حضرت سالم غلام بانی الکلمی
۶۸ حضرت اسلم بن خطیر
۶۹ حضرت زبے بن سلیم
۷۰ حضرت قاسم بن حبیب العضد ی
۷۱ حضرت عمر بن الاخدوف الخرمی
۷۲ حضرت ابوشامہ عمر بن عبداللہ
۷۳ حضرت حنظلہ بن السعد شاہی

واقعۂ کربلا کے اصل مجرمین یزید و ابن زیاد، شمر، خولی، حصین بن نمیر، حرملہ بن کاہل وغیرہ وغیرہ اس روز سے تا یوم الدین مستحق لعنت قرار پائے۔ اس روز شدید کے بعد سے شاید ہی کوئی لمحہ ایسا گذرا ہو کہ جس میں ان اشقیا پر لعنت نہ بھیجی گئی ہو۔ ان میں سے ہر نام مسلم امت میں گالی سے زیادہ ناگوار یا کم از کم گالی کا مترادف تو بن ہی چکا ہے۔

علمائے حقانی اور اولیائے ربانی نے یزید کو ملعون کہا اور لکھا ہے۔ علامہ کوثر ندوی نے اپنی کتاب ”مناقب اہل بیت“ میں تیرہویں صدی ہجری کے دنیائے اسلام کے سب سے بڑے مفسر علامہ شہاب سید محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) کی تفسیر ”روح المعانی“ کا ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ ہم مناقب اہل بیت سے روح المعانی کا اقتباس نذر قارئین کرتے ہیں:

”علما کی ایک جماعت نے بالکل صاف صاف الفاظ میں یزید پر لعنت بھیجی ہے۔ انہیں میں ناصر سنت حافظ ابن جوزی بھی ہیں۔ ان سے پہلے قاضی ابویعلیٰ نے صاف الفاظ میں یزید پر لعنت بھیجی ہے۔ علامہ تفتازانی کا قول ہے: ”ہم یزید کے معاملے میں کوئی توقف نہیں کرتے بلکہ ہمیں اس کے کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ اس کو ایمان ہی نہ تھا۔ یزید پر بھی اللہ کی لعنت اور اس کے حامیوں اور مددگاروں پر بھی۔“

حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی کھلے الفاظ میں یزید پر لعنت بھیجی ہے۔

تاریخ ابن الوردی اور کتاب الوافی بالوفیات میں ہے کہ جب شہدائے کربلا کے سر اور اہل بیت کی عورتیں قید کر کے یزید کے پاس لائی جا رہی تھیں تو یزید انہیں دیکھنے کے لئے کوہِ جیروں کی گھاٹی تک پہنچا۔ وہاں یہ دیکھا کہ علی و حسین کی مستورات اور بچے (جو قید میں جکڑے ہوئے ہیں) اور مقتولوں کے سر گھاٹی پر نظر آ رہے ہیں۔ یزید نے دیکھا ہی تھا کہ ایک کوا بولنے لگا اس پر یزید یہ اشعار پڑھنے لگا ؎

لما بدت تلک الحمول و اشرفت
تلک الرؤس علی شفا جیرون

(جب کوہ جیرون کے کنارے پر (اسیران کربلا) کی سواریاں نظر آئیں اور مقتولوں کے سر نظر آئے)

نصب الغراب فقلت قل اولا تقل
فقد اقتضیت من الرسول دیونی

(تو کوا بولا! اس نے کہا بول یا نہ بول میں نے رسول سے اپنا قرض چکا لیا)

اس میں یزید نے یہ مطلب ادا کیا ہے کہ رسول نے غزوۂ بدر میں یزید کے نانا عتبہ اور اس کے (والد کے) ماموں خالد ولد عتبہ وغیرہ کو جو قتل کرایا ہے اس کے بدلے میں رسول کی اولاد کو اس نے قتل کرایا اور رسول سے پورا بدلہ لے لیا (ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے)۔ جب یہ صحیح روایت ہے تو یزید اپنی اس (بکواس سے) کافر ہو گیا۔

اسی طرح ان اشعار کو پڑھ کر بھی وہ کافر ہو گیا جو عبداللہ بن زبعری نے قبول اسلام کے پہلے (غزوۂ احد میں حضرت حمزہ وغیرہ کی شہادت پر خوشی مناتے ہوئے) کہے تھے۔ ان میں سے ایک شعر یہ بھی ہے جسے یزید نے پڑھا تھا۔

لست من جندب ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل

(احمد نے بدر میں ہمارے بڑوں کو قتل کرانے کا جو کام کیا ہے اگر احمد کی اولاد سے میں اس کا بدلہ نہ لوں تو میں جندب کی نسل سے نہیں) (روح المعانی جلد ۲۶، ص ۶۶، بحوالہ مناقب اہل بیت، ص: ۸۹، ۴۸۸۹، کوثر اکیڈمی، بنارس)

مناقب اہل بیت صفحہ ۴۷۳ پر مستدرک کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بخط جلی لکھی ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے:

’’اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے خون کا بدلہ ستر ہزار سے لیا کہ اتنے قتل ہوئے اور تمہارے نواسے کے خون کا بدلہ ستر ہزار اور ستر ہزار (ایک لاکھ چالیس ہزار) سے لوں گا کہ اتنی تعداد میں قتل ہوں گے۔

تاریخ کی نگاہوں نے دیکھا کہ ۶۵ ہجری میں ایک شخص نمودار ہوا جسے مختار ثقفی کہا گیا جس نے لوگوں کو شہادت حسین اور آپ کے آل وانصار کے قتل پر احتجاج اور قصاص کے لئے جمع کیا۔ روایت کی جاتی ہے کہ اس نے امام حسین کے قاتلوں سے پورا پورا انتقام لیا اور ایک لاکھ چالیس ہزار دشمنان امام کو قتل کر کے حدیث کے الفاظ کو سچ ثابت کیا۔

مختار ثقفی نے موصل میں اپنا جو عامل مقرر کیا تھا کا تب اس پر فوج کشی کی

جس کے مقابلے کے لئے مختار ثقفی نے ابراہیم بن اشہد کو بھیجا۔ بقول صاحب مناقب اہل بیت ۲۱/ ذی الحجہ ۶۶، ہجری کو موصل کی نہر خازر کے کنارے پہنچے۔ رات بھر فوجی تیاری اور ذکر الٰہی میں بسر کی۔ صبح کو نماز پڑھا کر فوج کے سامنے انتقال حسین پر بڑی پر زور تقریر کی۔ تھوڑی دیر بعد ابراہیم اور ابن زیاد کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ابن زیاد کی فوج بہت زیادہ تھی۔ لڑائی کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا لیکن کب تک، ایک دن ابراہیم کی فوج نے اس زور وشور سے حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ بے شمار قتل ہوئے جو بھاگے ان کا تعاقب ہوا۔ دشمن دریا میں ڈوب کر مرے۔ ڈوبنے والوں کی تعداد مقتولوں سے بڑھ گئی۔

ابن زیاد خود ابراہیم کے ہاتھوں مارا گیا، اس کا سر کاٹ کر کوفے میں مختار کے پاس بھیج دیا گیا اور اس کی لاش کو آگ میں جلا دیا گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس روز ابن زیاد مارا گیا محرم کی دسویں تاریخ تھی۔

مختار کے جوانوں نے ابن سعد، شمر، سنان ابن انس، حرملہ بن ہل مل خولی، غرض امام مظلوم کے تمام قاتلوں کو چن چن کر قتل کیا جو جان بچا کر بھاگے وہ اللہ کے ناگہانی عذاب میں مرے۔ غرض ان لعینوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا۔ مختار اور اس کی فوج کے ہاتھ سے ایک لاکھ چالیس ہزار دشمنان دین قتل ہوئے۔

یہ وہ خون چکاں داستان ہے کہ جسے صاحب ذبح عظیم اور صاحب خلق عظیم کے وارث سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اپنے خون کے قطروں سے قرطاس وقت پر اس طرح تحریر کیا کہ پروردگار نے اسے ابدالآباد تک کے لئے امام حسین اور ان کے اعوان وانصار کے لئے وجہ شرف وفضیلت اور یزید اور اس کے اعوان وانصار واحزاب کے لئے باعث ذلت ولعنت بنا دیا ہے۔ بقول اقبال ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہیں اسماعیل

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی

جامعہ امجدیہ، گھوسی

نام ونسب وکنیت

نام علی (بن ابی طالب)، کنیت ابوالحسن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیت ابوتراب فرمائی تھی، والد کی جانب سے سلسلۂ نسب اس طرح ہے: علی بن ابو طالب (عبدمناف) بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف قریشی ہاشمی۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف ہاشمیہ تھا، یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۱، ص ۲۲۵)

ولادت باسعادت

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعثت نبوی سے تقریباً دس سال (یا کچھ کم) پہلے پیدا ہوئے۔ (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲، ص ۵۰۷) ابن سعد نے اپنے طبقات میں لکھا ہے کہ آپ کی پیدائش عام الفیل کے ۳۰ سال بعد ماہ رجب کی بارہ راتیں گذرنے کے بعد ہوئی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد سوم)

قبول اسلام

ایمان لانے میں اولیت حاصل کرنے سے متعلق تمام روایات کو یکجا بھی کیا جائے، تو یہ نفیس تنقیح سامنے آتی ہے کہ خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، پختہ عمر لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور کم عمر لوگوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس تعلق سے طبرانی نے حضرت عروہ کا یہ قول نقل کیا:

’’اسلم وھوا بن ثمان‘‘ (جب حضرت علی ایمان لائے تو اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی) حسن بن زید بن حسن کا قول ہے: ’’حضرت علی نو سال کی عمر میں ایمان لائے۔‘‘ (ابن سعد، ج ۳، ص ۲۱) حضرت مغیرہ کا قول ہے کہ: ’’ایمان لانے کے وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔‘‘ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱، ص ۲۲۶) صغر سنی میں بھی کبھی آپ نے بت پرستی نہیں کی (تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص ۲۵۶)

بے مثال تربیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں رہے اور آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں نشو ونما پائی، حضرت علی نے جب سے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام لے آئے، اسی وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتے تھے، مگر اپنے والد ابوطالب سے چھپ کر آیا کرتے تھے، کیونکہ آپ نے اپنے اسلام کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ہدایت ظاہر نہیں فرمایا تھا، آپ تقریبا دس سال کی عمر میں ایمان لے آئے اور اسی وقت سے تمام نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھائی میں جا کر ادا کرتے اور جب شام ہو جاتی تو گھر واپس آ جاتے اور اپنے گھر والوں پر ظاہر نہ فرماتے۔ ایک دن ابوطالب جب حضرت علی کے ان حالات پر مطلع ہوئے تو اپنے بیٹے سے کہا: ’’بیٹے! یہ کون سا مذہب ہے جس پر تم چل رہے ہو؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور رسول پاک کی اتباع و پیروی کرتا ہوں۔‘‘ ابوطالب نے بجائے برہم ہونے کے، یہ کہا: ’’وہ تمہیں اچھی ہی بات کی

طرف بلاتے ہیں۔“ اور ابو طالب نے یہ بھی کہا: ”واز ر ابن عمک و انصرہ“ (اپنے چچازاد بھائی کی حمایت و نصرت کرو۔ (سیرت ابن ہشام ج ا، ص ۲۶۴، سیر اعلام النبلاء للذہبی، ص ۲۲۸)

حضرت علی نے اپنے والد کی اس نصیحت کو کم عمری کے باوجود زندگی بھر یاد رکھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر، اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت کی پیش کش کی اور اپنی نصرت و حمایت کا وعدہ لینا چاہا، تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی اور وہ آواز علی بن ابی طالب کی تھی کہ اگرچہ میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں پھر بھی میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت و بازو بنوں گا۔ (تاریخ اسلام جلد اول، ص ۲۵٦)

خاندانی شرافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلۂ بنو ہاشم سے تھے، جس قبیلے کی عالی نسبی کا اعتراف تمام اہل عرب کرتے تھے، قبائل عرب میں قریش اور قریش کے قبیلے میں بنو ہاشم کو غیر معمولی امتیازی خصوصیات حاصل تھیں، زبان و بیان، اسلوب کلام، طرز گفتگو، مہمان نوازی اور شجاعت و بہادری جیسے اوصاف میں وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور ان خصوصیات کے اعتراف اور ان کے اظہار میں کسی کو کوئی تأمل بھی نہ تھا بلکہ سخاوت، مہمان نوازی اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ گفتگو میں قریش کی مثال دی جاتی تھی، قریش کے قبائل میں شریعت ابراہیمی کی جھلکیاں بھی موجود تھیں، چنانچہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے، مناسک حج ادا کرتے، میت کو کفن پہناتے، نکاح بغیر گواہ اور مہر کے نہ کرتے، بہن، بیٹی، نواسی اور بھانجی سے نکاح نہ کرتے، اہل قریش بدوی قبائل کی طرح نہ تھے جو طرز زندگی سے ناواقف اور مذہبی اصول سے یکسر نابلد تھے اور آداب معاشرت سے دور تھے بلکہ ان میں مذہبی پختگی، حمیت، رواداری، اعتدال

پسندی اور محبت کا عنصر کافی حد تک پایا جاتا تھا۔ اس لیے خاندانی لحاظ سے قریش کی عرفی حیثیت نمایاں تھی۔ قریش کے فضائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنہیں علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں جمع فرمایا:

”امامت، قریش ہی کو سزاوار ہے، حکومت کرتے ہیں تو عدل و انصاف کے ساتھ کرتے ہیں، وعدہ پورا کرتے ہیں، جب کوئی رحم کا طالب ہوتا ہے تو مہربانیاں کرتے ہیں“۔ ترمذی کی روایت ہے: ”مملکت قریش کے لیے ہے۔“ (تاریخ الخلفاء)

قریش کے قبیلے بنو ہاشم کے اوصاف و خصوصیات تو زیادہ نمایاں ہیں۔ رحم و شفقت، بلند ہمتی، ظلم و زیادتی سے گریز، اخلاق و شرافت، حمیت، شجاعت اور شعور و آگہی بنو ہاشم کا زیور تھے اور کیوں نہ ہو کہ بلند اخلاق و کردار اور خلق عظیم کے پیکر اعظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم ہی سے تھے، جن کے بارے میں قرآن ناطق ہے: ”**انک لعلی خلق عظیم.**“ (القلم، ۳) آپ عظیم اخلاق کے پیکر ہیں۔

کنیت ابوتراب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابوتراب“ تھی اور حضرت علی کو یہ بات بہت پسند تھی کہ کوئی انہیں ”ابوتراب“ سے پکارے، اس مسرت کا سبب یہ تھا کہ یہ کنیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عنایت کی تھی، اس کنیت کی وجہ یہ تھی کہ ایک بار آپ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر ناراض ہو کر مسجد میں آ کر لیٹ گئے اور آپ کے بدن پر کچھ مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے حجرے کی طرف تشریف لائے اور حضرت علی کے بارے میں پوچھا۔ تو حضرت فاطمہ نے کہا وہ مسجد میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ چادر ان کی پشت سے اتر گئی ہے اور پیٹھ میں مٹی لگ گئی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور دو مرتبہ ارشاد فرمایا: ”**اجلس یا اباتراب**“ اے ابوتراب بیٹھ جاؤ۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۵۵، بخاری شریف

باب مناقب علی بن ابی طالب) اسی دن سے آپ کی کنیت ''ابوتراب'' مشہور ہوگئی۔

مختصر فضائل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم عشرۂ مبشرہ میں سے تھے اور رشتہ مواخاۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں، ان کے برادر عم زاد ہیں، آپ عالم ربانی، عابد و زاہد اور زبردست خطیب تھے۔ شجاعت و بہادری میں معروف تھے اور سلسلۂ خلافت میں چوتھے خلیفۂ راشد اور بنی ہاشم میں سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ (تاریخ الخلفا، سیوطی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مواخات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قائم کی۔ (ترمذی) جنگ بدر و دیگر جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اٹھانے والے حضرت علی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا: ''**لاعطین الرایة رجلا یحب الله و رسوله و یحبه الله و رسوله و یفتح الله علی یدیه .**'' (میں پرچم اسلامی ایسے آدمی کے ہاتھوں میں دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول جلا وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خیبر کو اس کے ہاتھ سے فتح فرمائے گا۔

یہ روایت، حدیث کی تقریبا تمام کتابوں: بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے جابر بن عبداللہ سے یہ روایت بیان کی کہ جنگ خیبر میں آپ نے اپنی پیٹھ پر خیبر کا بھاری بھرکم دروازہ اٹھالیا تھا اور مسلمان اس دروازے پر چڑھ چڑھ کر قلعہ کے اندر داخل ہوئے تھے اور خیبر کو فتح کرلیا تھا، قلعہ فتح ہونے کے بعد حضرت علی نے وہ دروازہ پھینک دیا۔ جب اس دروازے کو گھسیٹ کر دوسری جگہ منتقل کرنا ہوا، تو اس کے لیے چالیس افراد لگے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۵۴)

علامہ سیوطی نے ابن اسحاق اور ابن عساکر کی روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر بہت دیر تک اپنے ہاتھوں پر رکھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا، پھر قلعہ فتح ہونے کے بعد آپ نے اس دروازے کو پھینک دیا، جنگ سے فارغ ہونے کے بعد ہم اسّی (۸۰) افراد نے مل کر اسے ہلانا چاہا مگر نہ ہلا سکے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۵۴)

یوں تو غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں آپ نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، مگر غزوۂ بدر اور غزوۂ خیبر میں آپ کے نمایاں کارناموں سے آج بھی تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔

غزوۂ بدر میں حضرت علی کے کارنامے

رمضان ۲/ھ میں جنگ بدر ہوئی، یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پہلی جنگ تھی، مسلمان اپنے دفاع میں انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں آئے تھے۔ جب مقابلہ کا وقت ہوا، تو مسلمانوں سے مقابلے کے لیے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور ولید آئے، آمنا سامنا ہوا اور کفار کی خواہش ہوئی کہ ہمارے مقابلے کے لیے انصار کے بجائے قریش یعنی ہمارے رشتہ دار آئیں، یہ لوگ آزمودہ کار اور بڑے بہادر شہسوار مانے جاتے تھے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلے کے لئے اپنے تین انتہائی عزیز رشتہ داروں کو بھیجا، جن میں ایک حضرت علی، دوسرے حضرت حمزہ اور تیسرے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنھم تھے، حضرت علی نے ولید بن عتبہ کو مقابلہ کے لئے للکارا اور ایک ہی وارِمیں اس کا کام تمام کردیا، جنگ بدر میں حضرت علی ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علَم کے حامل تھے اور حضور نے اس موقع پر اپنی تلوار حضرت علی کو دی تھی۔

غزوۂ خیبر

غزوۂ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نادر روزگار شجاعت اور زندہ وجاوید کارناموں کا تذکرہ تاریخی کتابوں میں سنہرے حروف میں موجود ہے، خیبر آپ کے ہاتھوں فتح ہوا جس کی غیبی خبر آقاے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی، یہ غزوہ ہجرت کے ساتویں سال ہوا تھا، تاریخ اسلام میں اس کی اہمیت کی ایک وجہ یہ

ہے کہ خیبر کا یہ یہودی خطہ جنگی و فوجی لحاظ سے ایک مرکز تھا، اس میں متعدد مضبوط قلعے تھے، یہیں سے یہودی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے اور مدینہ کے یہودیوں سے مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھے، یہ غزوہ یہودیوں کی اسی ناپاک سازش کے رد عمل میں تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چودہ سو جانثاروں کو لے کر خیبر کے قلعوں پر حملہ کیا اور القموص کے علاوہ سارے قلعے فتح ہوتے گئے، القموص کا قلعہ بڑا مضبوط تھا اسے فتح کرنا آسان نہ تھا، مگر نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ قلعہ فتح ہوگا اور حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو آشوب چشم کی شکایت تھی، جب وہ حاضر ہوئے، تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگا دیا جس سے ان کی آنکھیں فوراً اچھی ہوگئیں پھر زندگی بھر کبھی نہ دکھیں۔

علامہ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ/۱۳۷۴ء) نے سیر اعلام النبلاء ج/۱، ص/ ۲۲۸ پر اس تعلق سے دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں جو صرف چشم کشا ہی نہیں ایمان افروز بھی ہیں: ’’عبد اللہ ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی رات کے وقت حضرت علی کے ساتھ گفتگو کرتے، حضرت علی موسم سرما میں موسم گرما کا کپڑا پہنتے اور موسم گرما میں سردی کے کپڑے پہنتے، میں نے اپنے والد سے اس کی وجہ دریافت کرنے کی گذارش کی تو حضرت علی نے فرمایا: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن مجھے طلب فرمایا اس وقت میں آشوب چشم کا شکار تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی ’’**اللھم اذھب عنہ الحر والبرد فما وجدت حرا ولا بردا منذ یومئذ**‘‘ اے اللہ! علی سے سردی اور گرمی کو دور فرما دے۔ تو اس دن سے مجھے گرمی محسوس ہوئی اور نہ ہی سردی۔ (مسند امام احمد ج/۱، ص/ ۹۹، ابن ماجہ/ ۱۱۷)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے ہاتھ میں علم دیا، حضرت علی نے عرض کیا: کیا میں اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو

جائیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اسلام کی دعوت دو اور بتا دو کہ اللہ تعالی کا ان پر کیا حق ہے؟ (صحیح بخاری، ج/۲، باب غزوہ خیبر، صحیح مسلم) حکم کے مطابق حضرت علی القموص کے قلعے میں داخل ہوئے، آپ کے مقابلے میں مشہور مرحب نامی پہلوان رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا سامنے آیا، دونوں طرف سے وار ہوئے، حضرت علی کے ایک ہی وار نے مرحب کے خود کو چیرتے ہوئے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے اور اسی پر جنگ کا فیصلہ ہو گیا اور مسلمان فاتح قرار پائے۔ (کنز العمال ج/ ۱۵، ص/ ۱۲۰)

غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور آپ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکے، کیونکہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنا دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص/ ۱۳۱)

حضرت علی بحیثیت مفسر قرآن

علامہ سیوطی نے ابن سعد کے حوالے سے حضرت علی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ’’**واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیم نزلت، واین نزلت، وعلی من نزلت، ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا صادقا ناطقا**‘‘ خدا کی قسم جتنی قرآنی آیتیں نازل ہوئیں ہیں ان سب کا مجھے علم ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئیں؟ کہاں نازل ہوئیں؟ اور کس کے حق میں نازل ہوئیں؟ اللہ عزوجل کا عظیم احسان ہے کہ اس نے مجھے قلب سلیم و عقل وشعور اور زبان ناطق عطا فرمائی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص/۲۷۴، اخرجہ ابن سعد فی الطبقات ج/۲، ص/ ۶) انہیں کا قول ہے کہ فرمایا: ’’قرآن کریم کے بارے میں مجھ سے پوچھو! میں ہر آیت کے تعلق سے یہاں تک جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں، میدان یا پہاڑ پر اتری‘‘۔

ابن ابو داؤد کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے لکھا

ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سے ان کی بیعت کرنے میں تاخیر کی وجہ میں فرمایا کہ میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک میں قرآن پاک کو اس کے تنزیل کے مطابق جمع نہیں کرلوں گا اس وقت تک پنجگانہ نمازوں کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا۔'' (تاریخ الخلفاء ص/۲۷۴)

عربی قواعد کی تاسیس

علامہ سیوطی نے یہ روایت بیان کی کہ ابوالاسود نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میں ایک روز امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ گردن جھکائے کچھ سوچ رہے ہیں، میں نے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ کس فکر میں ہیں؟ فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں لغتوں کو بدلا جارہا ہے (دوسری روایت کے مطابق حضرت علی نے فرمایا: ''عجمیوں کو قرآن کریم پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔'') اسی لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ عربی زبان کے کچھ اصول وقواعد مرتب کردوں، تاکہ لغات کی حیثیت برقرار رہے، میں نے کہا: اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ بڑا احسان ہوگا اور آپ کے بعد وہ اصول وقواعد ہمیشہ باقی رہیں گے، اس واقعہ کے تین روز بعد میں پھر حاضر ہوا تو آپ نے ایک کاغذ نکالا، جس میں تحریر تھا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم الکلمة اسم و فعل وحرف فالاسم ماانبأ عن المسمی، والفعل ما انبأعن حرکة المسمی، والحرف ماانبأ عن معنی لیس باسم ولا فعل''

کلام کی تین قسمیں ہیں اسم، فعل اور حرف۔ اسم وہ ہے جو اپنے مسمی کی نشاندہی کرے، فعل وہ ہے جو اس کی حرکت کو ظاہر کرے اور حرف وہ ہے جو اسم اور فعل نہ ہو لیکن ظہور معنی میں مدد کرے''۔ پھر حضرت علی نے فرمایا: تم اپنی معلومات سے اس میں اضافہ کرسکتے ہو۔ ابوالاسود کہتے ہیں: ''میں نے حروف کی قسموں میں پانچ حروف ناصبہ ''اِنَّ، اَنَّ، لیتَ، لعلَّ، کاَنَّ.'' لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے پڑھ

کر فرمایا: تم نے اس میں ''لکنَّ'' کیوں نہ لکھا؟ پھر آپ نے حروف ناقصہ میں ''لکنَّ'' کو بھی شامل کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص/۱۴۰)

شاعری

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ایک اچھے قادر الکلام شاعر بھی تھے، فصاحت وبلاغت میں آپ امتیازی مقام رکھتے تھے، ان کے ناصحانہ اشعار میں یہ اشعار بھی ملتے ہیں۔

''ولا تفش سرک الا الیک   فان لکل نصیح نصیحاً''

اپنا راز اپنی ذات کے سوا کسی پر ظاہر نہ کر کہ ہر نیک خواہ کا کوئی نہ کوئی نیک خواہ ضرور ہوتا ہے۔

ولا تصحب اخا الجهل ایاک وایاہ
فکم من جاهل اردی حلیما حین اخاہ

جاہلوں کی صحبت مت اختیار کر، اپنے کو ان سے بچا اور ان کو اپنے سے بچا، بہت سے جاہلوں نے اس دانشمند کو تباہ کردیا جس نے ان سے دوستی کی۔

علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

رضینا قسمة الجبار فینا
لنا علم وللجهال مال
لیس الجمال باثواب تزیننا
ان الجمال جمال العلم والادب

ہم اپنے درمیان رب تعالی کی تقسیم سے راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم دین اور جاہلوں کے لیے مال ہے۔ خوبصورتی اور جمال ان کپڑوں سے نہیں جو ہمیں زینت دیتی ہیں۔ بیشک خوبصورتی علم وادب کی خوبصورتی ہے۔

قبیلہ ہمدان کا اجتماعی طور پر اسلام قبول کرنا

فتح مکہ کے بعد مختلف دیار وامصار سے وفود آتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے دست مبارک پر جوق در جوق ایمان لاتے رہے، یمن میں دعوت اسلام کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو روانہ فرمایا جس میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے، یہ جماعت چھ ماہ وہاں مقیم رہی اور دعوت اسلام دیتی رہی، خصوصاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ، مگر وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا مکتوب گرامی دے کر بھیجا، انہوں نے وہ مبارک مکتوب پڑھ کر سنایا، تو قبیلہ ہمدان کے سارے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت علی اور زرہ

جنگ صفین میں جاتے وقت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی زرہ گم ہو گئی تھی جو ایک یہودی کے ہاتھ لگ گئی، حضرت علی کی نظر پڑی، تو فرمایا: ”یہ زرہ میری ہے، میں نے اسے نہ تو تمہارے ہاتھ فروخت کی ہے اور نہ ہی تمہیں ہبہ کی ہے۔“ یہودی نے اسے اپنی ملک قرار دے کر دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت علی نے قاضی شریح کے یہاں مقدمہ دائر کیا اور دعوی کیا کہ یہ زرہ میری ہے، قاضی شریح نے حضرت علی سے گواہ طلب کیے، گواہ میں حسن اور قنبر کو پیش کیا گیا، قاضی شریح نے اسلامی قانون کے رو سے باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی مسترد کر دی، بالآخر قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور یہودی وہ زرہ لے کر چلتا بنا، کچھ دور جانے کے بعد اس کے دل کے اندر انقلاب پیدا ہوا جس کا سبب حضرت علی کا عادلانہ اور با اصول طرز عمل تھا، یہودی نے کہا کہ یہ تو ایسا منصفانہ طرز عمل ہے کہ امیر المومنین ہوتے ہوئے انہوں نے اپنا مقدمہ قاضی کے یہاں دائر کیا۔ قاضی بھی انہیں کا ہے، مگر انہوں نے فیصلہ امیر المومنین کا چہرہ دیکھ کر نہ کیا، بلکہ قانون اسلام کے رو سے کیا، پھر اس یہودی نے کلمۂ طیبہ **لا الہ الا اللہ** پڑھ کر اپنے آپ کو حلقۂ اسلام میں داخل کر لیا، روایتوں میں اس کے الفاظ یہ ہیں: ”**ھذا ھو الحق اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ**“ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کے ایمان لانے سے اتنی خوشی ہوئی کہ اس یہودی کو آپ نے وہ زرہ بھی دے دی اور ایک گھوڑا بھی عنایت فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص/۱۴۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد خلافت کے تعلق سے تمام صحابۂ کرام کا حضرت ابوبکر صدیق پر اتفاق ہوا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ اور پھر حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم خلیفہ ہوئے۔ یہ وہی ترتیب ہے جو فضیلت و بزرگی میں ترتیب ہے اور جس پر علمائے اہل سنت کا اجماع ہے کہ سب میں افضل حضرت ابوبکر پھر عمر فاروق پھر عثمان غنی اور پھر علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم۔ یہ بھی تاریخ عالم کا ایک اہم اور روشن باب ہے کہ باوجود اس کے کہ زمانۂ قدیم میں نسلی موروثی حکومت ہوتی تھی خواہ وہ مذہبی، پیشوائی کے لیے ہو یا دنیاوی عنان حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے، سب نسل در نسل، خاندان در خاندان کی وراثت سمجھی جاتی تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی قیادت اور روحانی سلطنت کا جو نظام بنایا تھا، اس میں دینی رہنمائی اور دینی سربراہی کو اپنے خاندان کے ساتھ مختص نہ فرمایا اور نہ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اول خلیفہ نامزد کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلافصل اول خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہوئے، جو بنی تیم سے تھے اور حضرت ابوبکر کے جانشین حضرت عمر فاروق ہوئے، جو بنی عدی سے تھے اور ان کے جانشین حضرت عثمان غنی ہوئے، جو بنی امیہ سے تھے، پھر ان کی قائم مقامی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے کی جو ہاشمی تھے اور خاندان رسول سے تھے، آپ ایسے وقت میں خلیفہ بنے جب کہ صحابۂ کرام میں کوئی عظمت وفضیلت میں آپ سے بڑھ کر اور بار خلافت کو بطریق احسن ان سے زیادہ کوئی انجام دینے والا نہ تھا، آپ کی بیعت ایسے وقت میں ہوئی جو انتہائی نازک دور تھا، مشکلات اور پیچیدگیوں نے ہر چہار جانب سے گھیرا ڈال دیا تھا اور یہ سخت امتحان کا دور تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی

عنہ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا تھا اور افواہوں کا بازار گرم تھا، قیاس آرائیاں شباب پر تھیں، جب کہ حضرت علی اس حادثے سے الگ تھے، ان پر کوئی ذمہ داری نہ تھی، ان کے دامن پر اس خون ناحق کے چھینٹے کا بھی گذر نہ تھا اور آپ اس وقت مدینہ میں موجود بھی نہ تھے، جب آپ کو اس حادثۂ فاجعہ کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''خداوندا! نہ میں اس واقعہ پر راضی ہوں نہ میں نے اس میں کسی طرح کی مدد کی''۔ (ابن عساکر بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی ص/ ۲۴۸)

خلافت کی اسی ترتیب کی وجہ سے کسی کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع نہ مل سکا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اعلی ظرفی تھی جس کی نظیر مذہبی اور غیر مذہبی قوموں میں نہیں ملتی۔

حضرت قیس بن عباد کا بیان ہے: جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے میں نے سنا وہ فرما رہے تھے: ''بار الہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں حضرت عثمان بن عفان کے خون سے بالکل بری ہوں، بلکہ جس روز وہ شہید کیے گئے تھے اس صدمۂ جانکاہ سے میرے حواس مختل ہو گئے تھے، جب لوگ میرے پاس بیعت کے لئے آتے تو میں نے اس وقت بیعت لینے کو سخت ناپسند کیا اور میں نے ان سے کہا: واللہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جس نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا، پھر مزید ندامت کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ ابھی دفن بھی نہیں ہوئے ہیں اور میں بیعت لوں۔'' جب حضرت علی کا دل سکون پذیر ہوا اور قابو میں آیا تو پھر لوگوں کے مطالبے پر بیعت لی اور امیر المومنین کہے جانے پر آپ نے یہ دعا بھی کی ''الٰہی! مجھے عثمان کا بدلہ لینے کا حوصلہ عطا فرما''۔ (تاریخ الخلفاء ص/ ۲۴۹)

فضائل علی رضی اللہ تعالی عنہ

(۱) نجران کے عیسائیوں سے مباہلے کے لیے جو آیتِ کریمہ اتری اور جس میں حکم دیا گیا: ''**فمن حاجک فیہ من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم الآیۃ**'' اس آیت کے حکم کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن نفوس قدسیہ کو لے کر میدان میں فروکش ہوئے تھے، ان میں حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''**اللھم ھٰؤلاء اھل بیتی**'' الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (صحیح مسلم، فضائل صحابہ)

(۲) **الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراوعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**، یعنی جو روز و شب مخفی اور علانیہ طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے یہاں بہت بڑا اجر و ثواب ہے اور نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔

(۳) صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی نے آیت کریمہ ''**ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا**'' اور اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں'' کے ذیل میں اس کا مصداق حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور ان کی کنیز فضہ کو قرار دیا ہے۔

احادیث کریمہ میں تو قدرے تفصیل کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل وارد ہوئے ہیں، بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بقول جتنی احادیث حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

جنگ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کل پرچم اسلام ایسے شخص کے حوالے کروں گا جس کے ہاتھ سے ان شاء اللہ تعالی خیبر فتح ہوگا، وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے راضی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص/ ۲۰۰، بخاری، مسلم)

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضرت علی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے یہاں بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی.**“ **(رواه الترمذی وقال صحیح، غریب)**

کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں جس طرح موسی علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے، فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (تاریخ الخلفاء ص/ ۲۵۵)

بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے اللہ! جو شخص علی سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت فرما اور جو علی سے بغض و عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ“۔ (تاریخ الخلفاء ص/۱۳۲)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالی نے مجھ کو چار آدمی سے محبت رکھنے کا حکم فرمایا اور مجھے یہ بھی اطلاع دی گئی ہے کہ اللہ تعالی بھی اس سے محبت رکھتا ہے اور ان میں سے ایک علی ہے“۔ نیز ترمذی ہی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”**انه منی وانا منه**“، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ (سیر اعلام النبلاص/ ۲۳۰)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا تو حضرت علی کی آنکھیں نم ہوگئیں اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے: ”یارسول اللہ! آپ نے تمام صحابہ کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمادیا مگر میں تو یوں ہی رہ گیا“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہو“۔

علامہ سیوطی نے مسلم کے حوالے سے حضرت علی کی روایت نقل فرمائی کہ انہوں نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم! جس نے دانہ اگایا اور جان پیدا کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن تم سے محبت رکھے گا اور منافق تم سے بغض رکھے گا“ (تاریخ الخلفا ص/۱۳۲)

ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی اور یہ ذکر کیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضی کے لیے دعا کی، حضرت علی کے لیے دعا کے الفاظ یہ ہیں: ”**رحم الله علیا اللهم ادر الحق معه حیث دار.**“ (ترمذی) اللہ تعالی علی پر رحم کرے اے اللہ! حق کو علی کے ساتھ رکھ جہاں بھی وہ رہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے حاکم نے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو ابھی جوان ہوں اور ناتجربہ کار ہوں، یہ سن کر آپ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا: ”**اللهم اهد قلبه وثبت لسانه، فوالذی فلق الحبة ما شککت فی القضاء بین اثنین**“ **(اخرجه الحاکم وصححه)**

الٰہی اس کے قلب کو روشن کر دے اور اس کی زبان میں تاثیر عطا کر دے! حضرت علی فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے حکم سے بیج سے درخت پیدا ہوتے ہیں کہ اس دعا کے بعد سے کبھی مجھے کسی مقدمے کے تصفیہ میں کوئی تذبذب نہیں ہوا۔ (تاریخ الخلفا، ص/۱۳۳)

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم وفہم اور قضایا پر کافی اعتماد تھا اسی لئے عبداللہ ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ میں مقدمات کے فیصلے کرنے اور علم فرائض کے جاننے میں علی ابن طالب سے زیادہ اور کوئی نہیں تھا، انہیں کا قول ہے: ”ہم نے جب بھی حضرت علی سے کسی مسئلے کو دریافت کیا تو انہوں نے ہمیشہ درست جواب عطا فرمایا“۔

حضرت عمر خطاب کا ارشاد ہے: ”حضرت علی کو تین فضیلتیں ایسی ملی ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی مل جاتی تو میرے نزدیک وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہوتی، کچھ لوگوں نے دریافت کیا وہ فضیلتیں کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ان میں پہلی فضیلت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی صاحبزادی حضرت

فاطمہ کا نکاح کیا، دوسری یہ کہ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس مسجد میں سوائے میرے اور تمہارے کسی کے لیے جنبی ہونا حلال نہیں، تیسری خصوصی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں ان کو علم عطا فرمایا۔

(خلفاے راشدین ص/ ۲۵)

جنگ جمل

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ جب شہید کر دیے گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو کافی غم لاحق تھا، جب لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ابھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی تدفین بھی عمل میں نہیں آئی اور میں لوگوں سے بیعت کروں۔

بہر حال شہادت امیر المومنین کے دوسرے دن تمام صحابۂ کرام نے سوائے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت علی متفق علیہ امیر المومنین قرار پائے، مگر ان کی خلافت کے زمانے میں بڑی پیچیدگیاں تھیں، سبائی فرقے نے مسلمانوں میں افتراق وانتشار پھیلانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، ایک طرف اندرونی طور پر دشمنان دین کی ریشہ دوانیاں تھیں، تو دوسری طرف کچھ ایسی اہم شخصیتیں تھیں جو حضرت علی سے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے قتل میں ملوث افراد سے بدلہ لینے کی پر زور تحریک چلا رہی تھیں، اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کا قضیہ ایک ایسا دردناک حادثہ تھا جسے فراموش کرنا مشکل تھا، لیکن حالات حد درجہ پیچیدہ تھے، افواہوں اور قیاس آرائیوں کا بازار گرم تھا، ہر مجلس میں یہی گفتگو موضوع بحث تھی، اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ اس حادثۂ فاجعہ کی کوئی ذمہ داری حضرت علی پر نہ تھی ان کا دامن اس سے بالکل پاک تھا مگر مشکل یہ تھی کہ اس حادثے کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوئی تھی ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی، پھر یہ کہ جو لوگ اس میں ملوث تھے ان کی مکمل شناخت نہیں ہو سکی تھی، حتی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی اہلیہ جو حادثہ کے وقت گھر میں موجود تھیں، ان کو بھی یقینی طور پر

معلوم نہ تھا کہ قاتل کون ہے؟ ایسے ماحول میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالی عنہ شریعت مطہرہ کے آئینے میں کس طرح قصاص لیتے؟ اور کس سے لیتے؟ حالات سنجیدہ ہوتے پھر دعوی وشہادت کے بعد قصاص کا حکم جاری کیا جاتا مگر آپ کو موقع نہ دیا گیا، قصاص کا مطالبہ کرنے والوں میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی تھیں، پھر جب انہوں نے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت دی تو ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لیے تیار ہوئے۔ مگر حضرت عائشہ کا اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح تھا، جہاں سبائی جماعت اور قاتلین عثمان کا گروہ تھا۔ الغرض یہ مسلمانوں کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا اور پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلے میں بے نیام ہونے والی تھیں، اس لیے محتاط حضرات اس میں شرکت کو ناپسند فرماتے تھے، واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت کر لی تو ان کے پاس حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور کچھ صحابہ آئے اور حضرت عثمان کے قتل کا بدلہ لینے اور حدود قائم کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت علی نے فرمایا جن لوگوں کو قتل کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے وہ تنہا نہیں ہیں ان کے ساتھ بہت سے معاون ومددگار ہیں، فی الفور یہ کام انجام دینا نہ قرین مصلحت ہے اور نہ اس انتشار کے وقت میں آسان ہے، حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالی عنہما مکہ مکرمہ گئے، جہاں حضرت عائشہ موجود تھیں، پھر حضرت عائشہ کو لے کر مکہ سے بصرہ آئے اور حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت علی کو ان کی سرگرمیوں کی خبر ملی، تو مدینہ منورہ سے عراق اور وہاں سے بصرہ آئے اور جمادی الآخرہ ۳۶ھ کو فریقین میں مقابلہ ہوا۔

کئی محدثین نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علی نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان کے ماننے والوں سے جنگ کرنے میں پہل نہیں کی، جب اہل جمل نے جنگ شروع کی تو حضرت علی نے ان سے قتال کیا۔

بعض حضرات کا کہنا یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا

جنگ کے لیے نہیں آئیں تھیں بلکہ فریقین میں صلح کے لیے آئی تھیں، مگر قبیلۂ بنوضبہ اور قبیلۂ بنوالازد نے ایسا کرنے نہ دیا اور جنگ شروع کرادی، اس میں فریقین کے تیرہ ہزار افراد شہید ہوئے اور غلبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس جنگ سے بڑی ندامت تھی افسوس کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں:

’’اے کاش! میں یوم الجمل سے پہلے دنیا سے رخصت ہوچکی ہوتی، وہ جب بھی یوم الجمل کو یاد کرتیں تو اس قدر روتیں کہ ان کا دوپٹہ بھیک جاتا تھا، خود سیدنا علی بن طالب رضی اللہ عنہ جب حضرت طلحہ کی نعش پر گئے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور ان کے چہرے پر پڑی ہوئی گرد صاف کرنے لگے۔ آپ نے اس موقع پر یہ بھی کہا کہ ’’کاش اس دن سے بیس برس پہلے میں دنیا سے رخصت ہو چکا ہوتا۔‘‘ (تاریخ اسلام، طبری وغیرہ)

اجتہادی اختلاف

صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے مشاجرات کے بارے میں ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی زبان کو خاموش رکھیں اور ہر ایک کے لیے خیر کا پہلو بیان کریں، کیوں کہ یہ حضرات اپنے صفاے اذہان وقلوب کی بنا پر نفسانی خواہشات کے دلدل سے باہر تھے، خود واقعۂ جمل کے حوالے سے جو صحابہ کے دو گروہوں میں اختلاف ہوا وہ درحقیقت اجتہادی اختلاف تھا، اس کی بنیاد ہرگز نفسانیت پر نہ تھی، معاملہ یہ تھا کہ ایک گروہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے خون کے بدلے وقصاص کا مطالبہ کررہا تھا اور دوسرا گروہ حالات کی سنگینی کی وجہ سے اپنے کو اس سے عاجز سمجھ رہا تھا۔

علامہ ابن حجر نے ’’**الاصابہ فی تمییز الصحابة**‘‘ میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ’’حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ پہلے قصاص کا مطالبہ کرنے والے امیر المومنین ولی امر کی اطاعت کریں، پھر شرعی قانون کی روشنی میں حضرت عثمان کے وارثین خون ناحق کا دعوی پیش کریں اس وقت شریعت مطہرہ کے مطابق حکم نافذ کیا

جائے گا، دوسرے گروہ کا کہنا یہ تھا کہ قاتلوں کا پتہ لگایا جائے اور انہیں بغیر کسی تاخیر کے قتل کردیا جائے، حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ بغیر کسی دعوی ودلیل کے قصاص کا اجرا صحیح نہیں۔ بہرحال دونوں فریق مجتہد تھے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج/۲)

جنگ صفین

جنگ جمل سے فارغ ہوکر جب حضرت علی کوفہ پہونچے تو حضرت امیر معاویہ نے حضرت عثمان غنی کے قصاص کے مطالبے کو لے کر خروج کردیا۔ ان کے ساتھ شام کا بھاری لشکر تھا، حضرت علی کوفہ سے نکلے اور مقام صفین پر ۳۷ھ میں معرکہ آرائی ہوئی اور کئی روز تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر اہل عراق کو شامیوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل ہونے لگی، بلکہ قریب تھا کہ شامی فوج پوری طرح شکست خوردہ ہوجائے۔ حضرت عمرو بن عاص کے غور وفکر کرنے کے بعد شامیوں نے قرآن شریف نیزوں پر بلند کردیے یہ دیکھ کر اہل عراق نے جنگ بند کردی، فریقین سے صلح کے لیے ایک ایک شخص بطور حکم مقرر ہوا، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت معاویہ کی طرف سے عمرو ابن عاص حکم مقرر ہوئے، پھر ایک معاہدہ ہوا جس کے بعد طرفین کے لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس آگئے۔ (تاریخ الخلفا، ص/ ۱۳۵)

حضرت علی کے اقوال زریں

- ’’اے حاملین قرآن! قرآن کریم پر عمل کیا کرو، کیوں کہ عالم وہی شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرے، اور اپنے عمل کو علم کے مطابق بنائے، وہ وقت قریب ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم تو حاصل کریں گے، مگر ان کا علم ان کے حلقوم سے نیچے نہ اترے گا۔‘‘
- ’’بھلائی کی توفیق بہترین رہبر ہے، خوش اخلاقی بہترین دوست ہے، عقل وشعور بہترین ساتھی ہیں، ادب عمدہ میراث ہے، غم واندوہ تکبر سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔‘‘

- ”مسئلہ قدر بہت گہرا سمندر ہے اس میں غوطہ نہ لگاؤ۔“
- ”رنج و مصیبت کبھی ایک مقام پر پہونچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔“

حضرت علی کے علمی وروایتی افادات:

- آیت کریمہ ”**وکان تحتہ کنز لھما**“ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے: ”وہ ایک سونے کی تختی تھی جس میں لکھا تھا: **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔“

تعجب ہے اس شخص پر جسے یہ یاد ہے کہ موت حق ہے، تو وہ خوش کیوں کر ہوتا ہے! تعجب ہے اس شخص پر جسے یہ یاد ہے کہ جہنم حق ہے تو وہ ہنستا کیوں کر ہے! تعجب ہے اس شخص پر جسے معلوم ہے کہ تقدیر حق ہے وہ غم زدہ کیوں ہوتا ہے! تعجب ہے اس شخص پر جو دیکھتا ہے دنیا کو اور دنیا والوں کے ساتھ اس کے تصرفات کو، تو دنیا سے مطمئن کیوں کر ہوتا ہے! (رواہ البیھقی بحوالہ موسوعۃ آثار علی بن ابی طالب، ص/ ۱۲۷)

- آیت کریمہ ”**والزمھم کلمۃ التقوی**“ کی تفسیر میں حضرت علی کا قول ہے کہ کلمہ تقوی سے مراد **لا الہ الا اللہ واللہ اکبر** ہے۔ (رواہ ابن جریر بحوالہ موسوعہ آثار علی ابن طالب ص/ ۱۳۵)
- حضرت علی سے روایت ہے: ”**لو کان الدین بالرأی لکان باطن القدمین احق بالمسح من ظاھرھما ، ولکن رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح ظاھرھما** “ اگر دینی مسائل کی بنیاد رائے پر ہوتی تو قدم کے باطنی حصے پر مسح، ظاہری حصے سے زیادہ بہتر ہوتا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے قدم کے ظاہری حصے پر مسح فرمایا۔ (رواہ عبد الرزاق وابن شیبہ بحوالہ موسوعہ آثار علی ابن ابی طالب، ص/۱۶۲)
- حضرت علی نے جنگ جمل کے موقع پر فرمایا: کوئی آدمی تیر نہ پھینکے نہ نیزے سے زخمی کرے، نہ تلوار مارے نہ جنگ کی شروعات کرے اور فریق مخالف مسلمانوں سے نرمی سے بات کرے، کیوں کہ یہ وہ مقام ہے جو اس میں کامیاب ہوا وہ آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔ (رواہ البیھقی بحوالہ موسوعہ آثار علی بن ابی طالب، ص/۱۴۴)

- اگر کوئی شخص مجھے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما پر فضیلت دے گا تو اس پر افتراء پردازی والی حد جاری کروں گا۔ (موسوعہ آثار علی بن ابی طالب، ص/ ۱۴۵)
- حضرت علی کا قول ہے ہر شی کے لیے ایک آفت ہے، علم کی آفت نسیان ہے، عبادت کی آفت ریا کاری، عقل کی آفت خود پسندی، حلم و بردباری کی آفت ذلت اور حیا کی آفت ضعف ہے۔ (موسوعہ آثار علی بن طالب، ص/ ۱۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے کئی روشن پہلو ہیں کہ آپ فطرت سلیم کے مالک تھے اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ تھے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش مبارک میں آپ نے تربیت پائی تھی، آپ کی پوری زندگی زہد و تقوی کی تصویر تھی، آپ کی زندگی کا ہر پہلو خلق نبوی کا پیکر تھا۔ جس زمانے میں آپ کو عیش وراحت کے سامان میسر رہتے تھے اس زمانے میں بھی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی، آپ فیصلہ کن بات کہتے، ہمیشہ عادلانہ فیصلہ کرتے اور ہمیشہ عادلانہ گفتگو فرماتے تھے، دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے الگ رہتے تھے، دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کرتے: اے دنیا! تو کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں، تیری عمر مختصر اور تیرا مقصد حقیر ہے، افسوس کہ سفر طویل، راستہ وحشت ناک اور زاد سفر تھوڑا ہے۔ حضرت علی ہی کا مشہور مقولہ ہے: ”دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات سلسلۂ تصوف کی اہم کڑی مانی جاتی ہے۔

وفات شریف

خارجی گروہ کی سازش میں شریک ابن ملجم نے چھپ کر حضرت علی پر زہر آلود خنجر سے حملہ کیا، کاری زخم لگائی یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ فجر کی نماز کے لئے نکلے تھے، ۴۰ھ میں آپ کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا، آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ اگر میں اس زخم کے صدمے سے جانبر نہ ہوسکا تو خدا کے حکم کے

مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا اور اگر میں بچ گیا تو اس کے معاملے پر غور کروں گا، اپنے بیٹے حضرت حسن سے فرمایا: اگر میں زخم کی تاب نہ لاسکوں اور انتقال کر جاؤں تو قاتل کو ایک ضرب کے بدلے ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فرمودات

حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

- بارش کا قطرہ، سیپی اور سانپ دونوں کے منہ میں گرتا ہے، سیپی اسے موتی بنا دیتی ہے اور سانپ اسے زہر۔ جس کا جیسا ظرف ویسی اس کی تخلیق ہوتی ہے۔
- کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو! دنیا تم میں نہ رہے۔ کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آجائے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔
- کارخانہ قدرت میں تفکر کرنا بھی ایک عبادت ہے۔
- کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو لاعلمی کا اظہار کر دینا نصف علم ہے۔
- اگر کسی پر بھروسہ کرو تو آخر تک کرو، نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے۔ آخر میں آپ کو ایک سچا دوست ملے گا یا پھر ایک اچھا سبق۔
- جو شخص اپنے احسان کو جتلاتا ہے وہ گویا احسان نہیں کرتا۔
- جب کوئی شخص تجھ سے احسان کرے تو اسے ہمیشہ یاد رکھ اور جب تو کسی کے ساتھ احسان کرے تو اسے بھول جا۔
- جس چیز کو پورا نہ کر سکے اس کا وعدہ نہ کر اور جس چیز کو نبھا نہ سکے اس کی ذمہ داری نہ اٹھا۔
- جس شخص کی امیدیں لمبی اور دراز ہوتی ہیں، اس کے اعمال برے اور خراب ہوتے ہیں۔

- جو شخص دل میں بہت سی امیدیں اور امنگیں رکھتا ہے، وہ اکثر ناخوش رہتا ہے۔
- اپنی امیدوں کو چھوٹا کرو، موت کے اچانک آجانے سے ڈرو اور نیک کام کرنے میں جلدی کرو۔
- موت کو ہمیشہ یاد رکھو مگر موت کی آرزو کبھی نہ کرو۔
- مال کی محبت امیدوں کو پختہ اور مضبوط کرتی، اعمال کو بگاڑتی اور انجام کو خراب کر دیتی ہے۔
- سب سے برا وہ شخص ہے جس کی امیدیں لمبی اور عمل برے ہوں۔
- جب وہ کام پورے نہ ہوں جنہیں تو چاہتا ہے۔ تو ایسے کاموں کا ارادہ کر جو ہو سکتے ہوں۔
- میں نے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔
- ہم لوگ (اہل بیت) نبوت کا درخت، رسالت کے اترنے کی جگہ، فرشتوں کی آمدورفت کا مقام، حکمت کے چشمے اور علم کی کانیں ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں۔ ہمارا محبّ اور مددگار اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار اور ہمارا مخالف اور دشمن اس کے قہر اور عذاب کا سزاوار ہے۔
- جوانوں کو بڑھاپے کا، تندرستوں کو بیماریوں کے آنے کا منتظر رہنا چاہیے۔
- اگر بخل کی صورت نظر آتی تو نہایت بدصورت شخص کی شکل میں دکھائی دیتا۔
- بدزبانی آدمی کی رونق وعزت اور مروت کو کھو دیتی ہے، بدکلام آدمی کی قدر گھٹاتی ہے اور بھائی بندی کو بگاڑ دیتی ہے۔
- اگر پہلی عمر غفلت میں گزری تو جب موت نزدیک آجائے، (بڑھاپا) تو اس وقت ضرور نیک کام کیا کر۔
- جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، وہ اپنے آپ کو حقیر کر لیتا ہے۔

حضرت سیدۃ نساء العالمین

فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

اسم وکنیت والقاب

سیدہ زہرا کا اسم مبارک فاطمہ تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا:

”ان اللہ عزو جل قد فطمها و ذریتها عن النار یوم القیامة“ (۱)

اللہ تعالیٰ روز قیامت فاطمہ اور ان کی اولاد کو جہنم کی آگ سے الگ رکھے گا۔

فطم/یفطم کا لغوی معنی: چھڑانا، الگ کرنا، بچانا اور علاحدہ کرنا ہے، اس کا ایک مصدر فطام ہے جو دودھ چھڑانے کے معنی میں آتا ہے۔

امام علی بن موسیٰ رضا اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إن اللہ فطم ابنتی فاطمة و ولدها و من احبهم من النار فلذلک سمیت فاطمة.“ (۲)

اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ، اس کی اولاد اور ان کے محبین کو جہنم سے دور رکھے گا، اس لیے اس کا نام فاطمہ پڑا۔

سیدہ فاطمہ کی کنیت ”ام ابیہا“ ہے۔ یہ ایک بے حد معنی خیز کنیت ہے۔ اس

کا لفظی معنی ہے ”اپنے باپ کی ماں“۔ یہ کنیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے اس والہانہ تعلق پر دلالت کرتی ہے جس کی انسانی تاریخ میں دوسری کوئی مثال نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ نہ صرف گھر کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت، دلجوئی اور غم گساری کرتی تھیں بلکہ گھر کے باہر بھی آپ کی حمایت وحفاظت کے لئے کوشاں رہتی تھیں۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ظلم وتعدی اور شقاوت وہٹ دھرمی برداشت کر کے تھکے ہارے گھر تشریف لاتے تھے تو سیدہ فاطمہ اپنی ماں کے ساتھ حضور کے لئے راحت رسانی کا سامان کرتیں، ان کے زخموں پر مرہم رکھتیں اور ان کے سر سے گرد وغبار صاف کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ کاشانۂ نبوت میں اس کام کے لئے تنہا رہ گئی تھیں۔ آپ اپنے والد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ شانہ بہ شانہ رہیں، تبلیغ ورسالت کی ابتدا سے انتہا تک رہیں، ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن کر رہیں۔ اور ہمہ وقت ان کی خدمت وغمخواری کرتی رہیں، جس کے نتیجے میں آپ کو یہ بلند مرتبت اور عالیشان کنیت حاصل ہوئی۔

سیدہ فاطمہ کے القاب کا تنوع اور ان کی کثرت دراصل ان کے فضائل کے تنوع اور کثرت کے غماز ہیں۔ سیدہ زہرا کے بعض القاب ہیں:

۱- **الزہراء**- آپ کا یہ سب سے اشہر واز ہر لقب ہے، حتی کہ یہ لقب آپ کے اسم مبارک کا جزو لاینفک بن گیا۔ زہرا کے معنی روشن اور چمکدار کے ہوتے ہیں اور بلاشبہہ آپ کا ظاہر و باطن دونوں اس لقب کا مصداق تھے۔ عرب سرخی مائل گورے رنگ والے کو بھی ازہر کہتے ہیں جس کی مؤنث ’زہراء‘ آتی ہے۔

۲- **البتول**- آپ کا یہ لقب بھی بے حد مشہور ومعروف ہے۔ یعنی دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی طرف یکسو ہونے والی، تبتل کے معنی ہیں: دنیا سے پوری طرح ترک تعلق کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا (”و تبتل إلیه تبتیلا“، مزمل:۸)۔ اس کی ایک وجہ علما نے یہ بیان کی ہے کہ سیدہ فاطمہ دینداری اور آخرت میں رغبت کے معاملے میں اپنے عہد کی تمام خواتین سے ممتاز تھیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ

حسن وشرف ہر دو میں منقطع النظیر تھیں لہٰذا انہیں یہ لقب ملا۔

۳- **الحوراء الإنسيه** – یعنی انسانی حور، یہ لقب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔

”ابنتی فاطمة حوراء آدمية لم تحض ولم تطمث“(۳)

میری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے نہ کبھی اسے حیض آیا نہ یہ کبھی ناپاک ہوئی۔

۴- **ام الائمہ** -یعنی اماموں کی ماں

۵- **الطاہرہ**

۶- **الصدیقہ**

۷- **المبارکہ** وغیرہ وغیرہ

نسب وخاندان

سیدہ فاطمہ کا نسب ہے:

فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں تک اپنا شجرہ بیان فرمایا ہے، اور یہ متفق علیہ ہے کہ جناب عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

والدہ کی طرف سے سیدہ کا شجرۂ نسب یہ ہے:

فاطمہ بنت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی۔ مؤخر الذکر عبدمناف کے بھائی اور قصی بن کلاب کے بیٹے تھے یعنی قصی بن کلاب پر پہنچ کر سیدہ زہراء کا پدری اور مادری نسب مل جاتا ہے۔ جناب قصی بن کلاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد رابع اور سیدہ خدیجہ کے جد ثالث تھے۔ (۴)

سیدہ فاطمہ کا خاندان عظمت نشان اور عرش مکان ہر ذکر و بیان سے بلند و بالا ہے یہ وہ خاندان ہے جس کی محراب شرف کے سامنے ہر قلم سجدہ ریز ہے، ہر زبان عجز کا

شکار، اور ہر نطق بے مائیگی میں گرفتار ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”ان اللہ اصطفی کنانة من بنی اسماعیل، و اصطفی من بنی کنانة قریشا، و اصطفی من قریش بنی ہاشم، و اصطفانی من بنی ہاشم.“(۵)

(اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا اور مجھ کو بنو ہاشم سے منتخب کیا۔)

اور سیدہ فاطمہ نبی مصطفیٰ ومختار کا انتخاب واختیار تھیں صلی اللہ علی ابیہا وعلیہا وسلم۔ قبیلۂ قریش کو جزیرہ نما عرب میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور تمام عربی قبائل قریش کی دینی، سیاسی، اقتصادی اور لسانی برتری کے قائل تھے، پورے جزیرے میں قریش کی سیادت وقیادت غیر متنازعہ فیہ تھی، اور اس برتری کا نتیجہ تھا کہ قریش کی زبان کو پورے عرب میں ”مشترک زبان“ (Lingua Franca) کی حیثیت حاصل تھی۔ مختلف قبائل کے شعرا، قریش کے لہجے میں شاعری کرتے تھے تاکہ پورے عرب میں ان کی شاعری کو سمجھا جا سکے۔ معلقات اور جاہلی شاعری کے لہجۂ قریش میں ہونے کی یہی وجہ ہے نہ یہ کہ اس شاعری کو چونکہ اسلام آنے کے بعد وضع کیا گیا ہے لہٰذا وہ سب کی سب قریش کی زبان میں ہے۔ جیسا کہ مارجلیوتھ وغیرہ مستشرقین نے دعوی کیا ہے۔ (۶)

سقیفۂ بنوساعدہ میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے خلافت کا اپنا دعوی اسی بنیاد پر واپس لیا تھا کہ قبائل عرب قریش کے علاوہ کسی کی قیادت کو قبول نہ کریں گے۔ اور جس طرح قبائل عرب میں قریش کو امتیاز حاصل تھا اسی طرح خاندان بنو ہاشم، قریش میں سب سے نمایاں اور ممتاز تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل بھی اور ہمیشہ سے یہ خاندان بے حد معزز اور باوقار تھا۔

امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا:

”قلبت مشارق الأرض و مغاربها فلم أجد بنی أب أفضل من بنی هاشم.“ (۷)

(میں نے زمین کے تمام اطراف و جوانب کو الٹ پلٹ ڈالا لیکن کسی خاندان کو خاندان بنی ہاشم سے افضل نہیں پایا)

اولاد عبد المطلب اور اہل بیت کے بارے میں جو بھی فضائل وارد ہوئے ہیں وہ سب بھی اس خاندان رفعت نشان کے فضائل کا حصہ ہیں۔

پیدائش

حضرت فاطمہ زہرا کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں کئی روایتیں ہیں۔ ابن عبد البر اور امام حاکم کے مطابق آپ کی ولادت یکم سال نبوی میں ہوئی، اس وقت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس سال تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعثت سے تقریباً سات سال قبل آپ کی ولادت ہوئی (۸)۔ آپ کی ولادت کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی اور یہ معقول نہیں ہے کیونکہ اگر اسے تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سیدہ کی پیدائش کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان تھی۔

مؤرخین اور سوانح نگاروں کی اکثریت کے مطابق آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اس وقت رسول اللہ کی عمر شریف پینتیس سال تھی (۹)

آپ کی ولادت کی یہ تاریخ آپ کی عمر شریف کے سلسلے میں وارد ہونے والی روایتوں سے بھی ہم آہنگ ہے، ان میں سے بیشتر کے مطابق وصال کے وقت آپ کی عمر انتیس سال تھی۔ طبقات ابن سعد میں یہی تاریخ مذکور ہے۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ کی صاحبزادی فاطمہ کی پیدائش کے وقت قریش خانۂ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور یہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔“ (۱۰)

مکی زندگی

بعثت نبوی کے وقت سیدہ فاطمہ کی عمر پانچ سال تھی۔ یہ عمر شعور کی عمر تو نہیں ہوتی ہے، لیکن اس عمر میں بچہ اپنے چاروں طرف ہونے والے واقعات اور حوادث سے متأثر ہوتا ہے بلکہ کسی بچے کی طفولت میں پیش آمدہ وقائع واحداث اس کی فکر کی تعمیر و تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس وقت سیدہ کے گھر میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ رونما ہو رہا تھا، اور کائنات کے سب سے بڑے انقلاب کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔

پانچ سالہ سیدہ فاطمہ گھر میں ہونے والی فکری، عملی اور سلوکی تبدیلیوں کو ملاحظہ کر رہی تھیں۔ وہ اپنے والدین کو سب سے الگ انداز میں عبادت کرتے دیکھ رہی تھیں، وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ایک دن اپنے گھر میں رہنے والے کم عمر بچے علی (کرم اللہ وجہہ) کو بھی اس نئی عبادت میں شریک دیکھتی ہیں۔ سیدہ کو گھر میں ہونے والی ان تبدیلیوں کو جاننے اور سمجھنے کی خواہش بھی رہی ہوگی، اور جلد ہی ان کی اس خواہش کی تکمیل بھی ہوگئی، ان کی برگزیدہ ماں نے انہیں اور ان کی تینوں بہنوں کو جمع کر کے اللہ کی وحدانیت کے بارے میں بتایا۔ شرک کی برائیوں اور قباحتوں کی خبر دی اور انہیں اس بات کی اطلاع دی کہ اللہ واحد نے ان کے بابا جان کو نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ انہیں وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا۔ حضرت فاطمہ اپنی تمام بہنوں کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دیکر ایمان لائیں اور اس طرح سیدہ کا گھر مکے میں اکیلا ایسا گھر تھا جسے توحید کا گھر کہا جا سکتا ہے، دار الایمان قرار دیا جا سکتا ہے، اس گھر کا ہر فرد موحد تھا اور اس منبع توحید اور معدن ایمان و یقین گھر میں سیدہ کی پرورش ہوئی۔ سب سے چھوٹی ہونے کے سبب اپنے والد کریم کو سب سے زیادہ عزیز بھی تھیں۔ آپ کی شکل وصورت اور عادات و اطوار بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مشابہ تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

”ما رأیت أشبه سمتاً ولا دلاً ولا هدیا برسول الله صل الله

علیه وسلم فی قیامها و قعودها من فاطمه بنت رسول الله." (۱۱)

میں نے اٹھنے بیٹھنے کے طریقے اور انداز میں فاطمہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام صاحبزادیوں سے محبت فرماتے تھے لیکن سیدہ سے آپ کو خصوصی تعلق خاطر تھا کیوں کہ آپ ہر دو ظاہر و باطن میں اپنی تمام بہنوں سے ممتاز تھیں بلکہ اپنی صورت اور سیرت دونوں میں اپنے عظیم المرتبت اور جلیل القدر والد کا مکمل پرتو اور کامل نمونہ تھیں۔

سیدہ آٹھ سال کی تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان توحید کی دعوت دینے کا حکم ملا۔ حق کے اعلان کے ساتھ ہی ظلم وستم اور وحشت و بربریت کا طوفان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ طوفان صرف توحید کی مخالفت اور آباواجداد کے مذہب کی حمایت ہی میں نہیں تھا، بلکہ قبیلہ جاتی منافرت اور خاندانی عصبیت بھی اس کا ایک بڑا عامل تھی۔ اور ان سب سے بڑھ کر قریش کے لئے ان کا دین ان کے معاش سے جڑا ہوا تھا۔ پورا عرب حج وزیارت کے لئے مکہ آتا تھا، منی وعکاظ میں بڑے بڑے بازار لگتے تھے۔ بتوں پر چڑھاوے آتے تھے جس سے ان کی زندگیاں عیش وآرام سے گزرتی تھیں، یہ مخالفت کے بڑے محرکات میں سے ایک تھا۔

عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن حرب گہرے دوست تھے۔ جب عباس بن عبدالمطلب کی اصرار وسفارش پر انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تو عباس نے ان سے سوال کیا کہ: اے ابوسفیان! آپ تو بہت سمجھدار اور زیرک انسان تھے آخر آپ بت پرستی کی برائیوں پر مطلع کیوں نہیں ہوسکے، آخر آپ جیسے ذہین وفطین شخص سے یہ حقیقت کیسے اوجھل رہی کہ پتھر کی یہ مورتیاں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ تو ابوسفیان نے عباس بن عبدالمطلب سے کہا تھا:

"أما تعلم یا عباس کانت تلک الآلهة عبادتنا و تجارتنا"

اے عباس! معلوم نہیں کہ پتھر کے وہ بت ہماری عبادت ہی نہیں تھے تجارت بھی تھے۔

مختصر یہ کہ حق کی مخالفت کے پیچھے سیادت، عبادت اور تجارت تینوں عوامل کارفرما تھے۔ اہل مکہ عموماً اور قریش خصوصا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں صف بستہ ہوگئے اور طرح طرح سے ایذارسانی کی کوشش کرنے لگے۔ سیدہ فاطمہ اس عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانیوں اور دکھوں کو محسوس کرتی تھیں۔ اور اپنی استطاعت بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت واعانت کی کوشش فرماتی تھیں۔ لوگ رسول اللہ کے راستے میں اور آپ کے گھر کے سامنے کانٹے اور گندگیاں پھینک جاتے تھے، ننھی سیدہ ان کی صفائی کا کام کرتی تھیں اور گھر کے دوسرے کاموں میں اپنی والدہ کی مدد کرتی تھیں۔ جب پیغمبر خدا دعوت وتبلیغ کی مہمات سے شکستہ دل اور آزردہ خاطر گھر واپس آتے تو آپ ان کی دلجوئی فرماتیں اور اپنے وجود اور اپنی محبتوں سے ان کے غموں کو ہلکا کرتی تھیں۔ بسا اوقات کفار قریش آپ کے سر پر گرد وغبار ڈال دیتے اور آپ کے راستوں میں کانٹے بچھا دیتے جس سے آپ کے قدم مبارک زخمی ہو جاتے تھے۔ گھر پہنچنے پر جناب سیدہ آپ کے بالوں کو صاف کرتیں، زخموں کو دھوتیں اور ان پر مرہم لگاتی تھیں۔

عفت وحیا آپ کا سب سے نمایاں وصف تھا لیکن ہمت وشجاعت کا ورثہ بھی آپ کو ملا تھا، ظاہر ہے کہ آپ اوصاف نبویہ کا پرتو تھیں تو شجاعت آپ کا وصف بن کر سرخ رو کیوں نہ ہوتی۔ آپ کی شجاعت کا ایک مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ نے اپنی کم سنی کے باوجود حرم میں آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور بہانگ دہل کفار قریش کی مذمت کی۔ یہ اسلامی تاریخ کے مشہور واقعات میں سے ایک ہے۔

ہوا یوں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کافران قریش کی متعدد ٹولیاں بھی ادھر ادھر بیٹھی ہوئی تھیں۔ سب ایک دوسرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابھارنے کی کوشش کر رہے تھے چنانچہ جب ایک بار آپ سجدے میں تشریف لے گئے تو عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی پشت مبارک پر

اوجھڑی وغیرہ گندگی کا ڈھیر لا کر ڈال دیا جس کے وزن سے آپ حالت سجدہ میں ہی باقی رہ گئے، یہ منظر دیکھ کر قریش کے اوباشوں نے خوب قہقہے لگائے، کسی نے یہ خبر سیدہ فاطمہ کو دی تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور ان آوارہ گردان قریش کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے غلاظت کو ہٹایا اور پھر ان ظالموں کی طرف رخ کر کے انہیں خوب سخت وسست کہا۔ (۱۲)

سیدہ فاطمہ گیارہ یا بارہ سال کی تھیں جب کفار قریش نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین ومعاونین کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کیا جائے۔ یہ فیصلہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف قریش کے غصے، ان کی مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ یہ ظالمانہ بائیکاٹ تین سال تک چلا اس عرصے میں سیدہ فاطمہ اپنے والدین اور افراد خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب نام کی ایک گھاٹی میں محصور رہیں۔ بائیکاٹ اتنا شدید تھا کہ بنو ہاشم بعض اوقات دانے دانے کو محتاج ہو جاتے تھے۔ اہل مکہ نہ بنو ہاشم کے ساتھ کوئی خرید وفروخت کرتے تھے اور نہ باہری لوگوں کو ان کے ہاتھ کچھ بیچنے دیتے تھے۔ تین سال کا یہ عرصہ سیدہ فاطمہ اور ان کے خاندان پر بے حد شاق اور اکثر بھوک و پیاس کی حالت میں گزرا۔ بعض روایات کے مطابق محصورین کو کبھی کبھی پیڑ کے پتوں، چھالوں اور چمڑوں پر گزارا کرنا پڑا۔

اس حصار میں بنو ہاشم کے سبھی لوگ تھے سوائے ابولہب اور اس کے گھر والوں کے، اس میں بنو ہاشم کے سربراہ ابو طالب تھے جن کی عمر اس وقت اسی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ سیدہ خدیجہ تھیں جو اپنی عمر کی چھٹی دہائی سے گزر رہی تھیں اس میں فاطمہ تھیں، جو ہنوز کھیلنے والی عمر میں تھیں لیکن یہ کھیل کے لئے نہیں پیدا ہوئی تھیں بلکہ ان کی تخلیق صبر واستقامت اور تسلیم ورضا کا نمونہ بننے کے لئے ہوئی تھی۔ سیدہ نے یہ تین سال بے حد تکلیفوں میں گزارے ان کا پورا گھرانا بھی صبر ورضا کے اس امتحان گاہ میں موجود تھا سوائے زینب کے جو اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں ہی تھیں اور رقیہ کے جو حبشہ میں تھیں رضی اللہ عنہم۔

اس محاصرے میں صرف بھوک و پیاس ہی مسئلہ نہیں تھا بلکہ جان کا بھی خوف رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق و مونس چچا جناب ابو طالب کبھی رسول اللہ کو اپنے بستر پر سلاتے اور کبھی ان کے بستر پر اپنے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو سونے کا حکم دیتے۔ اسی حصار میں سیدہ فاطمہ نے اپنی دوشیزگی کے ایام گزارے جہاں ان کا جسم تو ضرور کمزور ونحیف ہوا لیکن انکا ایمان پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم ہوا۔ اس ظالمانہ بائیکاٹ کا سلسلہ ایک معجزے کے ظہور کے ساتھ ختم ہوا لیکن حصار کے خاتمے کے فوراً بعد جناب ابوطالب اور سیدہ خدیجہ دونوں کا انتقال ہو گیا۔ یہ رسول خدا اور ان کے اہل خانہ کے لئے سب سے جاں گسل اور الم ناک حادثہ تھا، دونوں کا انتقال صرف پینتیس دن کے وقفے میں پیش آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان وفیات کا ایسا اثر ہوا کہ بقول راویان سیرت:

”لزم بیته...... و أقل من الخروج“ (۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کو لازم پکڑ لیا اور باہر تشریف لے جانا کم کر دیا۔

اس کا ایک سبب تو سیدہ خدیجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت تھی اور اسی گھر کے در و دیوار سے سیدہ خدیجہ کی یادیں وابستہ تھیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں:

”ما غرت علی امرأة النبی صلی الله علیه وسلم ما غرت علی خدیجة، هلکت قبل أن یزوجنی، لما کنت اسمعه یذکرها، و أمره الله أن یبشرها ببیتٍ من القصب و إن کان لیذبح الشاة فیهدی فی خلائلها منها ما یسعهن.“ (١٦)

میں نے رسول اللہ کی کسی اہلیہ سے ایسا رشک محسوس نہیں کیا جیسا رشک مجھے خدیجہ سے تھا، حالانکہ ان کا انتقال میری شادی سے پہلے ہو گیا تھا، کیونکہ رسول اللہ ان کا کثرت سے ذکر کرتے تھے، اور اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ خدیجہ کو بشارت دے

دیں کہ ان کے لئے جنت میں خولدار موتیوں کا گھر ہے، اور آپ جب بھی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو ان میں سے اتنا گوشت دیتے جو ان کے لئے کافی ہوتا۔

دوسرا سبب اپنے بچوں بالخصوص سیدہ فاطمہ کی دل جوئی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ کے ساتھ ان کی والدہ کا ذکر کرتے بلکہ مذاکرہ کرتے، دونوں حضرات حضرت خدیجہ کی یادوں کا تبادلہ کرتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سابقۃ الاسلام علی الاطلاق خدیجہ کبری کی خدمات کا ذکر کرتے، ان کے صبر واستقامت کے واقعات سناتے، ان کے جہاد اور قربانی کے قصے بیان کرتے اور ان کے مقام ومرتبے کی خوشخبریاں دے کر سیدہ فاطمہ کو دلاسہ دیتے، انہیں بتاتے کہ:

’’اللہ تعالٰی ان کی ماں کو جنت میں موتیوں کا ایسا شاندار محل دے گا جس میں نہ کوئی شور وشغب ہوگا نہ تکلیف وتکان۔‘‘

شفیق ماں کی جدائی سیدہ فاطمہ کے لئے ایک بے حد اندوہ ناک واقعہ تھا لیکن سیدہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے غم سے بڑا غم، انسانیت کے غمخوار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جنہوں نے گھر کے باہر جناب ابوطالب کی شکل میں ایک معین ومددگار اور گھر کے اندر سیدہ خدیجہ کی صورت میں ایک شجر سایہ دار کھو دیا ہے، لہٰذا سیدہ اپنا غم بھول کر رسول اللہ کی دل جوئی اور تسکین خاطر میں لگ گئیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگساری کرتیں، ان کے آرام و راحت کا خیال رکھتیں اور ان کی تکلیفوں کا مداوا کرتیں۔ آپ کے اس عظیم کردار کے سبب آپ کو ’’أم أبیھـــــا‘‘ کی کنیت حاصل ہوئی۔ (١٦)

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ کی حیات مبارکہ کے تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت ومعیت میں گزرے۔ مظہر صفات ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت وتربیت سے سیدہ زہرا صفات نبوی کا پیکر بن گئیں۔ ان کے علو درجات میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ سیدہ نساء العالمین کے درجے پر فائز ہو گئیں۔

ہجرت

رفتہ رفتہ مکے کی سرزمین اسلام اور مسلمانوں پر تنگ ہوتی گئی، کفار قریش کی شقاوتوں میں کوئی کمی نہیں آئی نہ ان کے دلوں میں کچھ نرمی پیدا ہوئی، آخرش اللہ تعالٰی نے مدینہ کی شکل میں مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ عطا فرما دی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ مسلمان خفیہ طور پر اور انفرادی و اجتماعی دونوں شکل میں مدینہ ہجرت کرنے لگے۔ قریش مسلمانوں کو ایک پرامن جگہ ملنے پر سخت برافروختہ ہوئے۔ نتیجے میں مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر ظلم وستم اور تیز ہو گیا، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے بھی تھے۔

خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہجرت کے لئے حکم الٰہی کا انتظار کر رہے تھے اور بعثت کے تیرہویں سال وہ ساعت منتظرہ آ ہی گئی۔ ایک طرف کفار قریش مکے کے دار الندوہ میں بیٹھ کر مکر وسازش کر رہے تھے، دوسری طرف اللہ کی خفیہ تدبیریں اپنا کام کر رہی تھیں۔ ایک طرف رحمت عالم کو معاذ اللہ قتل کرنے کا پروگرام بن رہا، تھا دوسری طرف ہجرت کا حکم آ رہا تھا۔ ایک طرف شب میں کاشانہ نبوت پر حملہ کرنے کی تیاری ہو رہی تھی، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لئے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ یہ ایک غیر معمولی رات تھی۔ یہ رات صرف اسلام کی تاریخ میں نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تاریخ میں ایک خط فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ سیدہ فاطمہ بھی اس رات کی ایک گواہ تھیں، بلکہ اس کا ایک کردار بھی تھیں۔ سیدہ حضور کو ہجرت کی تیاری کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، اور ان کا تعاون کر رہی تھیں، ننگی تلواروں کے ساتھ کفار کو کاشانۂ نبوت کا حصار کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ حضرت علی کو بستر نبوت پر لیٹے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ امید وبیم کی عجب کیفیت تھی۔

سیدہ نے یہ پرخطر رات گزاری۔ اگلے دن رسول اللہ کے پاس لوگوں کی امانتوں کو واپس کرنے میں حضرت علی کی مدد کی۔ تین دن کے بعد حضرت علی نے بھی

ہجرت فرمائی کاشانۂ نبوت میں سیدہ کے علاوہ حضرت ام کلثوم اور ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ تھیں۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچ جانے کی اطلاع نہیں آئی حضرت فاطمہ کے شب و روز بے حد بے قراری میں گزرے۔

سیدہ فاطمہ اپنے محبوب والد سے ملاقات کی بشارت لانے والے قاصد کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھیں۔ آخر کار ہجر کے دن ختم ہوئے اور ہجرت کا دن آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع کو مکہ روانہ کیا تاکہ وہ دونوں سیدہ فاطمہ اور دوسری خواتین کو مدینہ لے آئیں۔ یہ نورانی قافلہ ام القریٰ سے مدینۃ الرسول کے لئے نکلا۔ لیکن یہ سفر بھی سلامتی کے ساتھ طے نہیں ہوا۔ سیدہ کے عروج و عظمت کا سفر جاری تھا، لہٰذا ضروری تھا کہ آلام و مصائب کا سفر بھی جاری رہے۔ ایذا رسانی کی نیت سے چند لعینوں نے اس قافلے کا تعاقب کیا اور حویرث بن نقیذ بن وہب نامی ازلی بدبخت نے اس اونٹنی کو برانگیختہ کر دیا جس پر سیدہ فاطمہ اور حضرت ام کلثوم سوار تھیں چنانچہ یہ دونوں زمین پر گر گئیں اور زخمی ہو گئیں۔ حویرث مکے میں بھی رسول اللہ کی ایذا رسانی میں آگے آگے رہتا تھا۔ آخرت کے عذاب و رسوائی کے ساتھ ساتھ اسے دنیا میں بھی اس بدعملی کی سزا ملی اور یہ بھی ان چند لوگوں میں سے تھا جن کے لئے رسول رحمت نے فتح مکہ کے دن سزائے موت تجویز کی تھی، خواہ یہ لوگ غلاف کعبہ سے لپٹے ہوئے کیوں نہ پائے جائیں۔ چنانچہ حویرث سید فاطمہ کے شوہر نامدار حیدر کرار کے ہاتھوں واصل فی النار ہوا۔ (۱۷)

مدنی زندگی

ہجرت کے بعد سیدہ زہرا مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق کے سبب امہات المؤمنین بھی ان کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ سیدہ زہراء کے اخلاق و کردار، عبادت و ریاضت اور رسول اللہ سے ان کی مشابہت نے انہیں اہل بیت اور مہاجرین و انصار میں بے حد معزز اور محترم بنا دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جیسا

استثنائی معاملہ کرتے تھے کسی کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔ وہ کسی کی طرح نہیں تھیں کوئی ان کی طرح نہیں تھا لہٰذا ان کے ساتھ رسول کا سلوک بھی مختلف تھا۔ وہ عام لوگوں کی طرح نہیں تھیں وہ حوراء انسیہ تھیں، انسانی حور تھیں دوسروں سے مختلف کیوں نہ ہوتیں وہ سیدہ نساء العالمین تھیں دوسری عورتوں سے الگ کیوں نہ ہوتیں، وہ کائنات کی صرف چار کامل عورتوں میں سے ایک تھیں دوسروں سے ممتاز و منفرد کیوں نہ ہوتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی محبت سیدہ سے فرماتے تھے کسی سے نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (۱۸)

زواج

حضرت فاطمہ کی شادی کے وقت عمر سے متعلق کئی روایتیں ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق شادی کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی۔ (۱۹)

بعض تاریخی روایات میں شادی کے وقت آپ کی عمر اس سے بھی کم تھی۔

اگر مشہور روایت کے مطابق دیکھا جائے تو اٹھارہ سال کی عمر اس عہد کے رسوم و عادات سے ہم آہنگ نہیں ہے، اور اس عہد میں شادی کی مالوف عمر سے کافی زیادہ ہے۔ بعض مستشرقین نے اس کو لے کر بے حد افسانہ طرازی سے کام لیا ہے اور بے حد ناقابل قبول دعوے کیے ہیں۔ جبکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جب سیدہ بڑی ہوئیں تو اسلامی تبلیغی دعوت کا سفر ایک بے حد خطرناک موڑ سے گزر رہا تھا، قریش کی مخالفت اوج شباب پر تھی شعب ابی طالب میں تین سال کا عرصہ صرف جہد للبقاء کے نذر ہو گیا۔ حصار کے بعد بھی مصائب کا سلسلہ دراز رہا۔ جناب ابو طالب اور سیدہ خدیجہ کی مفارقت کے واقعات پیش آئے۔ اس عرصے میں کفار کی ریشہ دوانیاں بھی بہت بڑھ گئی تھیں۔ مکے سے مسلمان یا تو ہجرت کر گئے تھے یا سلامتی و بقا کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ مکے میں بچنے والے مسلمان اتنے غریب و نادار تھے کہ شادی کی

استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ غیر مسلموں سے مصاہرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، پھر ہجرت کی مصروفیت اور پس ہجرت مدینے میں استقرار کی مشغولیت کا طویل سلسلہ رہا۔ یہ تھا وہ پس منظر جو بظاہر سیدہ کی شادی میں تاخیر کا سبب بنا۔ مستشرقین کی اس ضمن میں پیش کردہ توجیہات قواعد استدلال اور اصول بحث و تحقیق کی صریح خلاف ورزی ہیں۔(۲۰)

ایک توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ چونکہ مشیت نے تاجدار ھل اُتی علی مرتضی کو حضرت فاطمہ کے لئے منتخب کیا تھا جو حضرت فاطمہ سے صرف پانچ سال بڑے تھے۔ لہٰذا ان دونوں میں سے کسی ایک کی عمر اس معاشرے میں شادی کی مالوف و مروج عمر سے مختلف ہونی ہی تھی۔

متعدد روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ فاطمہ کے ساتھ اپنا رشتہ دیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں حکم الٰہی کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر حضرت عمر نے رشتہ دیا تو اللہ کے رسول نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔ پھر لوگوں نے حضرت علی سے رشتہ دینے کو کہا تو آپ نے ان کے رشتے کو قبول فرمالیا۔ آپ نے حضرت فاطمہ سے بھی اس رشتے کے بارے میں استصواب کیا۔ دولابی کے بقول سیدہ خاموش رہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے ساتھ انکا نکاح فرمایا۔(۲۱) بعض روایات کے مطابق حضرت علی کے ساتھ سیدہ فاطمہ کی شادی حکم الٰہی کے مطابق ہوئی تھی۔ ذخائر العقبی میں ان روایتوں کے لئے باضابطہ دو عنوان لگائے گئے ہیں:

۱- ”**ذکر أن تزویج فاطمة علیا کان بأمر اللّٰه**“ (اس بات کا ذکر کہ حضرت علی کے ساتھ فاطمہ زہراء کی شادی اللہ کے حکم سے تھی)

۲- ”**ذکر تزویج الله فاطمة علیا فی الملا الأ علی بمحضر من الملائکة**“ (اس چیز کا ذکر کہ اللہ نے ملأ اعلیٰ میں اور فرشتوں کی موجودگی وحاضری میں حضرت علی کے ساتھ فاطمہ زہرا کی شادی کی)(۲۲)

امام نسائی کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول پہلے ہی حضرت علی سے وعدہ فرما چکے تھے کہ وہ حضرت فاطمہ کی شادی ان سے کریں گے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے رشتہ دیا تو آپ نے انہیں منع فرما دیا اور حضرت علی سے فرمایا۔

”**ھی لک یا علی ولست بدجال**“(۲۳)

اے علی! یہ تمہارے لئے ہیں اور میں جھوٹا نہیں ہوں۔

شادی کی توقیت کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں، ان میں سے چند کو امام سیوطی نے نقل کیا ہے۔ ابن مندہ کی روایت کے مطابق یہ شادی ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی اور اس کے ایک سال بعد جناب سیدہ کی رخصتی ہوئی۔ ابن سعد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد رجب میں شادی ہوئی اور غزوۂ بدر کے بعد رخصتی ہوئی۔ امام سیوطی کے نقل کردہ ایک اور قول کے مطابق غزوہ احد کے بعد آپ کا نکاح ہوا۔(۲۴)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب اشراف قریش نے حضرت فاطمہ سے رشتے بھیجے تو مجھ سے میری خادمہ نے کہا آپ کیوں اپنا رشتہ نہیں دیتے۔ میں نے اس سے کہا: میرے پاس کیا ہے کہ میں رشتہ دوں، اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول کے پاس جائیے تو وہ آپ ہی سے فاطمہ کی شادی کریں گے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ وہ خادمہ لگاتار امید دلاتی رہی حتی کہ میں ایک دن اس غرض سے رسول اللہ کے پاس پہنچا اور جا کر بیٹھ گیا، حضور کی بارگاہ کے ہیبت وجلال کے سبب میں عرض مدعا نہیں کر سکا، حضور نے خود مجھ سے فرمایا: فاطمہ کے لئے اپنا رشتہ لائے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں، حضور نے پوچھا مہر کے لئے کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ نہیں ہے تو حضور نے فرمایا: تمہاری وہ ڈھال کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا میرے پاس ہے...... رسول اللہ نے اسی ڈھال (کی قیمت) کو مہر مقرر کر کے حضرت علی سے سیدہ کی شادی کر دی۔(۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کو بلایا اور فرمایا:

’’فقد انکحتک أحب أهل بیتی إلیّ(۲۶)

میں نے تمہارا نکاح اس سے کیا ہے جو مجھے اپنے خاندان میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔

جب اپنے نکاح کو سن کر حضرت فاطمہ رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

’’مالک تبکین یا فاطمة، فوا لله لقد أنکحتک أکثرهم علماً و أفضلهم حلما و أولهم سلما‘‘ (۲۷)

کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو فاطمہ، بخدا میں نے تمہاری شادی اس سے کی ہے جو سب سے زیادہ علم والا ہے، برد باری میں سب سے افضل ہے اور سب سے پہلے اسلام لانے والا ہے۔

آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ تھوڑا پانی لاؤ، حضرت فاطمہ ایک برتن میں پانی لے کر حاضر ہوئیں، آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا، سیدہ فاطمہ کے سر اور بدن پر اس پانی سے چھینٹے مارے اور فرمایا:

’’اللهم أعیذ ها بک و ذریتها من الشیطان الرجیم‘‘

اے اللہ! میں اس کو اور اس کے بچوں کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

پھر آپ نے سیدہ کی پشت پر بھی اپنے لعاب آمیز پانی کے چھینٹے دیئے اور مذکورہ بالا دعا پڑھی بعد ازیں حضرت علی کے ساتھ بھی یہی عمل کیا۔(۲۸)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور حکم دیا کہ جاؤ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور کچھ انصار کو بلا لاؤ، رضی اللہ عنہم۔ جب سب لوگ آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دوں تو تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے چار سو مثقال چاندی کی مہر کے بدلے فاطمہ کو علی کے نکاح

میں دیا بشرطیکہ علی اس کے لئے راضی ہوں۔۔۔اسی درمیان حضرت علی محفل میں داخل ہوئے جو پہلے سے وہاں موجود نہیں تھے، اللہ کے رسول نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور وہی بات دہرائی جو صحابہ کرام سے کہہ چکے تھے تو حضرت علی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں راضی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جمع الله شملکما و أسعد جدکما و بارک علیکما و أخرج منکما کثیراً طیبا‘‘ (۲۹)

اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اتفاق و اتحاد سے رکھے، تمہاری خوش بختیوں میں اضافہ کرے، تمہیں برکتوں سے نوازے اور تمہیں کثرت سے نیک اولاد عطا کرے۔

اللہ کے رسول نے اپنی چہیتی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے کی جو اللہ و رسول سے محبت کرنے والا تھا اور جس سے اللہ و رسول بھی محبت فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی شادی کا ولیمہ بھی بڑے دھوم دھام سے کیا۔ تمام مہاجرین و انصار کو اس میں مدعو کیا گیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ: اس زمانے میں علی اور فاطمہ کے ولیمے سے اچھا کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی میں حاضر ہوا تھا میں نے کبھی اس سے بہتر شادی نہیں دیکھی گھر کو خوشبوؤں سے آراستہ کیا گیا تھا اور کھجور و منقی سے ہماری ضیافت ہوئی تھی۔(۳۰)

امام ابن ماجہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمٰی سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا: ہم نے فاطمہ کی شادی سے اچھی شادی نہیں دیکھی۔(۳۱)

سیدہ فاطمہ کی شادی کے وقت رسول اللہ نے ان کو نئی زندگی شروع کرنے کے لئے کچھ گھریلو چیزیں دی تھیں جن میں: پانی کی چھاگل، آٹا پیسنے کی چکی، ایک تکیہ، دو مشکیں تو شک وغیرہ تھیں۔(۳۲)

لیکن اسے روایتی جہیز نہیں سمجھنا چاہیے عربی میں جہیز یا جہاز تیاری کے سامان کو کہتے ہیں حتی کہ مردے کی آخری تیاری کو تجہیز کہتے ہیں۔ جس کا لفظی معنی جہیز دینا ہے۔ لہٰذا اس لفظی مناسبت کے سبب روایتی جہیز کے جواز کی گنجائش نکالنے کی

کوشش نہیں ہونا چاہیے، نہ جہیز کی سنیت کی بات کرنا درست ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدہ فاطمہ کے تمام سوانح نگاروں نے ان کی شادی کو خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ ہم ان کی حیات کے کسی گوشے کو اتنی تفصیل سے نہیں جانتے جتنی تفصیل سے ان کی شادی کو جانتے ہیں۔ کتب احادیث وسیرت میں غالباً انہیں کی شادی کو ہی مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ امام سیوطی کا رسالہ ”الثغور الباسمہ فی مناقب فاطمہ“ پانچ اوراق کا رسالہ ہے جس میں تقریباً آدھے میں صرف حضرت فاطمہ کی شادی کا ذکر ہے۔ دراصل اس توجہ اور اہتمام کی کئی وجہیں ہیں:

۱- یہ شادی بحکم خداوندی ہوئی تھی۔

۲- حبیب خدا کے دو محبوبوں کی شادی تھی اور کئی اشراف قریش کے رشتوں کو چھوڑ کر ہوئی تھی۔

۳- اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کو آگے بڑھایا۔

حدیث شریف ہے:

”إن الله جعل ذرية كل نبی فی صلبه و جعل ذريتی فی صلب علی ابن ابی طالب“ (۳۳)

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد کو اس کے صلب میں بنایا لیکن میری اولاد کو علی کی صلب میں بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے نسب کو اپنا نسب قرار دیا، امام طبرانی فرماتے ہیں:

”الناس من شجر شتی، و أنا و علی من شجرة واحدة“ (۳۴)

لوگوں کے مختلف نسب ہیں، لیکن میں اور علی ایک نسب سے ہوں۔

٦- یہ شادی **”إنا اعطيناک الكوثر“** کا تفسیر ومظہر تھی کیوں کہ کوثر کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد حضرت فاطمہ کی اولاد ہے، جنہیں رسول اللہ نے

اپنی اولاد کہا ہے۔ یہ تھے وہ چند اسباب جن کی وجہ سے اس شادی کو اس قدر اہمیت اور ایسا غیر معمولی اہتمام حاصل ہوا۔

کاشانۂ نبوت سے کاشانۂ ولایت میں

شادی کے بعد سیدہ فاطمہ حضرت علی کے گھر میں منتقل ہوگئیں، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں ایک گھر میں منتقل ہو گئے یہ گھر بھی رسول اللہ کے گھر سے ملا ہوا تھا۔ درمیان میں کھڑکیاں بھی تھیں۔ حضرت فاطمہ کی زندگی بھی حسب سابق تنگ دستی اور بے سروسامانی والی تھی، چکی، چلاتے چلاتے ہاتھ پھٹ گئے تھے اور مشکیزہ اٹھاتے اٹھاتے کاندھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ یہ سیدة نساء العالمین تھیں جن کی رضا اللہ کی رضا اور جن کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے۔ جو سردار انبیاء کی بیٹی، سردار عرب کی بیوی اور جنتی نوجوانوں کے سردار کی ماں تھیں۔

حضرت علی اور رسول اللہ کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے اور بھی بہت سے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، ایک دن اللہ کے رسول نے حضرت علی کے دروازے کو چھوڑ کر مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں نے چہ می گوئیاں کیں تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میں نے در علی کو چھوڑ کر جو سارے در بند کرائے ہیں تو یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ (۳۵)

مشہور روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آئے ہیں جاؤ تم بھی ایک خادم مانگ لو تا کہ گھر کے کاموں میں کچھ آسانی ہو جائے، حضرت فاطمہ حضور کے پاس گئیں لیکن حیا مانع آئی اور سوال کیے بغیر واپس آ گئیں۔ تبارک اللہ! ایسے محبت کرنے والے والد سے ایسی شدید حاجت کے بارے میں حیا کرنا صرف سیدہ فاطمہ کی شان ہے:

دوبارہ حضرت علی ساتھ گئے اور حاجت بیان کرنے میں ان کی ترجمانی کی، تو رسول اللہ نے اہل صفہ کی حاجت کا حوالہ دے کر خادم دینے سے انکار کر دیا۔ بعد

میں رسول اللہ ان کے گھر آئے اس وقت یہ نورانی جوڑا ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھا کہ اگر سر بند کرتا تو پیر کھل جاتے اور اگر پیر بند کرنے کی کوشش کرتا تو سر برہنہ ہو جاتا ، اللہ کے رسول کو آتا دیکھ کر یہ اٹھنے لگے تو اللہ کے رسول نے انہیں اٹھنے کے منع کیا اور فرمایا کہ: ’’تم لوگوں نے جو مانگا تھا اس سے بہتر چیز عطا کرنے آیا ہوں۔ یہ چند کلمات ہیں جو جبریل نے مجھے بتائے ہیں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمدللہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھا کرو اور جب سونے کے لئے بستر میں جاؤ تو سبحان اللہ تینتیس بار الحمدللہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو۔‘‘ (۳۶)

یہی تسبیح فاطمہ ہے، ایک نادر و نایاب آسمانی تحفہ جو سیدہ فاطمہ کے صدقے میں امت کو ملا۔

کاشانۂ ولایت میں اگرچہ روحانی مسرتوں کا سمندر موجزن تھا لیکن مادی راحتیں ہمیشہ اس سے دور رہیں۔ حضرت علی کو نہ ان کی طلب تھی نہ ان کے حصول کی فرصت۔ اللہ کی عبادت، رسول کی خدمت اور دین کی نشر و اشاعت سے انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ وہ مال و دولت یا آرام و راحت کے بارے میں سوچنے کو وقت نکالیں۔ صرف چار چیزیں ان کی ملکیت تھیں: ایمان، علم، دل اور ذوالفقار، چنانچہ سیدہ فاطمہ کی زہد و تقوی کی زندگی جاری و ساری رہی۔ وہ ظاہر شکل و صورت اور چال و ڈھال میں اللہ کے رسول کے سب سے زیادہ مشابہہ تھیں اس کا تقاضا تھا کہ کیفیت و حالت میں بھی یکسانیت رہے تا کہ مشابہت مکمل ہو جائے۔

ایک دن حضرت بلال صبح کی نماز میں تاخیر سے آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر کا سبب پوچھا تو عرض کیا کہ: میں آتے وقت فاطمہ کے قریب سے گزرا تو وہ چکی پیس رہی تھیں اور ان کا بچہ رو رہا تھا میں نے ان سے کہا کہ کوئی ایک کام مجھے دیجئے، تو یا رسول اللہ میں ان کا آٹا پیسنے لگا تھا لہٰذا تاخیر ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تم نے فاطمہ پر رحم کیا اللہ تم پر رحم کرے۔‘‘ (۳۷)

دنیا کی راحت سے قطع نظر سیدہ فاطمہ کو اپنے شوہر کی پوری توجہ اور محبت حاصل تھی۔ اس زمانے میں تعدد ازواج عام بات تھی لیکن حضرت علی نے سیدہ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ ایک بار حضرت علی نے ارادہ کیا کہ دوسرا عقد کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سختی سے اس سے منع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور فاطمہ کے ساتھ بے حد خوش رہتے تھے دونوں کو نرمی اور آپسی محبت کی تعلیم دیتے تھے اور بتقضائے بشریت اگر کبھی آپس میں کچھ شکررنجی ہو جاتی تھی تو آپ مصالحت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ حضرت فاطمہ کے گھر میں رنجیدہ داخل ہوئے اور شاداں و فرحاں باہر واپس آئے کسی نے پوچھا تو فرمایا:

’’ما یمنعنی ، و قد أصلحت بین اثنین احب إلی.‘‘

میں کیوں نہ مسرور ہوں ، میں نے اپنی دو محبوب ترین ذاتوں کے درمیان صلح کرائی ہے۔

ایک بار سیدہ کسی بات سے ناراض ہو کر حضور کے پاس شکایت کرنے آئیں حضرت علی بھی پیچھے پیچھے تشریف لائے۔ سیدہ نے رسول اللہ سے ان کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کی دلجوئی فرمائی اور انہیں صبر کی تلقین کی پھر حضرت علی نے سیدہ سے کہا:

’’واللہ لا آتی شیئا تکرھینه‘‘

بخدا اب ایسا کچھ نہ کروں گا جو تمہیں ناپسند ہو۔

ابن سعد نے ایسے کئی واقعات نقل کیے ہیں۔ (۳۸)

اللہ کے رسول کی عادت کریمہ تھی کہ جب کہیں سے مدینے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں داخل ہو کر نماز ادا کرتے پھر سیدہ کے گھر تشریف لاتے اور ان سے ملنے کے بعد اپنے گھر جاتے تھے۔ یہ سیدہ سے آپ کی غیر معمولی محبت کی دلیل ہے۔

غزوات میں شرکت

سیدہ فاطمہ غزوہ احد میں موجود تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ نے ہی ان کی تیمار داری فرمائی۔ امام بخاری حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی اپنے ترکش میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رسول اللہ کا چہرہ دھلا رہی تھیں اور خون صاف کر رہی تھیں لیکن خون بند ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا تھا تو سیدہ نے ایک چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ کو زخموں پر رکھ دیا جس سے خون بہنا بند ہو گیا۔

سیدہ فاطمہ نے فتح مکہ میں بھی شرکت فرمائی۔ اس موقع پر آپ آٹھ سال بعد مکہ آئی تھیں۔ یادوں کا ہجوم ان کے ہم رکاب تھا۔ نبی کریم کا مکہ میں قیام بھی سیدہ خدیجہ کے مرقد کے قریب تھا جس نے ماضی کی یادوں کی رفتار کو تیز تر کر دیا تھا۔

حتی کہ پہلی رات آپ نے ماضی کی یادوں کے ساتھ گزار دی جب حضرت علی نماز کے لئے بیدار ہوئے تو آپ جاگ رہی تھیں۔ سیدہ نے حرم کی زیارت کی، والدہ کی قبر پر حاضر ہوئیں اور ایک روایت کے مطابق اپنے گھر بھی گئیں جو اس وقت عقیل بن ابی طالب کے تصرف میں تھا۔ سیدہ دو ماہ تک مکہ مکرمہ میں رہیں۔ (۴۰)

اولاد امجاد

حضرت فاطمہ کی پانچ اولاد تھیں، تین بیٹے: حسن، حسین اور محسن، حضرت محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔

دو بیٹیاں تھیں: زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہم۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان ۳ھ کو ہوئی امام حسین کی پیدائش ۵ر شعبان ۴ھ کو ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا نام رکھا اور عقیقہ کرایا۔ (۴۲)

حضرت علی امام حسن کا نام حمزہ اور امام حسین کا نام جعفر رکھنا چاہتے تھے اور اور روایت کے مطابق آپ ان کا نام حرب رکھنا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ نے ان کا

نام شبر اور شبیر رکھا جن کا عربی ترجمہ حسن اور حسین ہے، شبر اور شبیر عبرانی لفظ ہیں اور یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے دو بیٹوں کے نام تھے۔ (۴۳)

حضرت علی کے بچوں کو ہارون علیہ السلام کے بچوں کے ناموں سے موسوم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ حضرت علی کو بارگاہ محمد یہ میں وہی مقام حاصل تھا جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی بارگاہ میں تھا۔ یہ مفہوم ایک بے حد معروف و مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے سعد ابن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی سے فرمایا:

”أما ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى“ (۴۴)

ان دونوں کے فضائل بے شمار ہیں دونوں شہزادگان اپنے والدین کریمین اور جد کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل کساء میں شامل ہیں اور بموجب فرمان نبوی اہل بیت کا مصداق ہیں۔

سیدہ زینب کی پیدائش ہجرت کے پانچویں سال ہوئی۔ عقیلہ بنی ہاشم اور مجاہدۂ کربلا سیدہ زینب کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی اور دولابی کے مطابق ان کے دو صاحبزادے تھے علی اور عون رضی اللہ عنہما۔ مشہور روایت میں ان کے ایک صاحب زادے کا نام عون اور دوسرے کا محمد تھا۔ (۴۵)

سیدہ زینب کی پیدائش کے دو سال بعد حضرت ام کلثوم کی پیدائش ہوئی، ان کی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی ان سے ایک صاحبزادے بھی ہوے، لیکن بچپن میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت زینب اور ام کلثوم کا نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا ہوا ہے اور ان کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کے نام پر رکھا۔

قربتوں کی انتہا

صفر ۱۱ھ کے اواخر میں رسول اللہ کی طبیعت ناساز ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلوایا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا پہنچیں تو اللہ کے رسول نے ان سے کچھ سرگوشی کی جسے سن کر وہ رونے لگیں، پھر کچھ اور سرگوشی فرمائی جسے سن کر سیدہ ہنسنے لگیں۔ عجیب بات تھی، حضرت عائشہ کو بھی دیکھ کر تعجب ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا تو سیدہ فاطمہ نے کہا کہ یہ رسول اللہ کا ایک راز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ نے اپنے حقوق کا حوالہ دیکر پھر سوال کیا تو سیدہ فاطمہ نے کہا میں اب آپکو ضرور بتاؤں گی۔ جب پہلی بار سرگوشی کی تھی تو فرمایا تھا کہ میرے خیال میں میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ بخاری کی ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول نے فرمایا کہ اس سال خلاف معتاد مجھے جبریل علیہ السلام نے دو بار قرآن سنایا ہے لگتا ہے کہ میرا وقت قریب ہے اور میں یہ سن کر رونے لگی تھی۔ پھر دوسری بار کی سرگوشی میں فرمایا کہ میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے آ کر ملو گی۔ یہ سن کر میں خوش ہو گئی اور ہنسنے لگی۔ (۴۶)

شاید محبت کا اس سے معرکۃ الآراء کوئی بیان نہیں ہو سکتا ہے اور شاید قربتوں کی اس سے زیادہ بلیغ اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

رسول اللہ کی علالت جاری رہی سارے لوگ شفایابی کی امید رکھے ہوئے تھے ابتدا میں بیماری بھی کچھ بڑی نہ تھی۔ لیکن سیدہ فاطمہ بے حد بے چین و بے قرار تھیں کیونکہ جو وہ جانتی تھیں اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنے والد کی محرم راز تھیں۔ وہ ام ابیہا تھیں۔

جتنے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیل رہے سیدہ فاطمہ ان کے بستر سے لگی رہیں اور انہوں نے خود کو حضور کی خدمت و تیمارداری کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ایک دن حضور کو شدید تکلیف تھی حضرت فاطمہ نے کہا:

بابا جان آپ کی تکلیف سے آپ کی یہ بیٹی بھی تکلیف میں ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان پدر! آج کے بعد تمہارے بابا کو کوئی تکلیف

نہ ہو گی۔ اور دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اس حادثہ پر حضرت فاطمہ کے غموں کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی طرح جس طرح کہ رسول اللہ سے ان کی محبتوں کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کسی شئی کا بیان اس کی معرفت کی فرع ہے اور جس چیز کی معرفت نہیں تو اس کا بیان بھی ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد آپ قبر انور کے پاس تشریف لائیں اس سے ایک مشت خاک لے کر آنکھوں سے لگایا اور اسے سونگھتے ہوئے دو شعر کہے جو رثائی ادب کا شاہکار ہیں۔

ما ذا على من شم تربة احمد
ألا يشم مدى الزمان غواليا
صبت على مصائب لو أنها
صبت على الأيام صرن ليا ليا

جس نے تربیت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک سونگھی ہے اسے زندگی بھر کوئی خوشبو سونگھنے کو نہ ملے تو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ مجھ پر تو ایسی مصیبتیں ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ مصیبتیں روز روشن پر پڑتیں تو وہ سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

وہاں ٹھہر کر سیدہ خود بھی روئیں اور دوسروں کو بھی رلایا۔ لوگ تعزیت کرتے ہوئے گھر تک ساتھ آئے۔ رسول اللہ کے خادم خاص حضرت انس نے گھر پہنچ کر صبر کرنے کی درخواست کی تو سیدہ نے پر عتاب لہجے میں کہا:

”تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ تم اللہ کے رسول کے جسد مبارک کو زمین کے حوالے کر دو۔“

رسول اللہ کی وفات کے بعد کسی نے حضرت فاطمہ کو مسکراتے یا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا زندگی کے بقیہ ایام انہوں نے پوری طرح گوشہ نشینی میں گزار دیئے۔

قضیہ فدک

یہ ایک بے حد مختلف فیہ موضوع ہے اور اسے لے کر کتب تاریخ و سیر میں اس

قدر مختلف النوع، متضاد اور باہم متصادم روایتیں ہیں کہ حقیقت تک پہنچنا بے حد دشوار ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ کیا جس میں باغ فدک اور خیبر کا خمس وغیرہ شامل تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ خود رسول اللہ کا فرمان ہے کہ:

''ہم وارث نہیں بناتے، ہم جو بھی چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور اہل بیت اس مال سے کھائیں گے۔''

اس موقع پر حضرت صدیق اکبر نے یہ بھی کہا تھا کہ:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے رسول اللہ کے رشتہ دار اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہیں۔''

بعض غلط فہمی اور فقہی نقطۂ نظر کے اختلاف کے سبب حضرت فاطمہ ابتدا میں ناراض رہیں لیکن بعد میں ان کی ناراضگی دور ہوگئی۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوبکر سیدہ فاطمہ کے مرض الموت میں ان سے ملنے آئے اور اجازت مانگی۔ حضرت علی نے کہا کہ ابوبکر ملاقات کے خواستگار ہیں۔

سیدہ نے پوچھا کیا آپ کو پسند ہے؟ حضرت علی نے کہا: ہاں!

یہ سن کر سیدہ نے انہیں ملنے کی اجازت دے دی حضرت ابوبکر تشریف لائے اور دیر تک غلط فہمیوں کے لئے معذرت خواہ رہے یہاں تک کہ سیدہ ان سے راضی ہوگئیں۔ دونوں کا اختلاف آخر کار دور ہوگیا کیونکہ یہ اختلاف علمی اور فقہی نوعیت کا تھا نفسانیت کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

سیدہ فاطمہ اس بات سے بلند تر تھیں کہ وہ کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرتیں جو انکا حق نہیں تھا۔ اور حضرت ابوبکر بھی اس بات سے بلند تر تھے کہ وہ کسی کی حق تلفی کرتے۔

وفات

سیدہ فاطمہ کی وفات کی تاریخ میں بھی کئی اقوال ہیں ان مختلف اقوال کے

بموجب آپ کا وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد یا آٹھ ماہ بعد یا سو دن بعد یا ستر دن بعد ہوا۔ (۴۷)

استیعاب اور طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق سیدہ زہرا رسول اللہ کے انتقال کے بعد تقریباً اٹھارہ ماہ بقید حیات رہیں۔ (۴۸)

مشہور روایت کے مطابق آپ کا انتقال رمضان ۱۱ھ میں ہوا۔

ابن سعد نے دوشنبہ دو رمضان یوم وصال لکھا ہے۔ (۶۹)

محبّ طبری نے سہ شنبہ کی شب ۳؍رمضان کو تاریخ وصال قرار دیا ہے۔ (۵۰)

وصال کے وقت مختلف روایات کے مطابق آپ کی عمر شریف اٹھائیس، انتیس، تیس یا پینتیس سال تھی، مؤخر الذکر روایت کلبی کی ہے اور ناقابل یقین ہے، اس حوالے سے شرح مواہب لدنیہ میں ایک بے حد دلچسپ واقعہ مذکور ہے کہ: حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہما ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے وہاں مشہور راوی کلبی موجود تھے۔ ہشام نے حضرت عبداللہ سے وصال کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: تیس سال، اس پر کلبی نے کہا کہ: پینتیس سال، ہشام نے حضرت عبداللہ سے کہا دیکھو کلبی کیا کہہ رہے ہیں، تو اس پر حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ اے خلیفۃ! مجھ سے میری ماں کے بارے میں پوچھئے اور کلبی سے ان کی ماں کے بارے میں سوال کیجئے (تو زیادہ بہتر ہے)۔ (۵۱)

اگر ان تمام روایات کو اور جناب سیدہ کی پیدائش سے متعلق جملہ روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو راجح یہ ہے کہ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف انتیس سال تھی۔

سیدہ فاطمہ کی عفت و حیا کا یہ عالم تھا کہ انہیں مرض الموت میں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ ان کا جنازہ کیسے اٹھے گا، کیونکہ انہیں یہ پسند نہیں تھا کہ عام رواج کے مطابق ان کی لاش پر بھی ایک چادر ڈال دی جائے گی جس سے اعضائے بدن کی کامل پوشیدگی نہ ہو پائے گی، یہی بات انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہی تو انہوں نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ

لوگ جنازہ اٹھانے کے لئے ایک تختے پر کمان کی صورت میں کئی لکڑیاں لگا دیتے ہیں اور اس پر کپڑا ڈال دیتے ہیں اور اس کے اندر جنازے کو لے کر قبرستان جاتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے سیدہ کو ایک نمونہ بنا کر بھی دکھایا جسے دیکھ کر سیدہ بے حد خوش ہوئیں اور فرمایا کہ اس میں تو یہ بھی نہیں پتا چلتا کہ جنازہ مرد کا ہے یا عورت کا۔ میرے لئے ایسا ہی انتظام کرنا اور صرف تم اور علی مل کر مجھے غسل دینا اور کوئی میرا بدن نہ دیکھنے پائے۔ (۵۲)

چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق رات میں ان کی تدفین کی گئی۔

اسلام میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ کے لئے اس طرح (نعش) کا انتظام کیا گیا، مکان تدفین کے سلسلے میں صحیح روایت یہ ہے کہ جنت البقیع میں سیدنا عباس کے بغل میں آپ کا مدفن ہے۔ محبّ طبری اپنی کتاب ذخائر العقبی میں لکھتے ہیں کہ عارف باللہ سیدی ابوالعباس مرسی (متوفی ٦۸٦ھ) جب بھی بقیع کی زیارت کرتے تھے تو حضرت عباس کے قبے کے سامنے کھڑے ہو کر سیدہ فاطمہ کو سلام پیش کرتے:

”وقف امام قبلة قبة العباس و سلم على فاطمة رضى الله عنها“

اور چونکہ شیخ ایک صاحب کشف بزرگ تھے لہٰذا میں بھی حضرت فاطمہ کی قبر وہیں سمجھتا ہوں۔ (۵۳)

حواشی

۱- ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی، محبّ الدین طبری، بار اول، دمشق، ۱۴۱۵ھ، ٦۴
۲- کنز العمال، علی متقی برہان پوری، بیروت، دار الکتب، غیر مؤرخ، ٦:۲۱۹۔
۳- ذخائر العقبی، ٦۴
۴- سیرة النبی، ابن ہشام، بار اول، طنطا (مصر)، ۱۹۹۵، ۱: ۳۹، ذکر نسب

النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۵- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضل نسب النبی، حدیث رقم:۲۲۷٦
٦- مار جلیوتھ، عربی شاعری کے اصول، کولکاتا، جنرل آف رائل ایسیائک سوسائٹی، ۱۹۲۵ء
۷- ذخائر العقبی، ۴۲
۸- الثغور الباسمہ فی مناقب السیدة فاطمة، جلال الدین سیوطی، الطبعہ الاولی، دبئی، ۲۰۱۱ء، دائرہ شئون اسلامیہ، ص/۷۴
۹- الذریة الطاہرة النبویة، محمد بن احمد دولابی، بار اول کویت، ۱۹۹٦، الدار السّلفیہ، ص/۱۱۱
۱۰- حیاة فاطمہ علیہا السلام، محمود شلبی، بیروت، دار الجبل، ۵۸
۱۱- سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث رقم: ۳۸۷۲، و ابو داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام، حدیث رقم: ۵۲۱۷، سنن النسائی، کتاب فضائل الصحابہ حدیث رقم: ۲٦۴
۱۲- متفق علیہ نقلا عن حیاة فاطمہ، محمود شلبی، ۹۵
۱۳- حیاة فاطمہ، محمود شلبی، ۱۵۹
۱۴- صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب تزوتج النبی خدیجہ وفضلہا، حدیث رقم: ۳٦۰۵، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل خدیجہ حدیث رقم: ۲۴۳۵
۱۵- صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب تزوتج النبی خدیجہ وقضلہا، حدیث رقم ۳٦۰۸، وصحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل خدیجہ ام المؤمنین حدیث رقم: ۲۴۳۳
۱٦- تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب: إنہا فاطمة الزہراء، محمد عبدہ یمانی، بار اول، قاہرہ: ۱۹۸۷، دار ریان للتراث، وکتاب تراجم سیدات بیت النبوة، عائشہ

عبدالرحمٰن بنت الشاطی، باراول، دمشق: ۱۹۹۶، المنار للنشر
۱۷- سیرۃ النبی، ابن ہشام، ۶: ۳۱
۱۸- سنن الترمذی کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمہ بنت محمد حدیث، رقم: ۳۸۷۶
۱۹- ذخائرالعقبی، ۶۵
۲۰- فاطمۃ الزہراء و الفاطمیون، عباس محمود عقاد، قاہرہ، غیر مورخ، نہضہ مصر، للطباعہ والنشر والتوزیع، ۲۲
۲۱- الذریۃ الطاہرۃ النبویہ، ۶۴
۲۲- ذخائرالعقبی، ۶۹
۲۳- حیاۃ فاطمہ، محمود شلبی، ۱۳۱
۲۴- الثغور الباسمۃ، ۶۰
۲۵- الذریۃ الطاہرۃ، ۶۴
۲۶- نفس المصدر، ۶۶
۲۷- نفس المصدر، ۶۳
۲۸- ذخائرالعقبی، ۶۷
۲۹- نفس المصدر، ۷۰
۳۰- حیاۃ فاطمۃ، ۱۲۶
۳۱- نفس المصدر، ۱۳۴، نقلاعن ابی ماجہ
۳۲- نفس المصدر، ۱۳۲، نقلاعن امام احمد ونسائی
۳۳- ذخائرالعقبی، ۱۲۵
۳۴- مجمع الزوائد، ابن حجر ہیثمی، بیروت: ۱۹۸۷، دارالکتاب العربی، ۹: ۱۰۰
۳۵- خصائص امیرالمومنین علی امام نسائی، باراول، بیروت: ۲۰۰، دار ابن حزم،
۳۶- صحیح البخاری کتاب الدعوات، حدیث رقم ۵۹۵۹؛ واعلام النساء، عمر رضا کحالہ، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۶: ۱۱۱

۳۷- حیاۃ فاطمہ، ۱۶۴
۳۸- تراجم سیدات بیت النبوہ، ۶۰۴
۳۹- حیاۃ فاطمہ، ۱۶۲، نقلاعن صحیح البخاری
۴۰- تراجم سیدات بیت النبوۃ، ۶۲۸
۴۱- ذخائرالعقبی، ۲۰۵، اکثر مؤرخین نے یہی تاریخ لکھی ہے صرف دولابی نے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش ہجرت کے تقریبا ساڑھے چار سال بعد ہوئی، دیکھئے: الذریۃ الطاہرۃ، ۶۸
۴۲- ذخائرالعقبی، ۲۰۵، یہی مشہور روایت ہے لیکن دولابی نے لکھا ہے کہ امام حسین کی پیدائش امام حسن کی پیدائش کے ایک سال دس ماہ بعد ہوئی، دیکھئے الذریۃ الطاہرۃ، ۶۸
۴۳- الذریۃ الطاہرہ، ۶۷، ۶۸
۴۴- خصائص امیرالمؤمنین علی، ۳۹
۴۵- الذریۃ الطاہرہ، ۶۲
۴۶- الثغور الباسمہ، ۶۹، نقلاعن صحیح البخاری
۴۷- دخائرالعقبی، ۱۰۱
۴۸- دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، دانشگاہ پنجاب، ۱۵: ۴۲
۴۹- تراجم سیدات بیت النبوہ، ۶۳۴
۵۰- ذخائرالعقبی، ۱۰۱
۵۱- الفاطمۃ والفاطیون، ۱۸
۵۲- ذخائرالعقبی، ۱۰۲
۵۳- نفس المصدر، ۱۰۴، اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محبّ الدین طبری کے عہد (۶۱۵-۶۹۶ھ) میں حضرت عباس اور سیدہ فاطمہ کی قبر پر قبہ تعمیر تھا

حضرت امام حسن مجتبیٰ: حیات وخدمات

پروفیسر غلام یحییٰ انجم
جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل بیت سے ہیں۔ اہل بیت کی مدح وستائش کے تعلق سے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایک روایتیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

’’میں حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور خطبہ دے رہے تھے، میں نے سنا آپ یہ فرمارہے تھے: ’’یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہٖ لن تضلوا، کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی .‘‘ یعنی اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ چیز ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری اولا دو ذریت اہل بیت۔ (۱)

اس مفہوم ومعانی کی اور بھی کئی ایک روایتیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین سے مروی ہیں۔ عشرۂ مبشرہ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کو چھوڑ کر صرف اہل بیت کے بارے میں نبی کا یہ فرمانا کہ میں انہیں چھوڑ کے جارہا ہوں جو تمہیں نجات کا سیدھا راستہ دکھائیں گے اور گمراہی سے بچائیں گے اس میں غالباً حکمت یہی تھی قرآن مقدس تو کلام الٰہی ہے، خدا حی وقیوم ہے اسی طرح اس کا کلام بھی قیامت تک کے لئے ہے، کلام الٰہی حادث وفانی نہیں، وہ رہتی دنیا تک نسل انسانیت کو ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ جہاں تک رہی بات اہل بیت اطہار کی تو وہ بھی نسل انسانیت کو قرآن کریم کی روشنی میں راہ حق پر چلنے کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ عشرۂ مبشرہ، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی چند سالوں پر مشتمل تھی ’’کل نفس ذائقة الموت‘‘ کے تحت ایک ایک کر کے سب موت کا مزہ چکھ کر جوار رحمت باری میں چلے گئے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ روئے زمین پر اس مقدس جماعت میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا، سب ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، اگر ہمارے نبی ان حضرات کا ذکر فرماتے کہ میں انہیں چھوڑ کے جارہا ہوں تو ہمارے نبی کا مقصد شاید حل نہ ہوتا اس لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا جو فرمان رسول کے مطابق اب بھی قرآن کریم کی روشنی میں رشد وہدایت کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت رشد وہدایت کا یہ زریں سلسلہ ان نفوس قدسیہ کے ذریعہ چلتا رہے گا۔ جتنے بھی سادات کرام آج روئے زمین پر موجود ہیں ان کا نسبی سلسلہ یا تو امام حسن مجتبیٰ پر منتہی ہوتا ہے یا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر، ان دونوں حضرات کے علاوہ اور کوئی تیسرا سلسلہ نہیں جس کی انتہا کسی ایسی ذات پر ہو جس کا تعلق اہل بیت اطہار سے ہو۔

اہل بیت اطہار میں کون لوگ شامل ہیں؟ ان کی قدر ومنزلت کیا ہے؟ ان کے مناقب ومحامد اور تعریف وتوصیف میں کس نے کیا کہا ہے؟

اس موضوع پر متعدد احادیث اور کئی ایک کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، یہاں تو نواسۂ رسول، علی کے لخت جگر، فاطمہ زہرا کے نور نظر، پوری ملت اسلامیہ کے راہنما وراہبر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی اور کارناموں کے تعلق سے اظہار خیال کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

ہجرت کے تیسرے سال رمضان المبارک کی ۱۵ رتاریخ بروز شنبہ اور بعض

کے بقول ۳؍شعبان المعظم ۶۲۷ء بروز جمعہ مبارکہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی، بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت کے ساتویں سال کے اواخر یا آٹھویں سال کے اوائل میں آپ پیدا ہوئے۔ منشاء الٰہی کے مطابق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادہ کے نام پر شبّر رکھا جس کے معنیٰ حسن کے آتے ہیں اور حسن سے ہی آپ کو شہرت ملی۔ بعد ولادت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور عقیقہ کیا۔ آپ کی شہرت حسن سے ہوئی، کنیت ابو محمد اور لقب سید، سبط اکبر اور مجتبیٰ قرار پایا۔ آپ کی ولادت کے تعلق سے ایک خواب حضرت ام الفضل نے دیکھا تھا بیان کرتی ہیں کہ ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آیا ہے“ حضور نے فرمایا: بہت اچھا خواب ہے، میری بیٹی فاطمہ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کے بعد ہی امام حسن پیدا ہوئے اور اس خواب کے مصداق قرار پائے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سراپا مورخین اسلام نے ان الفاظ میں کھینچا ہے، آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی خوش نما تھیں، رخسار پتلے کتابی خط وخال کے تھے، کلائیاں گول گاؤدم تھیں، داڑھی گنجان کانوں کی لو تک بل کھاتی ہوئی تھی، گردن ایسی بلند اور روشن گویا چاندی کی صراحی تھی، شانے اور بازو گدگدے اور بھرے بھرے تھے، سینہ چوڑا اور چکلا تھا، قد نہ اس قدر دراز اور نہ ہی کوتاہ بلکہ درمیانہ تھا، آپ کی صورت زیبا نہایت ہی حسین اور نورانی تھی، وسمہ کا خضاب کرتے تھے، آپ کے بال گھونگھریالے تھے۔ بدن خوبصورت اور سڈول تھا۔ شکل وصورت میں آپ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالائی حصہ سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور حضرت امام حسین کی مشابہت سرکار اقدس کے زیریں حصہ سے تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس مشابہت کا نقشہ ان الفاظ میں اس طرح کھینچا ہے۔

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط تَوأم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا (۲)

دوسرے مقام پر اعلیٰ حضرت اس طرح فرماتے ہیں۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہ ثقلین
اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین (۳)

خاندانی وجاہت

احادیث طیبہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت واہمیت اور عزت وتوقیر میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت براء بن عازب، حضرت ابن عباس اور حضرت امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قبیلہ قریش اور دیگر بڑے قبیلوں کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے، کسی نے حضرت امیر معاویہ سے دریافت کیا کہ اس وقت ماں، باپ، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں اور نانا، نانی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے اس محفل میں حضرت مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب سے افضل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں، ان کی والدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کی نانی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد اور نانا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے چچا حضرت جعفر ہیں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں۔

نور چشم فاطمہ تسکین قلب مرتضٰی
راحت جان امام المرسلیں حضرت حسن
مہر چرخ احمدی ماہ سمائے حیدری
فاطمی منزل کے نجم اولیں حضرت حسن

فضائل ومناقب

آپ کی سب سے بڑی عظمت تو یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گود میں آپ کی پرورش ہوئی اور صبح وشام اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ کر آپ کی تربیت فرمائی، محبت کا عالم یہ تھا کہ اکثر اوقات آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے خود سواری بن جاتے اور حسنین کو اپنا سوار بنا لیتے تھے۔ آنخضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین خلائق یہ ہیں۔ اور ان کی دوستی باعث نجات اور ان کے ساتھ دشمنی موجب ضلالت وگمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی کا یہ بھی فرمان ہے "**اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح**" میرے اہل بیت کی مثال نوح کے سفینے جیسی ہے۔

نجابت وشرافت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، عبادت حق اور ریاضت الٰہی کا شوق حد درجہ تھا، اظہار عبودیت کی راہ میں جتنی مشکلات در پیش آتیں سب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے۔ آپ نے پچیس حج ادا فرمائے مگر خاص بات یہ ہے اعلیٰ قسم کے سواری کے اونٹ ہوتے ہوئے بھی آپ نے پیدل چل کر حج کے فرائض انجام دئے، سواری کے اونٹ آپ کے ہمراہ ضرور رہتے مگر ان پر آپ نے سواری نہیں کی۔

سخاوت وفیاضی حضرت امام حسن کو ورثے میں ملی تھی، مستند روایتوں میں ملتا ہے جب دریائے سخاوت جوش میں آتا تو بسا اوقات آپ غرباء ومساکین میں ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم تک عطا فرما دیتے تھے۔ ابن سعد، علی بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار آدھا آدھا مال راہ خدا میں دے دیا اور دو مرتبہ اپنا پورا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا۔ (۴)

سخاوت کے تعلق سے ایک دوسرا واقعہ حضرت امام یافعی نے مرأۃ الجنان میں ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضرت امام حسن سے کچھ مانگا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں بخش دیں اور فرمایا مزدور لا کر سب اٹھا لے جا! جب وہ مزدور لایا تو اس مزدور کو بھی حضرت نے اپنا چوغا دے دیا اور فرمایا کہ مزدور کی مزدوری بھی میری ہی طرف سے ہونی چاہیے۔ (۵)

صاحب مرأۃ الجنان لکھتے ہیں کہ: حضرت امام حسن کے زہد کی حالت یہ تھی کہ تین مرتبہ اپنا کل مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو دفعہ آدھا مال بخش دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے بھی، آدھے اپنے پاس رکھ لئے اور آدھے دوسروں کو دے دئے۔ ایک شخص نے حضرت امام حسن سے کچھ مانگا اور اپنے حال زار کی شکایت کی تو آپ اپنے کارندے کو بلا کر اس سے اپنی آمد وخرچ کا حساب لینے لگے، جب حساب پورا ہو چکا تو اس کارندے سے فرمایا: اب جو کچھ تمھارے پاس میرا مال بچا ہو لے آؤ وہ پچاس ہزار درہم لایا: پھر آپ نے فرمایا: تمہارے پاس میری پانچ سو اشرفیاں بھی تو تھیں؟ اس نے عرض کی ہاں وہ بھی موجود ہیں۔ حضرت نے وہ بھی منگا کر کل درہم اور اشرفیاں اس سائل کو دے دیں پھر اس سے عذر خواہی کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت امام حسن نے کسی جگہ سنا کہ کوئی سائل خدا سے دس درہم مانگ رہا ہے یہ سنتے ہی آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے اور اس سائل کے پاس دس ہزار درہم بھیجوا دئے۔ حضرت امام حسن کا حال یہ تھا خود تو فاقہ سے رہنا گوارا کر لیتے مگر کسی سائل کو اپنے دروازہ سے خالی ہاتھ واپس نہیں کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں خدا کی بارگاہ کا سائل اور اس سے مانگنے والا ہوں، مجھے شرم آتی ہے کہ خود خدا کا سائل ہو کر دوسرے سائل کو رد کروں، خدا نے میرے ساتھ اپنی یہ عادت جاری کر رکھی ہے کہ مجھے اپنی نعمتیں دیتا رہتا ہے اور میں نے دوسروں کے ساتھ یہ عادت کر لی ہے کہ خدا کی نعمتوں کو اس کی خلقت تک پہنچاتا رہتا ہوں اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنی عادت روک دوں تو خدا بھی اپنی عادت نہ موقوف کر دے۔ (۶)

جود وبخشش کا یہ عالم تھا کہ دیتے ایک لاکھ
اپنے منگتا سے نہ کہتے تھے نہیں حضرت حسن

آپ کے حلم وبردباری کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن اپنے دروازہ پر بیٹھے تھے کہ جنگل سے ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور آپ کو گالیاں دینے لگا کہ تو ایسا ہے، تیرا باپ ایسا ہے، تیری ماں ایسی ہے، ۔ آپ نے اٹھ کر دریافت کیا کہ اے اعرابی کیا تم بھوکے ہو؟ یا تمہیں کوئی اور تکلیف ہے؟ لیکن وہ اسی طرح گالیاں دیتا رہا، حضرت امام حسن نے اپنے نوکر سے فرمایا کہ سونے اور چاندی کا ایک تھیلا لاکر اسے دے دو، جب نوکر نے تھیلا دے دیا تو آپ نے فرمایا: اے اعرابی معاف کرنا کیوں کہ آج ہمارے گھر میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب اعرابی نے یہ بات سنی تو فوراً بول پڑا ’’**اشهد انک ابن رسول الله**‘‘ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ میں اس وقت آپ کا حلم آزمانے آیا تھا کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ خلق خدا کی مدح وذم آپ حضرات کے نزدیک یکساں ہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں اس وقت سے حضرت امام حسن کو دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے دیکھا ہے کہ حضرت امام حسن سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھے ہیں اور سرکار کی داڑھی میں اپنی انگلیاں ڈال رہے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان امام حسن کے منھ میں ڈال رہے ہیں اور یہ فرماتے جاتے ہیں ’’اے اللہ! میں اس سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر‘‘۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن کو اپنے شانے پر سوار کیے ہوئے تھے، کسی صحابی نے کہا اے صاحبزادے تم کیسی اچھی سواری پر ہو، یہ سنتے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سوار بھی تو کیسا اچھا ہے۔ اس روایت کو کئی مورخین اور سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے۔

آپ کے خلق حسن کا حال یہ تھا کہ آپ سب کے ساتھ انتہائی تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ کا گذر چند لڑکوں کے ساتھ ہوا ان لڑکوں کے پاس روٹیوں کے چند ٹکڑے تھے لڑکوں نے ان ٹکڑوں سے آپ کی دعوت کر ڈالی، آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے پھر ان لڑکوں کو اپنے گھر لے گئے اور نئے کپڑے پہنائے اور بدلہ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کے پاس سوائے اس کے جو انہوں نے مجھے کھلایا اور کچھ نہیں تھا اور میرے پاس تو اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور آپ کے حلم وکرم کا یہ حال تھا کہ آپ جب روئے زمین کے خلیفہ تھے ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شریر آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا اور آپ کے جسم اطہر میں خنجر چبھو دیا، مگر آپ نے اسے درگذر فرمایا اور کہا کہ اے عراق والو! تم ہمارے حق میں اللہ سے ڈرو ہم اہل بیت نبوت تمھارے امیر ومہمان ہیں، آپ کی حالت دیکھ کر اور آپ کے کلام کو سن کر مجمع میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں سے آنسو نہ جاری ہوں۔

ان تمام محاسن کے ساتھ ساتھ آپ انتہائی حلیم اور بردبار بھی تھے، ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ مروان جب مدینہ منورہ میں حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہتا تھا مگر کمال تحمل سے اس گستاخ اہل بیت کی گستاخیوں کو برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو مروان نے آپ کو بہت برا بھلا کہا مگر آپ نے خاموش ہوکر ’’**والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس**‘‘ کا مظاہرہ فرمایا گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اس نے اسی دوران اپنی ناک اپنے داہنے ہاتھ سے صاف کیا تو امام حسن نے فرمایا: افسوس صد افسوس کہ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ داہنے ہاتھ سے ناک نہیں صاف کرنی چاہیے۔ (۷)

حضرت امام حسن کو ان چودہ اشراف میں سے ایک ہونے کا فخر حاصل ہے، جو ہر نبی کو حسب الارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ملتے رہے جس کا پورا بیان ترمذی نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین کو ’’**سیدا شباب اهل الجنة**‘‘ کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے، ان حضرات کو گود

میں لے کر یہ بھی فرمایا ہے: ''الٰہی یہ دونوں میرے بیٹے اور نواسے ہیں میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ اور نیز ان سے جو محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھنا۔''(۸)

حضرت حسن سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد محبت فرمایا کرتے تھے اس لئے صحابۂ کرام بھی ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے کوئی ایسا فعل جسے نبی نے پسند نہ کیا ہو اور حضرت حسن اسے کرتے تھے تو صحابہ کرام کو ناگوار لگتا تھا، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت حسن نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت ابو رافع صحابی رسول بھی آ پہنچے، دیکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن کے بال گندھے ہوئے ہیں، حضرت ابو رافع نے اپنے ہاتھ سے حضرت امام حسن کے بال کھول دئے، جناب حسن کو ابو رافع کا یہ فعل ناگوار لگا اور کچھ برہم سے ہوئے لیکن ابو رافع نے نہایت نرمی اور اخلاص سے فرمایا کہ صاحبزادے ناراض نہ ہوئیے، میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ چوٹی شیطان کا اڈہ ہے اس لئے مرد کو چوٹی نہ رکھنی چاہئے اسی لئے میں نے گندھے ہوئے بال کھول دئے ہیں۔(۹)

حضرت امام حسن کے فضائل و مناقب میں کئی ایک احادیث مروی ہیں حضرت ابو موسیٰ حسن سے روایت ہے:

سمعت النبى وعلى المنبر والحسن على جنبهٖ ينظر الىٰ الناس مرة واليه مرة ويقول ابنى هذا سيد ولعل الله ان يصلح بهٖ بين فئتين من المسلمين.

ابو موسیٰ حسن حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں منبر پر دیکھا ہے کہ حضرت حسن آپ کے پہلو میں تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی حضرت حسن کی جانب اور فرماتے جاتے تھے میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو فریقوں کے درمیان صلح کرادے۔

مصطفےٰ نے بر سر منبر یہ لوگوں سے کہا
ہیں نوید صلح بین المسلمیں حضرت حسن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال نافع بن جبير عن ابى هريرة عانق النبى صلى الله عليه وسلم الحسن. حضرت نافع بن جبیر حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو اپنے سینے اور گلے سے لگالیا۔

دوسری حدیث حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

عن النبى صلى الله عليه وسلم انه كان ياخذه والحسن ويقول اللهم انى احبهما فاحبهما. (او کما قال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (اسامہ کو) اور حسن کو اٹھاتے اور فرماتے تھے اے اللہ تعالیٰ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔(او کما قال)

براء بن عازب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

رأيت النبى صلى الله عليه وسلم والحسن بن على علىٰ عاتقهٖ يقول اللهم انى احبه فاحبه.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسن بن علی آپ کے کاندھے پر تھے اور آپ یہ فرمارہے تھے اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔

حضرت عقبہ بن حارث سے مروی ہے:

رأيت ابا بكر وحمل الحسن وهو يقول بابى شبيبة بالنبى صلى الله عليه وسلم ليس شبيه بعلى وعلى يضحك.

میں نے حضرت ابوبکر کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن کو گود میں اٹھا لیا تھا اور کہہ رہے تھے کہ میرے باپ تم پر قربان تم رسول اللہ کے مشابہ ہو علی کے مشابہ نہیں اور حضرت علی مسکرا رہے تھے۔

حضرت انس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

لم یکن اشبه بالنبی صلی الله علیه وسلم من الحسن بن علی.

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ مشابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں تھا۔

حضرت محمد بن یعقوب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

سمعت ابن ابی نعیم سمعت عبد الله بن عمر وسأ له رجل عن المحرم قال شعبة احسبه یقتل الذباب فقال اهل العراق یسألون عن قتل الذباب وقد قتلواابن بنت رسول الله وقال النبی صلی الله علیه وسلم هما ریحتان من الدنیا. (۱۰)

حضرت محمد بن ابی یعقوب حضرت ابن ابی نعیم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے سنا ان سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا اگر کوئی محرم (یعنی وہ شخص جو احرام کی حالت میں ہو) کسی مکھی کو مار ڈالے (تو کیا؟) حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ عراقی مکھی کے قتل کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں، جبکہ انہوں نے رسول اللہ کی صاحبزادی کے بیٹے (حسین) کو قتل کر دیا ہے جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں (حسن، حسین) میری دنیا کے دو پھول ہیں۔

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن کے ہونٹ اور زبان چوسا کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ نبی کے چوسنے کے باعث اس زبان اور اس ہونٹ پر کبھی عذاب نہ ہوگا۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ خطبہ دے رہے آپ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین گھر سے باہر سرخ کپڑے پہن کر آ رہے ہیں مگر ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر منبر سے اتر پڑے اور ان کو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے، ”**انما اولادکم واموالکم فتنة**“ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آ رہے ہیں اور ان کے پاؤں لغزش کر رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور ان کو بٹھا لیا۔

صاف گوئی، حق بیانی، صداقت شعاری اور راست بازی کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جنہیں محدثین اور رواۃ نے اپنی مستند تصانیف میں بیان کیے ہیں۔

رشد وہدایت

حضرت امام حسن کا مقام عرفان بہت بلند ہے، آپ کا قول ہے: ”**علیکم بحفظ السرائر فان الله مطلع علی الضمائر.**“ یعنی تم پر اپنے قلب کی حفاظت بہت ضروری ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر خطرات ووساوس اور برے عقائد کو گھسنے نہیں دینا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے قلوب کی کیفیت مخفی نہیں ہوتی۔ حفظ اسرار کا مطلب ہے کہ غیر اللہ کے خیال سے دل کو محفوظ رکھا جائے اور حفظ اظہار کا مقصد یہ ہے کہ عقائد کے اظہار میں اللہ کی مخالفت نہ ہو، یعنی صحیح اسلامی عقائد کے سوا منھ سے اور کچھ نہ نکلے، لیکن اس کے باوجود بھی امتداد زمانہ کے ساتھ مختلف عقائد ونظریات کے حامل دنیا میں جنم لینے لگے۔ معتزلہ نامی ایک فرقہ ابھر کر سامنے آیا جس کے دینی نظریات دنیا میں پھیلنے لگے تو حضرت امام حسن بصری نے حضرت امام حسن کو ایک خط لکھا جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک!

امابعد

پس آپ بنو ہاشم کی مثال گہرے سمندر میں چلنے والی کشتی کی طرح ہے اور لوگوں کو ستارگان کی طرح راہ دکھانے والے ہیں اور انہیں ہدایت دینے والے اور خلق کے امام ہیں جو

> کوئی آپ کی اتباع کرتا ہے ہدایت پاتا ہے، جس طرح کہ لوگوں نے کشتیٔ نوح میں بیٹھ کر نجات حاصل کی۔ اے رسول اللہ کے بیٹے! قدر و جبر کے تعلق سے آپ کا کیا حکم ہے؟ تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی روش اس معاملہ میں کیا ہے؟ آپ پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ آپ کا علم خدا کا علم ہے۔ اللہ آپ کا محافظ ہے اور آپ خلق خدا کے نگہبان ہیں۔

جب یہ خط ان کے پاس پہنچا تو انہوں (حضرت امام حسن) نے اس خط کے جواب میں لکھا۔

> آپ نے اپنی حیرت کے متعلق لکھا ہے اور امت اور مسئلہ جبر وقدر کے متعلق میری رائے دریافت کی ہے، میری رائے یہ ہے کہ جو شخص خیر وشر کو اللہ کی طرف سے نہیں سمجھتا وہ کافر ہے اور جو شخص گناہ کو اللہ کے ساتھ منسوب کرتا ہے فاجر ہے۔ یعنی تقدیر کا انکار مذہب قدر ہے اور گناہ کو اللہ کے ساتھ منسوب کرنا مذہب جبر ہے۔ پس بندہ اپنے فعل میں اس قدر مختار ہے جس قدر اللہ عزوجل نے اسے استطاعت دی ہے اور ہمارا دین قدر و جبر کے درمیان ہے، یعنی تمام خیر وشر تقدیر حق تعالیٰ ہے لیکن تیرے اختیار کی وجہ سے موجود ہو جاتا ہے۔ (۱۱)

مظہر علم وہدایت مصدر شرع وسلوک
غیب واسرار حقائق کے امیں حضرت حسن
عالم وعابد، ذکی ومتقی، صاحب ذکا
باوجاہت ذی وقار وخوش نشیں حضرت حسن

پندوموعظت

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمت ومعارف کے خزانے حاصل تھے، ان کے ہر جملے میں حکمتوں کے خزانے پوشیدہ ہوتے تھے اور اگر انسان انہی حکمتوں کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کرے تو عام انسانوں سے اس کا رتبہ بلند وبالا ہو جاتا ہے۔ حضرت امام حسن کا قول ہے:

”لاادب لمن لا عقل له ،ولا مودة لمن لا همة له ولاحياء لمن لا دين له ، وراس العقل معاشرة الناس بالجميل وبالعقل تدرک الدارين جميعاً ومن حرم العقل حرمها جميعاً.“

جس کو عقل نہیں ملی اس کو ادب بھی نہیں ملا اور جس کو ہمت نہیں حاصل ہوئی وہ محبت نہیں پا سکا اور جس کو شرم نہیں ہے اس کو مذہب سے بھی تعلق نہیں ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور بھلائی کی زندگی بسر کی جائے۔ اور عقل ہی سے دونوں گھر یعنی دنیا وآخرت حاصل ہوتے ہیں، جو شخص عقل سے محروم ہوگا وہ دونوں گھروں سے بھی محروم ہوگا۔

حضرت امام حسن نے یہ بھی فرمایا:

”ھلاک الناس فی ثلاث، الکبر والحرص والحسد، فالکبر ھلاک الدین وبه لعن ابلیس .والحرص عدو النفس والحسد رائد سوء ومنه قتل ھابیل وقابیل“

تین برائیوں سے لوگ تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں تکبر، حرص، اور حسد۔ تکبر سے دین مٹ جاتا ہے، اسی وجہ سے ابلیس ملعون قرار پایا، اور حرص انسان کی جان کا دشمن ہے، یعنی جس شخص میں حرص پیدا ہوئی وہ اپنا آپ دشمن ہوگیا۔ اور حسد برائی کا پیغام لانے والا ہے، اسی سبب سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا۔

حضرت امام حسن یہ بھی فرماتے تھے کہ جب والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں بہت پریشان ہوا حضرت نے فرمایا: حسن تم کیوں گھبرا رہے ہو، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اس حال میں دیکھ کر گھبراہٹ کیوں نہ ہوگی، اس موقع سے حضرت علی نے فرمایا: بیٹے چار باتیں ہمیشہ

یادرکھنا، اگر تم انہیں یاد رکھو گے تو ہمیشہ تمہیں ہر مصیبت سے نجات ملتی رہے گی اور کبھی گھبراہٹ نہ ہوگی وہ چار چیزیں یہ ہیں:

۱- **لا غنی اکثر من العقل** عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں
۲- **ولا فقر مثل الجھل** جہالت سے بڑھ کر کوئی محتاجی نہیں
۳- **ولاوحشۃ اشد من العجب** خود پسندی سے زیادہ کوئی وحشت نہیں
۴- **ولا عیش الذ من حسن الخلق** حسن خلق سے زیادہ مزے کی کوئی زندگی نہیں (۱۲)

کشف وکرامات

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم وعمل کے پیکر ہونے کے ساتھ انتہائی متواضع اور خلیق تھے، وقت ضرورت کئی کرامتیں بھی آپ سے صادر ہوئی ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ حضرت زبیر بن العوام کے ایک فرزند کے ساتھ سفر کر رہے تھے، کہ راستہ میں کھجوروں کے ایک ایسے باغ سے گذر ہوا جس کے سب درخت خشک ہو چکے تھے آپ نے اسی باغ میں ڈیرا ڈال دیا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے باغ کے ایک درخت کے سائے میں اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دوسرے درخت کے سائے میں فرش بچھایا گیا، حضرت ابن زبیر نے فرمایا اے کاش! اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ حضرت ابن زبیر نے کہا: ہاں آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور زیرلب کچھ کہا جو کسی کو معلوم نہ ہوسکا فوراً کھجور کا ایک درخت تروتازہ اور بارآور ہوگیا اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں، ان کا ساتھی شتربان بولا واللہ یہ جادو ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ جادو نہیں ہے بلکہ فرزند رسول کی دعائے مستجاب کا اثر ہے، پھر لوگوں نے کھجوروں کو درخت سے توڑا اور سب نے خوب شکم سیر ہوکر کھایا۔ (۱۳)

ایک دوسری کرامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ: جب آپ سفر حج میں پیدل

چل رہے تھے کہ آپ کے پیروں میں ورم آگیا، آپ کے کسی غلام نے عرض کیا کاش آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تاکہ ورم کم ہو جائے، آپ نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا کہ جب تم منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا تم اسے خرید لینا۔

جب منزل پر پہنچے تو حبشی دکھائی دیا حضرت امام حسن نے اپنے غلام سے فرمایا یہ وہی حبشی ہے جس کے متعلق میں نے بتایا تھا جاؤ اور قیمت ادا کر کے اس سے تیل خرید لاؤ، جیسے ہی وہ غلام حبشی کے پاس گیا اور اس سے تیل طلب کیا تو اس نے پوچھا یہ تیل کس کے لئے خرید رہے ہو، غلام نے کہا حضرت حسن کے لئے اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو ان کا غلام ہوں، جب وہ حبشی آپ کی خدمت میں پہنچا تو کہا میں آپ کا غلام ہوں تیل کی قیمت نہیں لوں گا بس آپ میری بیوی کے لئے جو درد زہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک صحیح الاعضا بچہ عطا فرمائے، آپ نے فرمایا اپنے گھر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو وہ ہمارا پیروکار ہوگا، حبشی گھر گیا تو آپ کے فرمانے کے مطابق بچہ پیدا ہوا۔ (۱۳)

صلح پسندی

حضرت امام حسن بنیادی طور پر صلح پسند تھے، ان کے سامنے ہمیشہ ملت اسلامیہ کا مفاد رہا، وہ بڑے ذی فہم اور صاحب فراست تھے، انہوں نے ہمیشہ صلح جوئی اور صلح پسندی کے لئے جدوجہد کی یہی وجہ تھی کہ ان کا دور انتہائی پُرامن رہا۔ وہ خود امن پسند تھے اور دوسروں کو بھی اسی طرح کے مشورے دیا کرتے تھے چنانچہ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو محصور کرلیا تو حضرت حسن نے حالات کا اندازہ کر کے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں یہاں تک کہ عربوں کا دماغ صحیح طور پر کام کرنے لگے اور ان کو ہوش آجائے ورنہ ان کی موجودگی میں حضرت عثمان کا قتل ان کے لئے بہتر نہ ہوگا حضرت حسن نے فرمایا:

''اس وقت اگر آپ کسی بل میں ہوں گے تو لوگ آپ کو ڈھونڈھ نکالیں

گے بغیر اس کے کہ آپ خود کو ان کے سامنے پیش کریں وہ خود آکر بیعت کرنے کی درخواست کریں گے‘‘۔ (۱۵)

حضرت امام حسن نے اپنے والد ماجد کو یہ بھی مشورہ دیا کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد اس وقت تک خلافت نہ قبول کریں جب تک کہ تمام علاقوں کے نمائندے ان کو متفقہ طور پر تسلیم نہ کرلیں۔

۳- ام المومنین حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر نے جب قصاص کا مطالبہ اور مفسدوں کے خلاف اقدام کیا اور ادھر حضرت علی نے جنگ کا ارداہ کیا اور تیاریاں مکمل کر کے مدینہ سے نکل رہے تھے تو حضرت حسن نے اپنے والد ماجد کو مشورہ دیا کہ وہ گوشہ نشین ہوجائیں اور فریقین کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیں گے۔

۴- حضرت طلحہ وزبیر کے اقدام کی خبر سن کر جب حضرت علی نے کوفہ کا ارداہ کیا تو چند صحابہ نے ان کو اس قدام سے روکا روکنے والوں میں حضرت حسن پیش پیش تھے انہوں نے طے کرلیا تھا کہ وہ کسی حال میں مدینہ نہیں چھوڑیں گے۔ شاید اس طرح حضرت علی رک جائیں لیکن سبائیوں کے سازشی دباؤ کے تحت حضرت علی مدینہ سے روانہ ہوگئے تو مجبوراً حضرت حسن ان کے پیچھے روانہ ہوکر ربذہ کے مقام پر حضرت علی سے جاملے اور پوچھا ابا جان! آپ نے مدینہ کیوں چھوڑا اور کیوں میری بات نہ مانی؟

۵- حضرت علی نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں تو حضرت حسن نے مشورہ دیا کہ جنگ سے رک جائیں کیوں کہ اس سے خونریزی ہوگی اور ملت میں اختلاف وانتشا ہوگا۔ (۱۶)

خلافت وسیادت

کوفہ کی بنیاد ۱۶ ھ میں حضرت عمر فاروق کے عہد مبارک میں حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران نے ڈالی تھی۔ تعمیر کی وجہ یہ ہوئی کہ سعد بن وقاص نے عراق کی فتح اور ایران کی تسخیر کے بعد پایہ تخت کے لئے مداین کو منتخب کیا مگر آب وہوا کی ناموافقت کے باعث عربوں کے رنگ متغیر ہونے لگے اس لئے حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے حضرت سلمان اور حضرت حذیفہ کو اس غرض سے روانہ کیا گیا کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جو دریا کے کنارے اور خشکی سے متصل ہو۔ حضرت عمر فاروق کے ارشاد کے مطابق ان حضرات نے ایک قطعہ آراضی پسند کیا اور اس کا نام کوفہ قرار دیا، ابتدا میں وہاں بانسوں کے مکانات بنائے گئے بعد میں اینٹ گاروں کی چنائی ہوئی، پہلے یہ چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت حسن کے والد حضرت علی نے اس شہر کو خاص عزت بخشی اور مکہ ومدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اور پھر چند سالوں بعد عالم اسلام میں کوفہ کا ڈنکا بجنے لگا، یہ صرف کوفہ والوں کا حضرت علی سے بے پناہ محبت کا ثمرہ تھا کہ دارالحکومت حضرت علی کو مدینہ ومکہ سے کوفہ منتقل کرنا پڑا۔

کوفہ کی مٹی میں نہ جانے کون سی ایسی بات تھی جو خاندان نبوت کے لئے کبھی سازگار نہ رہی، اسی سرزمین پر ایک وہ وقت بھی آیا کہ اپنی عادت ومزاج کے مطابق اہالیان کوفہ حضرت علی سے بھی ناراض ہوگئے اور انہیں حضرت علی کا وہ فعل جو ابوموسیٰ اشعری کو پنچ مقرر کر کے حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنے کا تھا پسند نہ آیا اس بات سے وہ اس قدر رنجیدہ وکبیدہ خاطر ہوئے کہ حضرت علی کے سخت ترین دشمن بن گئے اور اپنا نام بجائے ’’شیعان علی‘‘ کے ’’شراۃ‘‘ رکھ لیا اور اس کی تشریح یوں کی ’’**انا شرینا انفسنا في طاعةالله**‘‘ یعنی ہم نے اپنی نفوس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بیچ دیا اور ’’**ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله**‘‘ یعنی لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالی کی راہ میں اپنے نفوس کو بیچ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اس آیت کریمہ کا صحیح معنوں میں مصداق سمجھتے تھے۔ حضرت علی نے محض اس بنا پر کہ یہ لوگ ان کی جماعت سے خارج ہوگئے تھے ان کا نام ’’خارجی‘‘ رکھا، یہ لوگ حضرت عثمان وحضرت معاویہ کے بالمقابل حضرت علی کو افضل اور بہتر جانتے تھے مگر ان لوگوں کا رویہ یہ تھا کہ حضرت معاویہ کے ساتھ حضرت علی کو بھی قابل گردن زدنی اور دونوں حضرات کو امام ضال سمجھتے تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا ’’**ان علیاً ومعاویة اشرکا فی الله**‘‘ یعنی علی اور معاویہ دونوں مشرک ہوگئے۔ (معاذ اللہ) بہر کیف اہل کوفہ کا یہ گروہ

جو اپنے آپ کو حضرت علی کا صادق دوست کہتے ہوئے نہیں تھکتا تھا ان سے الگ ہو گیا اور آیندہ کے لئے انہوں نے اپنا مقصد زندگی بنا لیا کہ ضال اماموں کی زندگیوں کا خاتمہ کیا جائے، چنانچہ جوان لوگوں کا منصوبہ تھا اسے ان لوگوں نے عملی جامہ پہنانے میں کوئی کوتاہی نہ برتی۔ ۴۰ ھ کی ایک رات کا ذکر ہے کہ ایک محلّہ میں جہاں خوارج کی کثرت تھی ایک مسجد میں تین لوگ موجود تھے جس میں ایک کا نام عبدالرحمان بن ملجم، دوسرے کا مبارک بن عبداللہ اور تیسرے کا نام عمرو بن ابوبکر تیمی تھا۔ اول الذکر مصر کا باشندہ تھا لیکن ایک عرصہ سے کوفہ میں اقامت گزیں تھا یہ شخص مصر سے اس گروہ کے ساتھ آیا تھا جو حضرت عثمان غنی کا کام تمام کرنے کی نیت سے مدینہ آیا تھا۔ اس قسم کا نظریہ رکھنے والے اور بھی لوگ تھے جن کی تعداد مورخین کے بقول ایک ہزار سے زائد تھی، ان سب کی ایک ہی آواز تھی کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی مذہبی رہنما نہیں ہے اور حکم محض خدائے عز وجل کا ہے اور جو رہنما موجود ہیں وہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں، نہروان میں اس عقیدہ کے لوگ زیادہ تھے حضرت علی کی لشکر سے جھڑپ کے وقت ان کے کافی لوگ مارے بھی گئے تھے اس لئے ان لوگوں نے کہا موقع اچھا ہے کشتگان نہروان کا بدلہ لیا جائے یہ بات چل ہی رہی تھی کہ عبدالرحمان بن ملجم نے کہا ہم میں ہر ایک تین آدمیوں میں ایک کو قتل کر دے میں علی کو قتل کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، بہر حال اس پر بات طے ہو گئی کہ عبدالرحمان بن ملجم علی کو قتل کرنے کی غرض سے کوفہ میں رہے، معاویہ کا کام تمام کرنے کی غرض سے مبارک بن عبد اللہ دمشق چلا جائے اور عمرو مصر کی راہ لے، جہاں ان دنوں عمرو بن عاص موجود ہیں، سب اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ امیر معاویہ پر مبارک بن عبداللہ کا حملہ ناکام رہا بجائے گردن کے ایسے مقام پر ہاتھ پڑا جس سے جان کی خیر رہی اور عمر بن ابی بکر تیمی اپنے منصوبے میں اس لئے ناکام رہا کی وہ حضرت عمرو بن العاص کی شکل و صورت سے ناآشنا تھا اس لئے اس کا حملہ وہاں ناکام ہو گیا اور اس کے حملہ کا شکار کوئی دوسرا ہو گیا۔ البتہ عبد الرحمان بن ملجم مرادی کو اپنے مقصد میں کامیابی ملی۔ حضرت علی پر اس نے ایسا وار کیا

کہ وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد دوسرے دن ہی ۴۰ ھ میں امیر المومنین حضرت امام حسن نے اپنے والد بزرگ وار کی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ عبید اللہ بن ابی رافع کو اپنا سکریٹری، شریح کو قاضی اور سالم جو آپ ہی کے آزاد کردہ غلام تھے، اپنا دربان مقرر کیا، ایک مجہول روایت میں قنبر کو بھی آپ کا حاجب بیان کیا گیا ہے۔ (۱۷)

چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی، بقول ابن خلدون: سب سے پہلے قیس بن سعد نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا ”**ابسط یدک علیٰ کتاب اللہ وسنة رسولهٖ وقتال الملحدین**“ حضرت امام حسن بن علی نے جواب دیا ”**علی کتاب الله وسنة رسوله وباتیان علیٰ کل شرط**“ اس کے بعد اور لوگ بیعت کرنے لگے، آپ فرماتے جاتے تھے تم لوگ میرے کہنے سننے کو سنتے رہنا، میری اطاعت کرنا، جس سے میں صلح کروں اس سے تم بھی صلح کرنا اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے لڑنا۔“ (۱۸)

ان فقروں سے لوگوں کو شبہ ہوا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا امیر نہیں ہے اور نہ ہی جنگ کا ارداہ رکھتا ہے، حضرت امام حسن کے ساتھ ان کوفیوں کا رویہ کچھ زیادہ بہتر نہیں تھا ہمیشہ حضرت امام حسن کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے، اپنی عادت کے مطابق جو کچھ امام حسن کے ساتھ کرنا تھا اسے تو کیا ہی آپ کے برادر اصغر حضرت امام حسین کو بھی میدان کربلا پہنچا کے ہی دم لیا اور ابن زیاد جیسے گرگ باراں دید کے ایک زبردست خطبہ سے ایسے مبہوت ہوئے کہ حضرت امام حسین کو بلانے کے باوجود عمر بن سعد کے لشکر میں پہنچ کر حضرت امام حسین کے خون کے پیاسے ہو گئے اور ”**الکوفی لایوفی**“ ہونے کا مکمل ثبوت دیا۔

حضرت امام حسن ماحول کی ناسازگاری کے باعث خلافت سے دست بردار ہونا چاہتے تھے لیکن شیعہ مخالفت کے خوف سے انہوں نے یہ بات سب پر ظاہر نہیں

کی، بیعت کے کچھ عرصہ بعد وفادار فوجی اکابر (شیعہ) کے اصرار پر انہوں نے امیر معاویہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، انہوں نے بارہ ہزار فوج پر مشتمل مقدمۃ الجیش شام کی طرف روانہ کیا اور خود باقی لشکر کے ساتھ عراق کے بڑے شہروں سے محصول اور رسد فراہم کرنے کے ارادہ سے پیچھے رہ گئے، امیر معاویہ کو جب اس فوج کشی کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایک فوج کے ساتھ عراق کا رخ کیا اور ساتھ ہی جنگ روکنے کے لئے ایک وسیع الدائرہ مہم شروع کر دی، انہوں نے کچھ سفیر امام حسن کی فوج کے پاس بھیجے اور انہیں خبر دی کہ امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی ہے، اس لئے انہیں لوٹ جانا چاہیے، انہوں نے ایک وفد امام حسن کے دوسرے لشکر کے اکابر کے پاس بھیجا کہ امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی ہے، اس لئے انہیں جنگ وقتال کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے امام حسن کی فوج کے شیعی اکابر جو امیر معاویہ سے جنگ پر تلے ہوئے تھے مصالحت کی خبر سے سخت برہم ہوئے، انہوں نے باور کر لیا کہ امام حسن لڑنا نہیں چاہتے ہیں انہوں نے امیر معاویہ سے خلافت کا سودا کر لیا ہے، جب اس قسم کی خبر حضرت امام حسن کو ملی تو انہوں نے تمام لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور فرمایا:

”تم لوگوں نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی ہے کہ صلح اور جنگ میں میری پیروی کرو گے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں مجھ کو کسی سے عداوت نہیں مشرق سے مغرب تک مجھ کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت ہوا تفاق، اتحاد، اور محبت وسلامتی کو میں نااتفاقی اور دشمنی سے بہر حال بہتر سمجھتا ہوں“۔

اس خطبہ کو سن کر سبائیوں نے تمام لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت حسن حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی ان لوگوں نے حضرت حسن پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیا، اس طرح کفر کا فتویٰ لگانے کا طریقہ سبائیوں کی ایجاد ہے۔ اس شرارت سے حضرت امام حسن کے لشکر میں اختلاف پیدا ہو گیا بالآخر کافر کہنے والوں کا زور بڑھ گیا اور حضرت حسن کے خیمہ میں گھس آئے اور ان کا لباس پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا یہاں تک کہ لباس پارہ پارہ ہو گیا۔ ان اکابر کے ایما پر فوج کے ایک گروہ نے امام حسن کے خیمہ جس میں اعلیٰ قالین اور دوسرے قیمیتی سامان تھے لوٹ لیا، ایک شخص نے بلم مار کر ان کا سر زخمی کر دیا اور ایک جماعت نے ان کا خزانہ لوٹ لیا ان کے کچھ وفادار انہیں اپنی حفاظت میں اٹھا کر عراقی پایہ تخت مدائن کے قصر ابیض میں لے گئے جہاں ان کا علاج ہوا امام حسن کو صلح کے لئے مناسب موقع کی تلاش تھی وہ اس واقعہ نے فراہم کر دیا، وہ پچھلی سفارت کے سیاق وسباق کی روشنی میں امیر معاویہ سے صلح کرنے کو تیار ہو گئے اور عبداللہ بن عامر کے پاس کچھ شرائط بھیجیں کہ اگر معاویہ انہیں مان لیں تو وہ خلافت ان کے سپرد کر دیں گے۔ ان میں کچھ شرائط یہ تھے۔

۱- معاویہ کسی عراقی سے کوئی انتقام نہ لیں گے۔
۲- اسود واحمر مامون ہوں گے اور ان کی لغزشوں سے درگذر کیا جائے گا۔
۳- ہر سال اہواز کا خراج ان (حسن) کے حوالے کر دیا کریں گے۔
۴- ہر سال ان کے بھائی حسین کے لئے بیس لاکھ درہم بھجوائیں گے اور بنو ہاشم کو وظائف وصلات کے معاملے میں بنو عبد شمس پر ترجیح دیں گے۔

عبداللہ بن عامر نے یہ معاملہ معاویہ کی خدمت میں تحریر کر کے بھیجا حضرت معاویہ نے یہ تمام مطالبے اپنے قلم سے لکھ کر اس پر اپنی مہر ثبت کر دی اور بڑی فراخدلی سے پکے وعدے اور مضبوط قسمیں درج کر کے تمام روسائے شام کو اس امر پر گواہ ٹھہرا لیا اور پھر وہ عہد نامہ عبداللہ بن عامر کو بھیج دیا اس عہد نامہ کو عبداللہ نے حضرت امام حسن تک پہنچا دیا، امام حسن رضا مند ہو گئے اور قیس بن سعد کو صلح کرنے کے لئے لکھ بھیجا نیز یہ حکم بھی تحریر کر کے بھیجا کہ وہ امارت معاویہ کے حوالے کر کے خود مدائن آ جائیں۔ جب یہ خط قیس کو ملا تو انہوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا دو میں ایک بات کا انتخاب کر لو یا بلا امام جنگ کرو یا معاویہ کی اطاعت کا دم بھرو چنانچہ انہوں نے معاویہ کا اطاعت گزار ہونا قبول کر لیا۔

حضرت معاویہ وہاں سے رخصت ہو کر مدائن آئے اور حضرت امام حسن مدائن سے رخصت ہو کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ کوفہ آ گئے، جب حضرت معاویہ کو اس کی خبر ملی تو وہ بھی کوفہ جا پہنچے حضرت امیر معاویہ اور حضرت امام حسن کی ملاقات کوفہ میں ہوئی، حضرت امام حسن نے ان کے سامنے وہ شرطیں رکھیں اور وہ قسمیں از راہ تاکید دوبارہ بیان کر دیں۔ (۱۹)

وفادار اکابر جو امیر معاویہ کی خلافت کے حق میں تھے صلح کے معاہدے سے خوش ہو گئے لیکن فوج کے شیعہ اکابر کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے امام حسن کی کم ہمتی اور سودے بازی کو موضوع نقد بنا لیا، انہوں نے چاہا کہ امام حسن کے چھوٹے بھائی امام حسین کو خلیفہ منتخب کر کے اور موجودہ معاہدہ منسوخ کر کے امیر معاویہ سے جنگ کے لئے روانہ ہو جائیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ امیر معاویہ کی سفارتی کوششوں سے مقدمۃ الجیش کے سالاروں نے بھی کچھ شرطوں کے بالمقابل امیر معاویہ سے جنگ نہ کرنے اور انہیں خلیفہ تسلیم کرنے کی دستاویز لکھ دی ہے اور دوسری طرف نمائشی وفادار اکابر نے سمجھوتہ کی تصدیق کر دی ہے تو وہ کف افسوس مل کر امیر معاویہ سے اپنی خواہش جنگ کی تسکین کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے، امام حسن نے سمجھوتہ کی تائید میں فوجی اکابر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تمھاری تین حرکتوں نے تمھاری طرف سے میری طبیعت منحرف کر دی ہے۔ تم نے میرے والد کو قتل کیا، مجھے بلم مار کر زخمی کیا اور میرا خیمہ نیز مال و متاع لوٹ لیا۔ (۲۰)

صلح کے وقت یہ تحریر لکھی گئی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر حضرت امام حسن نے حضرت معاویہ سے مصالحت کی۔ پہلی بات تو یہ کہ ولایت معاویہ کو اس شرط پر سپرد کی جا رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان کتاب و سنت اور خلفائے راشدین کے اقوال کی روشنی میں فیصلہ کریں، معاویہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کریں، ان کے بعد حکومت مسلمانوں کے مشورہ سے قائم ہوگی یعنی جس کو چاہیں مسلمان باہم مشورہ کر کے اپنا امیر مقرر کر دیں اور اس شرط پر کہ مسلمان شام میں، حجاز میں، عراق میں یمن میں جہاں کہیں بھی ہوں بے خوف و خطر رہیں، انہیں ان کے مال، ان کی عورتوں، ان کی اولادوں اور ان کی جان و مال کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔ معاویہ ابن سفیان پر اللہ کا اس بات پر عہد اور میثاق ہے کہ حسن بن علی اور ان کے بھائی حسین بن علی کے ساتھ اور اہل بیت رسالت میں سے کسی ایک کے ساتھ باطن میں اور ظاہر میں کچھ کدورت نہ رکھیں اور جہاں کہیں بھی وہ ہوں انہیں نہ ستائیں فلاں فلاں اس پر شاہد ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔"

اس صلح سے اللہ کے محبوب دانائے غیوب کا وہ معجزہ ظاہر ہوا جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند ارجمند مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ حضرت امام حسن نے اس صلح کے بعد عنان خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دی اور خود اس ذمہ داری سے ربیع الاول ۴۱ھ میں سبک دوش ہو گئے۔ یہ فیصلہ کچھ آپ کے ہم نواؤں کو اچھا نہیں لگا انہوں نے طنزاً آپ کو "**عار المسلین**" کہنا شروع کر دیا تو اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت امام حسن نے فرمایا "**العار خیر من النار**" عار نار سے بہتر ہے۔

اس صلح نامہ پر عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمرو بن ابی سلمیٰ اور دوسرے اکابر کے دستخط بطور گواہ ہوئے، حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ پر حضرت معاویہ نے حضرت حسن سے خواہش کی کہ وہ مجمع عام میں ایک خطبہ دیں حضرت حسن نے خطبہ دیا اس خطبہ میں بقول مولانا عبدالرحمٰن جامی فرمایا:

اے مردماں من ہمیشہ بودم کہ فتنہ را مکروہ می داشتم امروز مصالحہ کردم و ایں کار را بمعاویہ گذاشتم اگر حق وے بود بوے رسید و اگر حق من بود بوے بخشیدم" (۲۱)

"مسلمانو! میں فتنہ کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں، ملت اسلامیہ میں فتنہ و فساد کو

دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے میں نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی ہے اور انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔ اگر خلافت ان کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے ان کو خوشی سے دے دیا۔''

اس مصالحت سے حضرت امام حسن کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ضرور ہو گیا مگر امیر معاویہ سے مصالحت سے اتحاد ملت کی پھر وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو ابتدائی تین خلفا کے زمانہ میں تھی اس خوشی میں صحابہ و تابعین نے اس سال کا نام ''**عام الجماعة**'' رکھ دیا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال۔ ڈاکٹر ابراہیم حسن لکھتے ہیں:

''ولذالک سمی هذا العام '' عام الجماعة '' لاجتماع کلمة المسلمین علیٰ شخص واحد هو معاویة.''(۲۲)

اس واقعہ کے بعد امام حسن اپنے اہل بیت اور جملہ متعلقین کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے اہل کوفہ نے تھوڑی دور تک اپنی نمناک آنکھوں سے آپ کو رخصت کیا پھر اس کے بعد تا حیات آپ مدینہ ہی میں رہے۔ ابو حنیفہ دینوری کے بقول یہاں بھی لوگوں نے آپ کو سکون سے بیٹھنے نہ دیا علی بن محمد بشر ہمدانی روایت کرتے ہیں کہ میں اور سفیان بن لیلیٰ روانہ ہوئے اور مدینہ میں حسن کے یہاں پہنچے اور ان سے ملاقات کی ان کے پاس مسیّب بن نجبہ، عبداللہ بن وداک تمیمی اور سراج بن مالک خشعی موجود تھے۔ میں نے کہا اے اہل ایمان کو ذلیل کر دینے والے السلام علیکم وہ بولے وعلیکم السلام بیٹھ جاؤ اور پھر کہنے لگے کہ میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں الٹا میں تو انہیں عزت مند کرنے والا ہوں، میں نے اگر معاویہ سے صلح کر لی ہے تو اس سے مقصد محض یہ تھا کہ تم لوگوں سے کشت و خون کو ٹال دوں، میں دیکھ رہا تھا کہ میرے ساتھی لڑائی سے جی چرا رہے ہیں۔ اور کشت و خون سے بیزار ہیں خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں کو ساتھ لے کر بھی معاویہ کی طرف کوچ کرتے جب بھی خلافت ان کے پاس پہنچ کر رہتی۔ بعد ازاں میں حضرت حسن کے یہاں سے رخصت ہو کر

حضرت حسین سے ملا اور انہیں بتایا کہ حسن نے مجھے یہ جواب دیا ہے اس پر حضرت حسین نے کہا ابو محمد تو نے سچ کہا ہے اب چاہے آپ میں سے ہر شخص خانہ نشین ہو جائے اور اس وقت تک خانہ نشین رہے جب تک یہ صاحب زندہ رہیں۔''(۲۳)

ان تمام شرطوں کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول کیا تو آپس میں صلح ہو گئی اور حسب معاہدہ اس اثنا میں امیر معاویہ انہیں پانچ لاکھ روپئے سالانہ دیتے رہے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سالانہ ایک لاکھ وظیفہ ملا کرتا تھا وہ بھی ایک سال کسی وجہ سے وظیفہ نہ مل سکا تو ہاتھ بہت تنگ ہو گیا آپ نے امیر معاویہ کو خط لکھنا چاہا دوات و قلم منگائی مگر رات جب آپ بستر استراحت پر تشریف لے گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوئی آپ نے پورا ماجرا اپنے نانا جان سے کہہ سنایا حضرت امام حسن نے جس دوات اور قلم کو امیر معاویہ کو خط لکھنے کے لئے منگایا تھا اس دوات اور قلم سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل دعا تحریر فرمائی اور یہ فرمایا کہ جو بھی اسے پڑھا کرے گا اور اس کی معاشی تنگی دور ہو گی۔

'' اللهم اُقذف فی قلبی رجائک واقطع رجائی عمن سواک حتیٰ لاارجو احداً غیرک اللهم وماضعفت عنه قوتی وقصر عنه عملی ولم تنته الیه رغبتی ولم تبلغه مسألتی ولم یجر علیٰ لسانی مما اعطیت احدامن الاولین والآخرین من الیقین فخصنی بهٖ یا رب العالمین.''(۲۳)

الٰہی میرے دل میں اپنی طرف کی امید ڈال اور دوسروں کی طرف سے امید میرے دل سے قطع کر دے یہاں تک کہ سوا تیرے اور کسی سے امید نہ رکھوں الٰہی میری قوتوں کو ضعیف نہ کر اور مجھ سے میرے عملوں کو کم نہ کر اور میری رغبت کسی اور کی طرف نہ کر اور مجھ سے کسی دوسرے سے سوال نہ کر اور میری زبان پر وہ چیزیں نہ لا جو تو نے دوسروں کو عطا کی ہیں اور میرے دل میں وہی یقین ڈال جو اولین اور آخرین کو عطا فرمایا اور یا الٰہی تو مجھے اپنا خاص بندہ کر لے۔

ہشام کے والد کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن نے اس دعا کو پڑھنا شروع کیا ابھی پورا ایک ہفتہ بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ حضرت امیر معاویہ نے آپ کے پاس پانچ لاکھ روپۓ بھیج دئے۔ اس پر آپ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے جو اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا اور اپنے سے مانگنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا آپ نے اپنے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں پھر دیکھا نانا جان نے فرمایا اے حسن کیسے ہو؟ آپ نے عرض کیا اچھا ہوں امیر معاویہ نے پانچ لاکھ بھیج دئے ہیں نانا جان نے فرمایا بیٹا خالق سے مانگنے اور مخلوق سے التجانہ کرنے کا یہی اثر ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن چوں کہ علوم نبوی کے وارث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور قائم مقام تھے اس لئے بعد صلح امام کی عظمت اور مرتبۂ جلالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ (۲۵)

آپ خلافت کے معاملات چھ ماہ تک انجام دیتے رہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "**الخلافة من بعدی ثلاثون سنة ثم یصیر ملکاً عضوضاً.**" (خلافت مرے بعد تیس سال رہے گی اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی) اس میں انتیس سال چھ ماہ کی مدت تک پہلے چار خلفائے کرام حکمراں رہے باقی چھ ماہ حضرت امام حسن نے پورے کیے، جب آپ نے دیکھا کہ امیر معاویہ طلب حکومت میں بے اختیار ہیں اور اس معاملے میں مسلمانوں کا خون بہے گا آپ نے حضرت معاویہ سے صلح کر کے حکومت ان کے حوالے کر دی اور خود مدینہ منورہ میں گوشہ نشین ہو کر مشغول بحق ہو گئے۔ (۲۶)

اولاد و ازواج

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے سلسلے میں مورخین میں اختلاف ہے کسی نے کہا کہ آپ کے ۱۲ بیٹے تھے کسی نے ۱۱ بیٹوں کا اعتراف کیا ہے کسی نے کہا ہے کہ آپ کے آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱- زید ۲- حسن مثنیٰ ۳- عمرو ۴- عبداللہ ۵- قاسم ۶- حسین ۷- عبدالرحمان ۸- عبداللہ ثانی ۹- محمد ۱۰- ابوبکر ۱۱- طلحہ ۱۲- محمد ثانی

پانچ بیٹیاں

۱- ام الحسن، ۲- ام عبداللہ، ۳- ام سلمہ، ۴- ام الحسین، ۵- ام تماضر

بعض نے صرف تین بیٹیوں کا اعتراف کیا ہے بعض مورخین نے آپ کی اولاد کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

۱- زوجہ ام بشیر بنت ابوسعود سے دو بیٹے:
(۱) زید بن حسن اور دو بیٹیاں (۱) ام الحسن (۲) ام الحسین تھیں۔

۲- زوجہ خولہ بنت منظور فزاریہ سے:
(۱) حسن بن مثنیٰ متولد ہوئے

۳- تیسری زوجہ سے:
(۱) عمرو بن حسن (۲) قاسم (۳) عبداللہ پیدا ہوئے۔

۴- چوتھی زوجہ سے
(۱) عبدالرحمان بن حسن پیدا ہوئے۔

۵- پانچویں زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ سے:
(۱) حسن اثرم (۲) طلحہ (۳) فاطمہ کی ولادت ہوئی۔

۶- اور حضرت کی دوسری صاحبزادیاں ام عبداللہ، فاطمہ، ام سلمہ، ورقیہ اور دوسری بیویوں سے تھیں۔ (۲۷)

وفات حسرت آیات

مدینہ میں اقامت فرمانے کے بعد پورے یا کم وبیش دس سال تک بقید حیات رہ کر اپنی زندگی بڑے سکون کے ساتھ بسر کی اس امن ومان کی حالت میں آپ کے لئے وہ وقت آ گیا جو سب کے لئے مقرر ہے یعنی ۴۹ھ اور بقول ابوالفرج اصفہانی ۵۱ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ وقت وصال حضرت امام حسن نے اپنے برادر خورد حضرت امام حسین سے فرمایا:

’’بھائی تمہارے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہنچی پھر میان سے تلواریں نکل آئیں اور یہ معاملہ طے نہ ہوا واللہ میں یہ پوری طرح سمجھ رہا ہوں کہ اب ہمارے خاندان میں نبوت اور خلافت جمع نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بھی جان رہا ہوں کہ سفہائے کوفہ تمہیں یہاں سے نکال دیں گے میں نے حضرت عائشہ سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھے جناب رسول اللہ کے پاس دفن ہونے کے لئے جگہ دے دیں اس وقت انہوں نے وعدہ فرمایا تھا جس وقت میرا انتقال ہو جائے تم انہیں وعدہ یاد دلا دینا مگر مجھے خیال ہے کہ جب تم دریافت کرو گے تو لوگ مانع ہوں گے اگر وہ مانع ہوں تو تم اصرار نہ کرنا چنانچہ حضرت امام حسین نے آپ کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا اور آپ نے اجازت دے دی مگر اس وقت وہاں کا گورنر بیچ میں مانع آیا اس بات پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے تلواریں کھینچ لیں مگر حضرت ابو ہریرہ نے منع کر دیا اور حضرت امام حسن کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔‘‘ (٢٨)

حضرت ابن سعد معمران بن عبداللہ ابن طلحہ سے روایت کی کہ کسی نے وقت وصال حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی دو چشم کے درمیان ’’**قل ھو اللہ احد**‘‘ لکھی ہوئی ہے آپ کے اہل بیت میں اس خبر سے بہت خوشی ہوئی لیکن یہ خواب جب حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ واقعی اگر یہ خواب دیکھا ہے تو حضرت امام حسن کی عمر کے چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ یہ تعبیر صحیح واقع ہوئی اور بہت قریب زمانے میں آپ کو زہر دے دیا گیا زہر کے اثر سے اسہال کبدی لاحق ہوئی اور بالآخر اس مرض موذی میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ کی وفات کے تعلق سے کئی رواتیں مشہور ہیں پہلی روایت تو یہی بہت مشہور ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث یا اسماء بنت اشعث نے زہر دیا اور

زہر دینے کا اشارہ حضرت معاویہ یا یزید کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسن کی وفات کے بعد وہ یزید کے نکاح میں جا سکے گی مگر ایسا نہ ہوسکا کیوں کہ یزید نے یہ کہا کہ جب میں تجھ کو حسن کے نکاح میں دیکھنے کا روادار نہ تھا تو اپنے نکاح میں تجھ کو کیوں کر پسند کر سکتا ہوں۔

اس تعلق سے ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ معاویہ نے زہر آلود کپڑا از وجہ حسن کو بھیجا تھا جس کو جسم پر لگانے سے حسن کے جسم میں زہر پیوست ہو گیا اور دوسری روایت شربت زہر ارسال کرنے کی بھی ملتی ہے حضرت امام حسن کی وفات کے بعد جعدہ یا اسماء جب ایفائے وعدہ کے بعد معاویہ کے پاس گئی تو انہوں نے کہا کہ تو نے نبیرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟ اس لئے تو میرے فرزند کے لائق ہر گز نہیں اور پھر اس کا سر اتارنے کا حکم دیا گیا اور حکم کے مطابق سر اتار لیا گیا۔ مگر یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کیوں کہ جعدہ کے فعل کو ایک مجرمانہ فعل قرار دے کر قانونی کاروائی اس کے ساتھ کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حکومت کی ایما سے اس نے ایسا کیا ہوتا تو حکومت اس کو بچانے کے لئے وجوہات پیش کرنے میں کوتاہی نہ کرتی۔ ان واقعات سے تاریخ سازی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ اصل وہی ہے جو تاریخ دمشق کے مصنف نے لکھا ہے کہ چالیس دن آپ مسلسل اسہال کی بیماری کے شکار رہے جب علاج سے آپ کو آرام نہ ملا تو جناب حسن کو زہر کا شبہ ہوا مگر کسی کا نام معلوم نہ ہوسکا اور نہ یقین کے وجوہات ملے اور اسی لئے امام حسین کے دریافت کرنے پر آپ نے وہ الفاظ فرمائے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ مرض اسہال نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہو اور آپ کو دنیا میں زیادہ عرصہ نہ رہنے دیا ہو۔

بعض مورخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن کو چار بار زہر دیا گیا تین بار وہ بچ گئے لیکن چوتھی بار وہ جانبر نہ ہو سکے، اخبار و آثار کے ناقلین نے زہر دینے کی صاف توجیہ نہیں کی ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے ان کی بعض غیرت مند بیویاں زہر دیا کرتی تھیں چوتھی بار ان کی اپنی ہی ایک بیوی نے جس کا نام جعدہ تھا اور

جو حضر موت کے کندی رئیس اشعث بن قیس کی لڑکی تھی زہر دے کر انہیں ابدی نیند سلا دیا اس وقت ان کی عمر لگ بھگ ۴۷ سال کی تھی۔ (۲۹)

زہر خورانی کے تعلق سے یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ زہر خورانی کے حوالہ سے حضرت امام حسن کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے یہ ایک بدترین تبرا ہے عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کے افترا بازی پر ہو، جب کہ صحیح اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت امام حسن کثیر التزوج تھے اور آپ نے سو کے قریب نکاح کیے اور طلاقیں دیں بسا اوقات آپ نے ایک دو شب بعد طلاق دے دی، آپ کے والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بار بار اعلان فرماتے تھے کہ امام حسن کی عادت ہے کہ یہ طلاق دے دیا کرتے ہیں کوئی اپنی لڑکی ان کے ساتھ نہ بیاہے مگر مسلمان بیبیاں اور ان کے والدین یہ تمنا کرتے تھے کہ امام حسن کی کنیز ہونے کا شرف حاصل ہو جائے یہ اسی کا اثر تھا کہ حضرت امام حسن جن عورتوں کو طلاق دیتے تھے وہ اپنی باقی زندگی حضرت امام کی محبت میں شیدانہ گذار دیتی تھیں اور ان کی حیات کا لمحہ لمحہ حضرت امام حسن کی یاد اور محبت میں گزرتا تھا۔ ایسی صورت میں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ امام حسن کی کوئی بیوی حضرت امام کے فیض صحبت کی قدر نہ کرے اور یزید پلید کی طرف ایک طمع فاسد سے امام جلیل کے قتل جیسے سخت جرم کا ارتکاب کر ڈالے۔ (۳۰)

حضرت امام حسن کی شہادت کے تعلق سے ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ کی طبیعت کی خرابی کے سالوں گذر گئے تو آپ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ دو برس سے میں یہاں علیل ہوں لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ تبدیلی آب و ہوا کی خاطر موصل میں کچھ دنوں قیام کروں شاید وہاں طبیعت بحال ہو جائے اور ساتھ ہی اعدا کے مکر سے بھی نجات ملے آپ حضرت ابن عباس اور چند خدام کے ہمراہ موصل چلے گئے کسی صورت یہ خبر دمشق پہنچی وہاں ایک نابینا بد بخت موجود تھا جو اہل بیت نبوت کا بہت بڑا دشمن تھا اس نے موقع غنیمت سمجھا اپنی لکڑی کی سناں کو زہر میں بجھایا اور حضرت امام حسن کے قتل کے واسطے موصل آیا امام عالی مقام سے ملا اور بہت ہی خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا ساری نمازیں آپ کے پیچھے پڑھتا اور جب حدیث بیان کرتے تو مکر سے زار و قطار روتا اور ہر لمحہ اسی انتظار میں رہتا کہ کب موقع ملے اور میں اپنا کام تمام کروں ایک روز امام نماز پڑھ کر نکلے اور مسجد کے باہر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے وہ نابینا لکڑی زمین پر ٹیکتا ہوا آیا اتفاقاً لکڑی کی سنان امام کے پیر کی پشت پر پڑی اور سمجھ گیا کہ امام کے پیر کی پشت پر سنان ہے تو اس نے لکڑی پر زور دے کر دبایا وہ لکڑی پائے مبارک میں گھس گئی۔ زخم سے خون جاری ہونے لگا حضرت امام حسن کو اس سے سخت صدمہ پہنچا حضرت ابن عباس نے اس کو پکڑ کر مارنے کا قصد کیا تو امام حسن نے فرمایا اسے چھوڑ دو جس طرح یہ ظاہر میں اندھا ہے اسی طرح یہ باطن میں بھی اندھا ہے اور قیامت میں بھی اندھا ہی اٹھے گا حضرت امام حسن کے فرمانے پر حضرت ابن عباس نے اسے چھوڑ دیا بہر حال واقعہ کوئی بھی ہوا اتنا طے ہے کہ آپ کی موت کا سبب زہر ہی تھا خواہ وہ کھلایا گیا ہو یا کسی طرح آپ کے جسم میں پہنچایا گیا ہو۔

حضرت امام حسن کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے دس سال حکومت کی اور ۱۵؍رجب المرجب ۶۰ھ میں طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر دمشق میں رحلت فرمائی۔

مسعودی کے بقول: بقیع میں اس مقام پر جہاں آپ کی قبر اطہر ہے ایک سنگ رخام (کا کتبہ) موجود ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

" الحمد للہ مبید الامم ومحی الرمم ھذا قبر فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدة نساء العالمین ، والحسن بن علی بن ابی طالب وعلی بن الحسین بن علی ، ومحمد بن علی ، وجعفر بن محمد رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ."

یعنی مستحق حمد و ثنا خدا ہی ہے جو قوموں کو ہلاک اور خاک کے ڈھیر کو زندہ کرتا ہے یہ قبر (۱) فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو سردار زنان بہشت ہیں اور (۲) حسن بن علی بن ابی طالب (۳) علی بن حسین بن علی (۴) محمد بن علی (۵)

جعفر بن محمد کی اللہ ان سب سے راضی ہے۔ (۳۱)

بیشتر سوانح نگاروں نے حضرت اعمش کے حوالے سے لکھا ہے کہ کسی نا ہنجار نے حضرت امام حسن کی قبر اطہر پر گندگی کر دی یعنی رفع حاجت کر لیا اس عمل سے اس پر ایسا عذاب الٰہی نازل ہوا کہ اس کو جنون ہو گیا اور وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا اور یہاں تک کہ وہ بھونکتے بھونکتے مر گیا۔ جب وہ دفن کیا گیا تو اس کی قبر سے بھی کتے کے بھونکنے کی سی آواز سنائی دینے لگی اور مسلسل ایسا ہی ہوتا رہا۔ (۳۲)

۲۰۰۶ء میں جب راقم السطور کو زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل ہوا تھا تو حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور خاندان کے دیگر افراد کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا تھا مگر وہاں زمین مسطح ملی نجدیوں نے تمام صحابۂ کرام کی قبروں کی طرح ان خاندان نبوت کی قبروں کو بھی مسمار کر دیا ہے۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔ (آمین)

مصادر و مراجع

۱- مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی، ص۵۶۹، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۶ء
۲- حدائق بخشش، امام احمد رضا خاں قادری، حصہ دوم ص ۵، کانپور
۳- حدائق بخشش، امام احمد رضا خاں قادری، حصہ دوم، ص ۸۷، کانپور
۴- تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، (ترجمہ) ص۲۰۰، دہلی
۵- مراۃ الجنان، یافعی جلد اول، ص۱۲۳
۶- تاریخ ائمہ، سید حیدر علی، ص ۲۴۷، کھجوا مطبوعہ ۱۳۵۲
۷- تاریخ الخلفاء، ص۲۰۲
۸- مشکوٰۃ المصابیح، ص۵۶۹
۹- اسوہ صحابہ، ص۱۸۹، دار المصنفین اعظم گڑھ
۱۰- الجامع الصحیح للبخاری، جلد اول، ص۵۳، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۰ھ
۱۱- مرأۃ الاسرار، عبدالرحمٰن چشتی، ص ۱۹۸، دہلی ۱۹۹۷ء

۱۲- تاریخ ائمہ، ص۲۵۱
۱۳- شواہد النبوہ، عبدالرحمٰن جامی، ص۳۰۳، دہلی ۱۲۷۱ھ
۱۴- شواہد النبوۃ، ص۳۰۲
۱۵- ملت اسلامیہ کی تاریخ، محمود علی قیصر، ص۱۸۳، حیدر آباد ۱۹۹۳ء
۱۶- ملت اسلامیہ کی تاریخ، محمود علی قیصر، ص۱۸۲
۱۷- التنبیہ والاشراف، المسعودی، ص۱۵۹، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد ۱۹۲۶ء
۱۸- تاریخ ابن خلدون، جلد چہارم، ص۳۵۲، الہ آباد ۱۳۴۸ھ
۱۹- الاخبار الطّوال، ابو حنیفہ دینوری، ص ۳۹۵، لاہور ۱۹۸۶ء
۲۰- تاریخ اسلام، خورشید احمد فارق، ص۲۶۳، بحوالہ طبری، جلد ۶ ص۹۲، دہلی مئی ۱۹۵۸ء
۲۱- شواہد النبوۃ، ص۲۹۲
۲۲- التاریخ العالم الاسلامی، ابراہیم حسن، ص۲۶۴، قاہرہ ۱۹۶۳ء
۲۳- الاخبار الطّوال، ص۳۹۸
۲۴- تاریخ الخلفا، ص۲۰۶
۲۵- تاریخ کربلا، صفدر علی قادری، ص۶۹، مطبوعہ ۱۹۷۷ء
۲۶- مرأۃ الاسرار، ص۱۹۹
۲۷- سعد الاخبار، ولایت علی حنفی، ص۴۸، اکبر آباد ۱۳۱۶ھ
۲۸- تاریخ الخلفا، ص۲۰۷
۲۹- سوانح کربلا، سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، ص۱۷، ناگپور
۳۰- تاریخ اسلام، خورشید احمد فارق، جلد اول، ص ۲۵۸، بحوالہ ابن عبدالبر، جلد اول، ص۱۴۱
۳۱- التنبیہ والاشراف، ص۱۵۸
۳۲- تاریخ ائمہ، ص۲۶۰

حضرت امام حسین: حیات ومناقب

مولانا منظر الاسلام ازہری، امریکہ

نام ونسب

حسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ابو عبد اللہ قرشی ہاشمی۔ زہرا بتول دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ار جمند علی مرتضی کے لخت جگر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ ہیں۔ اپنے بڑے بھائی سیدنا حسن جن کی پیدائش تیسری ہجری میں ہوئی کے بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ (البدایہ والنھایہ ۴۷۳/۱۱)

علامہ ابن حجر نے امام حسین کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی ابو عبد اللہ مدنی اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، دنیا میں ان کے پھول، سرداران جنت میں سے ایک ہیں... زبیر بن بکار کے مطابق ان کی پیدائش پانچ شعبان ۴ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب، ۲۹۹/۲)

قتادہ کے مطابق اکسٹھ ہجری، دس محرم بروز جمعہ ستاون سال چھ مہینہ کی عمر میں مقام کربلا میں شہید کر دئے گئے۔ (البدایہ والنھایہ ۴۷۳/۱۱)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت سیدنا حسین کی عمر چھ سال گیارہ مہینے تھی۔ (صحیح ابن حبان، ۱۸۹/۳ حدیث نمبر ۹۰۹)

پیدائش کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیك فرمائی یعنی کھجور اپنے دندان مبارک سے چبا کر نومولود کے منھ میں دیا اور اپنے لعاب دہن سے بھی نومولود کے منھ کو سرفراز کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دعائیں دیں اور ان کا م نام حسین رکھا۔ ان کے والد نے ان کا نام حرب رکھا تھا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر حسین نام رکھا۔ بعض روایت کے مطابق ان کا نام جعفر رکھا گیا تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین رکھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز نام رکھا گیا اور اسی دن عقیقہ بھی کیا گیا۔ (البدایہ ۴۷۴/۱۱)

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے قارئین ایک عجیب وغریب روایت پر نظر ڈالتے چلیں۔ اس روایت کا تعلق امام حسین کے صحابی ہونے اور صحابی نہ ہونے سے ہے۔ میں نے اسے عجیب وغریب اس لئے کہا ہے کہ قارئین کے لئے بھی یہ عجیب وغریب ہی ہوگی۔

اصل میں علم روایت کی ایک پریشانی یہ ہے کہ اگر راوی باشعور نہ ہو یا علمی اعتبار سے روایت حدیث کے معانی ومفہوم کو پرکھنے کا شعور نہ ہو تو حاطب لیل کی طرح ہر اونے پونے چیز کو روایت کر دیتا ہے اور بعد میں سیدھے سادھے محققین اپنی تحقیقی قلابازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح کی روایتوں کو محدثین عجیب وغریب روایت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس قسم کی ایک عجیب وغریب روایت سیدنا حسن سے متعلق سماعت کیجئے۔

صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ حسن بن علی ثقہ تابعی ہیں۔ (البدایہ ۴۷۴/۱۱)

اگر امام حسن تابعی ہوں گے تو سیدنا حسین کو بدرجہ اولی تابعی ہونا چاہیے کیوں کہ یہ بات طے ہے کہ حسین رضی اللہ عنہما حسن رضی اللہ عنہما سے چھوٹے تھے۔ جبکہ ایک درجن سے زیادہ صحیح روایتیں اس بات کی شاہد ہیں ان دونوں کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا اور ان سے اپنی محبت کا ہر وقت اعلان کیا اور ان کے ساتھ خلوت وجلوت میں کھیلتے بھی رہے۔ غالبا یہی وجہ تھی کہ ابن کثیر کو یہ کہنا پڑا کہ مذکورہ روایت غریب ہے اور اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو حسین کا تابعی ہونا بدرجہ اولی ثابت ہوگا! (البدایہ ۴۷۴/۱۱)

فضائل ومناقب

احادیث، سیر، تواریخ کی کتابیں امام حسین کے فضائل ومناقب سے بھری ہیں۔ فضائل ومناقب کے ابواب میں ایک بڑا حصہ شیعی روایتوں کا بھی ہے جس میں اہل بیت اور خاص طور پر امام حسین کی شان میں ایسی ایسی روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو عقل سلیم کسی طرح بھی قبول نہیں کرسکتی۔ میں ان موضوع روایتوں سے یکسر اجتناب کروں گا اور جو کچھ بھی فضائل ومناقب میں ذکر کی جائیں گی اس کا تعلق ثقہ راویوں کی روایتوں سے ہوگا۔ بخاری ومسلم کی روایتوں کے علاوہ دیگر کتب حدیث اور تواریخ کی صحیح روایتوں میں امام حسین کی ایسی فضیلت موجود ہے کہ موضوعات کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

علامہ ابن کثیر نے اپنی معروف تصنیف ''البدایہ والنہایہ'' میں امام حسین کی حیات کے ضمن میں زبیر بن بکار کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا حسین کا جسم، جسم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھا۔ (البدایہ ۴۷۴/۱۱)

ابن کثیر نے ایک دوسری روایت میں حضرت انس کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ جب امام حسین کا سر ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔ ابن زیاد چھڑی ان کی ناک میں ڈال کر کہہ رہا تھا اس طرح خوبصورت کبھی دیکھا نہیں۔ انس نے کہا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ (البدایہ ۴۷۴/۱۱)

سفیان کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن یزید سے میں نے پوچھا کہ حسین کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا ہاں ان کے سر کے بال کالے تھے، ان کی داڑھی کے اگلے حصہ میں چند بالوں کے علاوہ سارے بال کالے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے خضاب لگا کر اس حصہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کے لئے چھوڑ رکھا تھا یا یہ کہ ایسا حقیقت میں تھا۔ (البدایہ ۴۷۴/۱۱)

محمد بن ضحاک بن عثمان خزاعی کی روایت کے مطابق سیدنا الحسین رضی اللہ تعالی عنہ کا جسم مبارک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے مشابہ تھا۔ طبرانی نے اس کی روایت ثقہ راویوں کے حوالہ سے روایت کی ہے (مجمع الزوائد ۱۸۵/۹، باب مناقب الحسین بن علی علیہما السلام)

ابن حجر نے حضرت سیدہ فاطمہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ امام حسن وحسین کو بارگاہ رسول میں لے کر آئیں اور عرض کیا: یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں، انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا کر دیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسن کو میں اپنی ہیبت اور سرداری کا وارث بناتا ہوں اور حسین کو اپنی جرأت وسخاوت کا وارث بناتا ہوں۔ (تہذیب التہذیب ۲۹۹/۲)

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور کئی محدثین نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے گا اللہ تعالی اس سے محبت کرے گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں صاحبزادوں سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ امام احمد کی روایت کے مطابق ایک روز نبی اکرم نماز کے سجدے میں تھے کہ دونوں شہزادے پشت انور پر سوار ہو کر کھیلنے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ اتنا طویل کر دیا کہ صحابہ کرام میں سے بعض یہ سوچنے لگے کہ شاید وحی کا نزول ہونے لگا ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد جب دریافت کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے شہزادے پشت پر سوار ہو کر کھیل رہے تھے اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان کا کھیل مکمل ہونے سے پہلے سجدے سے سر اٹھالوں۔

امام حسین کی فضیلت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت سے متعلق یہ تو چند مثالیں تھیں، کتب احادیث اس طرح کی درجنوں مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

زہد وعبادت

امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی پرورش نبوی ماحول میں ہو رہی تھی۔ چلتے

پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان کے پیش نظر تھی۔ یوں بھی قدرت نے امام حسین کا شمار مقربین میں کر رکھا تھا۔ لہذا یہ لازمی بات تھی کہ امام حسین کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اسوہ رسول کا آئینہ دار ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا تذکرہ محدثین اور تمام سیرت نگاروں نے صحیح سند کے ساتھ اس طور پر کیا ہے کہ رات میں جب قیام کرتے تو آپ کے قدم مبارک میں ورم آ جاتا۔ کہتے ہیں کہ امام حسین کی عبادت کا بھی یہی حال تھا کہ وہ رات رات بھر قیام میں گذار دیتے اور کثرت کے ساتھ دن میں روزہ رکھتے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں امام حسین سے متعلق ابن زبیر کا ایک طویل خطبہ نقل کیا ہے۔ اس خطبہ میں ابن زبیر نے اہل عراق کی بے وفائی اور کوفیوں کی شرارت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور امام حسین کے اوصاف کو تفصیلاً بیان کیا ہے، جس میں انہوں نے امام حسین کی عبادت کا ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”واللہ لقد قتلوہ طویلا باللیل قیامہ، کثیرا فی النھار صیامہ أحق بما ھم فیہ منھم وأولی بہ فی الدین والفضل.“(تاریخ طبری ۳/۳۴۷)

خدا کی قسم! انہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو رات بھر قیام کیا کرتے تھے، دن میں روزے رکھا کرتے تھے۔ جن چیزوں کے یہ لوگ دعویدار ہیں وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ دین اور فضیلت میں بھی ان کا مقام سب سے زیادہ تھا۔

حرم الٰہی سے امام حسین کو اس قدر محبت تھی کہ ابن عسا کر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ امام حسین نے پچیس مرتبہ پیدل حج کیا ہے۔

غربا پروری

مسکینوں سے محبت کرنا، ان کی دلجوئی کرنا اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا حصہ ہے۔ یہ اوصاف نواسہ رسول میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے اس ضمن میں بڑا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ میں امام قرطبی کی تفسیر کے حوالہ سے یہاں اس واقعہ کو نقل کرتا ہوں۔

سیدنا حسین سے مروی ہے کہ ان کا گذر کچھ مسکین لوگوں کے پاس سے ہوا یہ لوگ روٹیوں کے چند ٹکڑے سامنے رکھ کر کھا رہے تھے۔ انہوں نے سیدنا حسین کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ سیدنا حسین ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا تکبر کرنے والوں کو مسکینوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں۔ پھر فرمایا: میں نے آپ لوگوں کی دعوت قبول کر لی اب آپ لوگ میری دعوت قبول کیجئے اور میرے ساتھ تشریف لائیے۔ کہتے ہیں کہ آپ سارے مسکینوں کو اپنے گھر لائے اور کھانا کھلایا اور کچھ اور عطا بھی کیا، پھر وہ سب مسکین واپس ہو گئے۔ (تفسیر قرطبی، ۹۵/۱۰)

امام حسین کا علمی مقام

صحابہ کرام عام طور پر نبوی علوم سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ جس نے جس قدر وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صرف کی اس نے اسی قدر علم و فقاہت بھی حاصل کی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو نبوی نگاہ کا نور عین رہا ہو، جس کے ہونٹوں کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ہو اور جس کی پیاس خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی چسا کر بجھائی ہو، اس کے علم وفضل کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ یقیناً علم وفضل اور فصاحت و بلاغت کے ایسے اوج ثریا پر فائز ہوگا جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی علمی برتری کا کیا کہنا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور شاعری میں یکساں مہارت تھی۔ جب کوئی مسئلہ ان کے سامنے آتا تو بغیر کسی پریشانی کے حل کر دیتے۔ فقہ و بلاغت کا مسئلہ سامنے آتا تو بڑی خوش اسلوبی سے حل کرتے۔ ادب اور شاعری تو ان کے گھر کا غلام ہی رہی ہے۔

ابن عمر نے ایک موقع پر امام حسن اور حسین دونوں کے علمی مقام و مرتبہ اور علمی دلچسپی کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں شہزادے علم کو بڑی اہمیت دیا کرتے ہیں۔ (تاریخ بغداد، ۳٦٦/۹)

علم حدیث کے ذخیرہ میں ان سے کئی روایتیں موجود ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی روایتیں بڑی نمایاں ہیں۔ امام بزار نے اپنی مسند میں سیدنا حسین کے چار مسانید کا تذکرہ کیا ہے۔ امام حسین کے حوالہ سے مروی تمام روایتوں کا احاطہ تو مشکل

ہے مگر چند روایتیں بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

دارقطنی نے نماز کے ابواب میں ایک حدیث سیدنا حسین کے طریقہ پر اس طرح تخریج کی ہے:

”عن الحسين بن علي عن علي ابن ابی طالب عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: يصلي المريض قائما ان استطاع، فان لم يستطع صلى قاعدا، فان لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه، فان لم يستطع أن يصلي قاعدا صلى على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، فان لم يستطع أن يصلي على جنبه الأيمن صلى مستلقيا ورجلاه مما يلي القبلة.“ (سنن الدارقطنی، حدیث نمبر ۱۴۹۶)

سیدنا حسین اپنے والد سیدنا علی کے حوالہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص بیمار ہو اور کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو تو اسے کھڑا ہو کر نماز پڑھنا چاہیے۔ اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر سجدہ کرنے میں دشواری ہوتی ہو تو سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھک کر رکوع وسجدہ میں فرق کرے۔ اگر اس کی بھی صلاحیت نہیں ہے تو دائیں پہلو پر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہیں ہے تو لیٹ کر نماز ادا کرے۔

امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا حسین کی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے دروازہ پر دستک دی سیدہ فاطمہ بھی گھر میں موجود تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ لوگ نماز نہیں پڑھیں گے؟ سیدنا علی نے جواب دیا: یارسول اللہ، ہمارے امور اللہ تعالی کے حوالہ ہیں، جب وہ چاہے گا ہم اپنا کام کرلیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر واپس چلے گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے اور قرآن کی ایک آیت تلاوت کی جس کا مفہوم ہے: انسان بہت زیادہ بحث ومباحثہ کا عادی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم

۱/۵۳۷، حدیث ۷۷۵)

امام نسائی نے اپنی سند سے یہ حدیث اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

ابو علی کہتے ہیں کہ حسین بن علی نے اپنے والد علی کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے (علی) ایک دن ان سے وضو کے لئے پانی مانگا۔ سیدنا علی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھویا، پھر تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک صاف کی، تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھویا، پہلے تین مرتبہ اپنے دائیں ہاتھ اور تین مرتبہ اپنے بائیں ہاتھ کو کہنیوں تک دھویا، ایک مرتبہ سر کا مسح کیا، پھر دایاں پاؤں تین مرتبہ اور اسی طرح بایاں پاؤں تین مرتبہ ٹخنون تک دھویا۔ اس کے بعد کھڑے ہو کر مجھ سے فرمایا کہ برتن اٹھاؤ۔ میں نے بچا ہوا پانی کا برتن اٹھایا، پھر انہوں نے اس پانی کو پی لیا۔ سیدنا حسین کہتے ہیں کہ مجھے ان کے اس عمل سے بڑا تعجب ہوا۔ میں تعجب کی نگاہ سے دیکھ ہی رہا تھا کہ انہوں نے فرمایا: تعجب میں پڑنے کی کوئی بات نہیں ہے میں نے آپ کے باپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ (سنن نسائی، ۱/۶۹، حدیث نمبر ۹۵)

ابن حبان نے اپنی سند سے امام حسین کے حوالہ سے یہ حدیث تخریج کی ہے:

”عن علي بن حسين عن أبيه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: ان البخيل من ذكرت عنده فلم يصل علی.“ (صحیح ابن حبان ۳/۱۸۹، حدیث ۹۰۹)

سیدنا حسین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فاطمہ بنت حسین کی ایک روایت امام حسین کے حوالہ سے ذکر کی ہے جس میں ہے کہ امام حسین نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”للسائل حق وان جاء على فرس.“ (ابن کثیر ۴/۲۳۵)

بھکاری اگر گھوڑے پر بھی سوار ہو کر آئے تو اس کا حق اسے دینا چاہیے۔

میں نے حدیث و تفسیر اور دیگر کتب سے یہ چند مثالیں پیش کی ہیں مگر جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ صحاح میں امام حسین سے متعدد روایتیں موجود ہیں۔ اس حدیث دانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجر نے تہذیب میں امام حسین کا تعارف کرانے کے بعد ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے نانا، اپنے والد، اپنی والدہ، اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ اور عمرو رضی اللہ عنھم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں حسن، ان کے صاحبزادے علی وزید، شہزادی سکینہ و فاطمہ، پوتے ابو جعفر الباقر، شعبی، عکرمہ، کرز تیمی، سنان بن ابی سنان دؤلی، عبد اللہ بن عمرو بن عثمان، فرزدق اور محدثین کی ایک جماعت سرفہرست ہیں۔
(تہذیب التہذیب ۲/۲۹۹)

امام حسین کے فتوے

زہد و تقوی اور علم و ہنر میں اعلی درجہ پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ امام حسین کو فقہ و افتا میں بھی پورا درک حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن قیم جوزیہ نے فقہاء صحابہ کی ایک فہرست ذکر کرنے کے بعد کہا کہ صحابہ میں ان حضرات کے علاوہ جو لوگ فتوی دینے کی صلاحیت رکھتے تھے ان میں ابو درداء، ابوعبیدہ بن جراح، اور حسن و حسین بھی ہیں۔

ابن عبد البر نے استیعاب میں امام حسین کے حوالہ سے کئی مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی ہے کہ ابن زبیر نے امام حسین سے پوچھا ابوعبد اللہ آپ یہ بتائیے کہ:

”متی یجب عطاء الصبی؟ قال اذا استھل وجب عطاؤہ ورزقه.“

اس کے بعد کھڑا ہو کر پینے کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو امام حسین نے ایک برتن منگایا اور اس میں دودھ دوہ کر کھڑے ہو کر پی لیا۔ (استیعاب ۱/۳۹۹)

بلاغت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے جوامع کلم سے سرفراز کیا ہے۔ اس لئے حدیث پاک کے مختصر جملوں میں معانی کا بحر ذخار نظر آتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف خاص کے وارث ہوئے۔ نہج البلاغۃ اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ تعالی عنہ نبوی چشمہ فیض کے ساتھ ساتھ علوی فیضان کرم سے بھی سرشار ہوئے اس لئے ان کے اندر بھی فصاحت و بلاغت کی خوبی پوری طرح موجود تھی۔ برمحل جامع و مانع کلام کرنا ان کے کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ مصری ادیب عباس العقاد نے اپنی کتاب میں سیدنا حسین کے برمحل کلام کی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔ چند مثالوں کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے۔

سیدنا حسین نے حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ سے الوداع کرتے وقت یہ کہا:

”یا عماہ! ان اللہ قادر أن یغیر ما قد تری. واللہ کل یوم فی شأن. وقد منعک القوم دنیاھم ومنعتھم دینک. وما أغناک عما منعوک وأحوجھم الی ما منعتھم. فاسأل اللہ الصبر والنصر. واستعذ به من الجشع والجزع. فان الصبر من الدین والکرم. وان الجشع لا یقدم رزقا والجزع لا یؤخر أجلا.“ (عبقریات، ص۲۲۲)

فصاحت و بلاغت اور موقع محل کے اعتبار سے فوراً ایسا کلام کر دینا جو مخاطب کے دل میں پوری طرح اتر جائے امام حسین کا طرۂ امتیاز تھا۔ ذیل میں ان کی مہارت کا ایک واقعہ عباس العقاد کے حوالہ سے ملاحظہ کیجیے۔

ایک اعرابی مسجد حرام میں آیا تو دیکھا کہ امام حسن اپنے مریدین کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ مریدین نے تعارف کرایا تو اعرابی نے کہا میں ان سے ہی ملنے آیا ہوں اور میرا مقصد یہ ہے کہ ان سے بات چیت کروں اور عربی کے سخت سے سخت الفاظ کا استعمال کروں۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا: اگر تمہارا مقصد یہ ہے تو پھر تم اس نوجوان (امام حسین) سے بات کرو۔ اعرابی امام حسین کے پاس پہونچا اور سلام کیا۔

امام حسین نے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا:

”انی جئتک من الهرقل والجعلل والأیتم والهمهم.“

امام حسین اعرابی کے اس جملہ کو سن کر مسکرانے لگے اور کہا:

”یا أعرابی لقد تکلمت بکلام ما یعقله الا العالمون.“

تم نے ایسے جملوں کا استعمال کیا ہے جو صرف ماہرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اعرابی نے کہا میرے پاس اس سے بھی زیادہ ثقیل جملوں کو ادا کرنے کی صلاحیت ہے، اگر میں تمہارے سامنے پیش کروں تو کیا تم اس کا جواب دے سکو گے؟ امام حسین نے اس سے کہا تم اپنا کلام پیش کرو۔ اس نے نو اشعار پیش کیے۔ ایک شعر یہ ہے ؎

هفا قلبی الی اللهو
وقد ودع شرخییه

امام حسین نے اسی وقت اسی محفل میں فی البدیہہ اسی وزن اور قافیہ پر اس کے نو اشعار کے جواب میں نو اشعار کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

فما رسم شجانی قد
محت آیات رسمیه
سفور درجت ذیلین
فی بوغاء فاعیه
هتوف مرجف تتری
علی تلبید ثوبیه

ان اشعار کے بعد امام حسین نے اعرابی کے جملوں کی تشریح کی۔ اس پر اعرابی نے کہا:

”ما رأیت کالیوم أحسن من هذا الکلام کلاما وأذرب لسانا، ولا أفصح منطقا.“

میں نے آج تک اس نوجوان سے زیادہ حسن کلام، چرب زبان اور فصیح و بلیغ کسی کو نہیں پایا۔

اس موقع کی مناسبت سے سیدنا حسین کی طرف منسوب حکمت سے لبریز یہ اشعار بھی سماعت کیجیے ؎

اغن عن المخلوق بالخالق
تغن عن الکاذب والصادق
واسترزق الرحمن من فضله
فلیس غیر الله من رازق
من ظن أن الناس یغنونه
فلیس بالرحمن بالواثق

خالق کا دامن تھام کر مخلوق سے بے نیازی اختیار کر لو۔ جھوٹے اور سچے ہر ایک سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

رحمٰن کے فضل سے ہر وقت رزق کا سوال کیا کرو۔ کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی اور رازق نہیں۔

جو شخص یہ یقین کر لے کہ دنیا کے لوگ اس کے کام آجائیں گے۔ اس کا رحمٰن پر بالکل بھی بھروسہ نہیں۔

ان اشعار کی نسبت اگر سیدنا حسین کی طرف صحیح ہے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے معانی کتنے اہم اور ان کا استعمال زبان پر کس قدر آسان ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ سہل ممتنع کی خوبصورت مثال ہے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

اس مناسبت سے چند اشعار اور بھی ملاحظہ کیجیے ؎

لعمرک انی لأحب دارا
تکون بها سکینة والرباب
أحبهما وأبذل کل مالی
ولیس لعاتب عندی عتاب

خدا کی قسم مجھے ایسا گھر پسند ہے جس میں سکینہ اور رباب دونوں ہی ہوں۔
میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور اگر کوئی برا سمجھتا ہے سمجھا کرے۔

سکینہ سیدنا حسین کی شہزادی ہیں اور رباب آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ گھر سے کنایہ دار آخرت ہے۔ گویا سیدنا حسین اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ایسی جگہ میسر ہو جہاں وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہوں۔ اس شعر کے معانی کا وصف جس قدر بھی بیان کیا جائے کم ہے۔ اس میں خاص طور پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اپنے اہل وعیال سے محبت ہونی چاہیے۔ دوسری طرف ان کی زوجہ محترمہ نے بھی ان سے اسی قدر وفا شعاری کا ثبوت دیا۔ عقاد نے ذکر کیا ہے کہ جب امام حسین کی شہادت ہوگئی تو قریش کے اشراف نے انہیں شادی کا پیغام دیا مگر انہوں نے کسی سے بھی شادی کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا:

”ما کنت لأ تخذ حما بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے کوئی دوسرا سسرالی رشتہ پسند نہیں۔

کہتے ہیں کہ شہادت حسین کا صدمہ اس قدر تھا کہ ایک سال تک غم اندوہ میں گذارنے کے بعد ”دار آخرت“ میں اپنے شوہر نامدار سے جا ملیں۔

امام حسین اور بڑوں کی تعظیم

امام حسین کی حیات کا ایک ایک لمحہ اس بات کا شاہد ہے کہ ان کی زندگی، چال ڈھال اور طرز کلام میں نبوی ادب کا جلوہ نمایاں رہتا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کے ادب سے اچھی طرح واقف تھے۔ خاص طور پر اپنے بڑے بھائی امام حسن کے ساتھ بڑے ادب سے پیش آتے۔ کسی معاملہ پر اگر امام حسن کی رائے سے امام حسین کی رائے مختلف ہوتی تو آپ مؤدب انداز سے گفتگو کرتے اور اگر امام حسن کوئی ایسا فیصلہ کرتے جس میں حسین کی مرضی شامل نہیں ہوتی تو اپنے بڑے بھائی کے ادب میں خاموش ہو جاتے۔ ادب کے اس نمونہ کی واضح مثال تاریخ کا وہ لمحہ ہے جب امام حسن نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کا فیصلہ کیا تھا۔ مؤرخین کے مطابق امام حسین اپنے

بھائی کے اس فیصلہ سے راضی نہیں تھے اور جب تک امام حسن نے فیصلہ نہیں لیا تھا، حسین اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے، لیکن جب امام حسن نے صلح کا فیصلہ کر لیا اس کے بعد پھر کبھی بھی امام حسین نے اس فیصلہ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

سیدنا حسین کے ادب وتہذیب سے متعلق مؤرخین نے ایک اور بڑا دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ اس قصہ میں حسن وحسین دونوں بھائی شریک ہیں۔ اس واقعہ کو بھی عباس العقاد نے اپنی کتاب عبقریات میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

کہتے ہیں کہ حسن وحسین نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ جلدی جلدی وضو کر کے تیزی کے ساتھ نماز پڑھ لی۔ جس تیزی کے ساتھ بڑے میاں نے وضو ونماز ادا کی تھی اس میں یقیناً بہت ساری خامیاں رہ گئی تھیں۔ دونوں بھائیوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ڈائرکٹ اس بڑے میاں سے یہ کہہ دیں کہ آپ نے وضو صحیح نہیں کیا اور آپ نے نماز بھی غلط پڑھی، بلکہ ادب وتہذیب کا اعلی نمونہ پیش کرتے ہوئے آگے بڑھے اور بڑے میاں سے کہا: ہم لوگ ابھی بچے ہیں اور آپ بزرگ ہیں ممکن ہے کہ آپ کو نماز کے یہ آداب اور مسائل کا علم ہم سے زیادہ ہو۔ ہم لوگ آپ کے سامنے وضو کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اگر آپ کو کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور ہماری اصلاح کیجئے۔ جب دونوں بھائی نماز کے ارکان پورے آداب کے ساتھ ادا کر چکے تو بڑے میاں نے خود بخود اپنی اصلاح کر لی۔ (عبقریات، ص۲۲۴)

اجلہ صحابہ کرام اور امام حسین

امام حسین اور اہل بیت کا تذکرہ جب آتا ہے تو عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر اور اہل بیت کے درمیان رسہ کشی تھی۔ حالانکہ تاریخی شواہد بالکل اس کے خلاف۔ اس گمان کو غلط کرنے کے لئے حضرت عمر اور حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ ابن عمر کا ایک ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ باپ اور بیٹے دونوں ہی امام حسین سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور حضرت عمر خاص

طور پر امام حسین سے محبت کرتے تھے۔

حضرت عمر اور امام حسین

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں عبید بن حنین کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ امام حسین نے ان سے بیان فرمایا:

میں ایک دن عمر کے پاس گیا وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے منبر پر چڑھ کر عمر سے کہا: میرے باپ کے منبر سے اتر جاؤ اور اپنے باب کے منبر پر چڑھ کر خطبہ دو۔ عمر نے کہا: میرے باپ کا تو کوئی منبر ہے ہی نہیں۔ پھر عمر نے مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا... جب وہ منبر سے اترے تو مجھے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور پوچھا آپ کو یہ جملہ کس نے سکھایا تھا؟ امام حسین نے کہا: بخدا کسی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اور نہ سکھایا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: عزیز محترم کسی اور دن آپ تشریف لائیے گا.. امام حسین کہتے ہیں کہ میں ایک دن ان کے پاس گیا تو وہ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں کچھ بات کر رہے تھے اور ابن عمر دروازہ پر کھڑے تھے۔ میں باہر سے ہی لوٹ آیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمر نے مجھے دیکھا تو پوچھا کئی دن ہو گئے آپ کو نہیں دیکھا؟ امام حسین نے کہا: امیر المؤمنین میں ایک روز آپ کے پاس آیا تھا مگر آپ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے، ابن عمر نے مجھ سے واپس ہو جانے کو کہا تو میں باہر سے ہی لوٹ گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ آپ میرے بیٹے عبداللہ سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور آپ بغیر اجازت کے اندر آنے کے مستحق ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ۲/۳۰۰)

امام ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک موقع پر صحابۂ کرام کی اولاد کے درمیان کپڑے تقسیم کیے مگر ان میں کوئی حلہ حسنین کریمین کے شایان شان نہیں تھا اس لئے ان کے لئے خاص آڈر کے ذریعہ یمن سے جوڑے منگوائے اور ان کی خدمت میں پیش کیا اور کہا اب مجھے سکون محسوس ہو رہا ہے۔

عبداللہ بن عمر اور امام حسین

رجاء ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا کہ حسین بن علی وہاں سے

حاضرین کو سلام کرتے ہوئے گذرے۔ عبداللہ ابن عمر کے علاوہ سب لوگوں نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ جب سب لوگ جواب دے کر خاموش ہو گئے تو ابن عمر نے بھی ان کے سلام کا جواب دیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: میں تمہیں ایسے شخص کے بارے میں بتاؤں جو روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہیں اور آسمان والوں کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں؟ لوگوں نے سننے کی درخواست کی۔ اس پر ابن عمر نے کہا: خدا کی قسم یہ جو ابھی ابھی ادھر سے گذرے ہیں۔ خدا کی قسم جنگ صفین کے بعد سے اب تک نہ تو میں نے ان سے کوئی بات کی ہے اور نہ ہی انہوں نے مجھ سے کوئی بات چیت کی ہے۔ اور بخدا اگر یہ مجھ سے راضی ہو جائیں تو مجھے اس سے زیادہ کسی اور بات سے خوشی نہیں ہوگی۔ ابوسعید نے ان سے کہا پھر چلو ان سے بات کر لیتے ہیں۔ ابن عمر نے ان کی بات سے اتفاق کیا اور ابن عمر، ابوسعید کے ہمراہ سیدنا حسین کے گھر پہنچ گئے۔ ابوسعید نے داخل ہونے کی اجازت چاہی، انہیں اجازت مل گئی۔ پھر ابن عمر کے لئے اجازت چاہی تھوڑی دیر بعد انہیں بھی امام حسین نے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

امام نے پوچھا ابن عمر کیا یہ صحیح کہہ رہے ہیں کہ آپ کے مطابق میں آسمان والوں کے لئے روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہوں؟ ابن عمر نے کہا: رب کعبہ کی قسم بات ایسی ہی ہے۔ امام حسین نے پوچھا پھر جنگ صفین میں میرے اور میرے والد جو مجھ سے بھی بہتر ہیں کے خلاف کیسے محاذ آرا ہو گئے تھے؟ ابن عمر نے کہا ہاں اس کی وجہ یہ تھی کہ عمرو بن عاص نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ کر شکایت کی تھی کہ عبداللہ (ابن عمر) دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں قیام کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وقفہ وقفہ سے روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے کی بجائے کچھ دیر عبادت کرنے کی تاکید کی اور اسی تاکید میں یہ بھی فرمایا کہ عمرو کی پیروی بھی کیا کرو۔

جنگ صفین کا واقعہ جب رونما ہوا تو عمرو نے مجھے قسم دے دی تھی کہ میں ان

کی صفوں میں رہوں (یہ میری مجبوری تھی) مگر آپ کو بتادوں کہ خدا کی قسم، میں نے ایک تیر بھی نہیں چلایا تھا، نہ ہی تلوار اٹھائی تھی اور نہ ہی بھالے چلائے تھے۔ امام حسین نے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی اطاعت کے سامنے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں؟ ابن عمر نے کہا ہاں۔ راوی کا بیان ہے کہ ایسا لگا کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ طبرانی نے اس روایت کو اوسط میں ذکر کیا اور کہا کہ اس کے ایک راوی علی بن سعید بن بشیر ہیں ان میں نرمی ہے مگر وہ حافظ ہیں ان کے علاوہ تمام رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۶-۱۸۷، باب مناقب الحسین بن علی علیہما السلام)

مذکورہ دونوں روایتیں اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ ابن عمر (باب، بیٹا) دونوں ہی امام حسین سے محبت کرتے تھے اور حضرت عمر تو اپنے بیٹے پر بھی امام حسین کو ترجیح دیتے تھے اور ابن عمر کے لئے امام حسین کی رضا سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں تھی۔ اسی طرح حضرت عمرو بن کے بارے میں بھی امام ذہبی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بھی سیدنا حسین سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ ان کی نگاہ سیدنا حسین پر پڑی فرمایا: یہ شخصیت آسمان والوں کے نزدیک روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (ذہبی)

اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا اس کا تعلق امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی فضیلت، علمی برتری، صحابہ کرام کے درمیان ان کا مقام و منصب سے تھا۔ مضمون کے اگلے حصے میں امام حسین کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی جس نے تمام تاریخ اسلام میں ایسا کہرام بپا کیا ہے کہ رہتی دنیا تک کبھی بھی اسے بھلایا نہیں جا سکتا۔

امام حسین کی زندگی کے اس انمٹ نقوش کے بارے میں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدائش کے بعد سے ہی کئی موقع پر تنبیہ کردی تھی اور اپنے گھر کے خاص افراد کو بھی اس کے بارے میں بتا دیا تھا۔ لہذا اب دنیا کی کوئی جرأت نہیں تھی کہ جس واقعہ کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود دے چکے ہیں اس کو کسی طرح ٹال دیا جائے۔

ذیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے تاکہ واقعہ کی تصویر پوری طرح واضح ہو جائے۔

شہادت حسین: نبوی فرمان کی روشنی میں

انس بن مالک کہتے ہیں کہ زمین کے احکام پر مامور ایک فرشتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنھا سے کہا کہ دروازہ کی نگرانی کرو کہ کوئی اور اندر داخل نہ ہو سکے۔ اسی اثنا میں حسین آئے، ام سلمہ نے انہیں روکا مگر وہ اندر داخل ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر کھیلنے لگے۔ فرشتہ نے پوچھا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ فرشتہ نے کہا آپ کی امت انہیں قتل کردے گی اور آپ چاہیں تو میں آپ کو مقتل بھی دکھا سکتا ہوں۔ فرشتہ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور سرخ رنگ کی مٹی پیش کی۔ ام سلمہ نے اس مٹی کو اپنی آنچل میں باندھ لیا، ثابت نے کہا کہ وہ کربلا کی مٹی تھی۔ امام ہیثمی نے کہا کہ اس حدیث کو ابو یعلی، بزار، اور طبرانی نے ایسے اسانید سے ذکر کیا ہے جن میں عمارہ بن زاذان ہیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ان میں ضعف بھی ہے۔ ابو یعلی کے دیگر رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۷، باب مناقب الحسین بن علی علیہما السلام)

اس حدیث میں ام سلمہ کے بارے میں مختلف روایت ہے۔ کسی میں اس طرح ہے کہ ام سلمہ نے مٹی ایک بوتل میں رکھ دی اور اس حدیث میں دوپٹہ میں باندھنے کی بات ہے۔ الفاظ کا مختلف ہونا اس کے اضطراب کی دلیل ہے۔ مگر اسی معنی کی ایک روایت، ہیثمی نے امام احمد، ابو یعلی، بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ذکر کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ حضرت علی کی اس روایت میں فرشتہ کا نام جبریل ذکر کیا گیا ہے اور ام سلمہ کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

ہیثمی نے ایک اور روایت امام احمد کے حوالہ سے اسی معنی سے متعلق ذکر کی ہے۔ اس کے راوی عائشہ یا ام سلمہ ہیں۔ اس روایت میں یہ ہے کہ جس فرشتہ نے

شہادت کی خبر دی وہ پہلی مرتبہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا تھا۔ اس روایت کے بارے میں ہیثمی نے کہا کہ اس کے تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۷)

ایک اور روایت اسی مذکورہ کتاب میں حضرت عائشہ سے ہے جس میں جبریل کا تذکرہ ہے اور بڑی تفصیلات کا بھی ذکر ہے۔ اس کے ایک راوی ابن لہیعہ ہیں اور ایک سند میں ایسے راوی ہیں جو معروف نہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۷۔۱۸۸)

زینب بنت جحش سے بھی اس مضمون کی ایک روایت مروی ہے جس میں ایک فقہی مسئلہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ جبریل نے آ کر شہادت کی خبر دی اور سرخ مٹی بھی دکھائی۔ ہیثمی نے کہا کہ طبرانی نے اس روایت کی دو سندیں ذکر کی ہیں اور ان دونوں میں ہی ایسے رواۃ ہیں جو غیر معروف ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۸)

ام سلمہ کی ایک اور روایت ہے جس میں جبریل کا تذکرہ ہے۔ ہیثمی نے کہا کہ طبرانی نے اس روایت کو کئی سندوں سے ذکر کیا ہے ایک سند کے رواۃ ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۹)

ام سلمہ ہی کی روایت میں یہ ہے کہ مٹی خون بن گئی۔ اس روایت کے ایک راوی عمرو بن ثابت نکری ہیں جو متروک ہیں۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۸۹)

ان تفصیلات کی روشنی سے معلوم ہوا کہ امام حسین کی شہادت کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے دے دی تھی اور حضرت ام سلمہ کو اس کی تفصیلات سے آگاہ بھی کر دیا تھا۔ بعض روایتیں مجہول یا متروک راوی ہونے کی وجہ سے ضعیف ضرور ہیں مگر دوسری ایسی بھی روایتیں ہیں جن کے رواۃ ثقہ ہیں جس کی وجہ سے کچھ روایتیں صحیح بھی ہیں۔ اگر صحیح روایتیں نہ بھی ہوتیں تو کثرت روایت کی وجہ سے شہادت حسین کی خبر والی حدیث کا درجۂ حسن پر فائز ہونا یقینی ہے۔ لہذا ان روایتوں پر ضعف کا حکم لگا کر امام حسین کے شہادت کی خبر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نبوی ارشاد الہام ربانی کا عکس ہوا کرتا ہے۔ دنیا اپنی فطرت کے اعتبار سے

ہزار حیلے دکھائے مگر زبان انبیاء کبھی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ حالات نے اپنے تیور بدلے۔ اموی سیاست کے پینترے بازیوں نے اسلامی ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ میں خلیفہ راشد سیدنا علی کی حکومت قائم تھی اور شامی ریاست اموی خاندان کے نامور فرد سیدنا امیر معاویہ کے زیر اثر تھی۔ اسلامی ریاست کے یہ دونوں پہلو بھی نبوی نگاہ سے اوجھل نہیں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں ہی اپنے بڑے صاحبزادے سیدنا حسن کے بارے میں فرمایا تھا:

میرا یہ شہزادہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعت میں صلح کا سبب بنے گا۔

اسلامی سلطنت کی زمام سیدنا حسن کے ہاتھ میں آئی۔ امام حسن نے اپنی نرم طبیعت اور باطنی پاکیزگی کی وجہ سے اسلامی ریاستوں میں انتشار دیکھنا بالکل ہی پسند نہیں کیا۔ نبوی فرمان کی صداقت کا مظہر واضح ہونا تھا اس لئے انہوں نے سیدنا امیر معاویہ سے مصالحت کر لی۔ اس مصالحتی عمل کی چھوٹے بھائی سیدنا حسین نے ابتدا میں مخالفت ضرور کی مگر بڑے بھائی کی تشریح سے مطمئن ہو گئے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ کچھ مؤرخین اور بعض اہل علم نے اس مصالحتی عمل میں سیدنا حسین کی طرف ایسے ایسے واقعات منسوب کیے ہیں جس کا ثبوت صحیح سند سے مشکل معلوم ہوتا ہے مگر عہد حاضر میں خود کو مفکر کہلانے والے کچھ افراد نے ان روایتوں کو صحیح سمجھ کر ایسا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسین فطری طور پر دنیاوی سیاست کے گرویدہ تھے۔ جبکہ یہ نظریہ مختلف اعتبار سے دلائل کی روشنی میں کسی طرح بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

اب اسلامی ریاست کا صرف ایک سربراہ تھا اور وہ کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ تھے اور اس کی دار الحکومت شام تھی۔ سیدنا امیر معاویہ دونوں بھائیوں کا بڑا ادب اور احترام کرتے اور ان سے اپنی محبت کا اظہار بھی کرتے۔ سیدنا امیر معاویہ اپنی عمر کے اخیر مراحل طے کر رہے تھے کہ اپنے بعض مشیر اور اپنی صوابدید کے مطابق اپنے بیٹے یزید کو اسلامی ریاست کا سربراہ مقرر کر دیا۔ اور اس کے ساتھ یہ دعا کی:

”اللھم ان کنت انما عھدت لیزید لما رأیت من فضلہ فبلغہ ما املت و أعنہ ، وان کنت انما حملنی حب الوالد لولدہ وأنہ لیس لما صنعت بہ أھلا فاقبضہ قبل أن یبلغ ذلک.“ (تاریخ الخلفا،ص۱۶۵)

اے اللہ اگر میں نے یزید کو اس کی صلاحیت کی بنیاد پر سربراہ مقرر کیا ہے تو، تو اس کی مدد فرما اور اگر جذبہ پسری نے مجھے اسے سربراہ مقرر کرنے پر مجبور کیا ہے اور وہ اس کا بالکل اہل نہیں تو اسے اس سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہونچا دے۔

یزید کے سربراہ بنتے ہی اسلامی ریاست میں کھل بلی مچ گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ یزید کی فحاشی سے اسلامی ریاست پوری طرح واقف تھی۔ ملک شام کا ہر شخص اس کے فسق و فجور کی داستان سے پوری طرح واقف تھا۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا سربراہ بننے پر عوام میں بے چینی کی لہر فطری بات تھی۔ اہل شام نے یزید کی بیعت لی اور جن لوگوں کو اس کی سربراہی منظور نہیں تھی انہوں نے بھی بادل نخواستہ اس کڑوے گھونٹ کو پی لینا ہی مناسب سمجھا۔ مگر نبوی فطرت کا خون جن رگوں میں تروتازہ تھا اور جو اپنے نانا کے جفاکشی کی داستان کو اپنی ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، انہوں نے یزید کو اسلامی ریاست کا سربراہ ماننے سے انکار کردیا۔ دوسری طرف کوفہ سے درجنوں خط بھی موصول ہوئے لہٰذا امام حسین نے اپنے خاندان کے کچھ بچے، عورتیں اور بعض افراد کو لے کر کوفہ کا رخت سفر باندھا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت اجلہ صحابہ مثلاً عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر نے سمجھانے کی کوشش کی مگر سیدنا حسین نے اپنی سمجھ کے مطابق فیصلہ اس لئے کیا کہ قضائے الٰہی بھی یہی تھی۔ قضاء الٰہی کے اس فیصلہ کا عکس نبوی فرامین کی روشنی میں ہم پیش کر آئے ہیں۔ یہاں ایک اور واقعہ سماعت کیجئے۔

کہتے ہیں کہ جب سیدنا حسین نے مدینہ سے چلنے کا ارادہ کیا تو تو عمرہ نامی ایک عورت نے سیدنا حسین کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

”حدثتنی عائشۃ أنھا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: یقتل الحسین بأرض بابل.“

حسین بابل کی سرزمین پر شہید کردئے جائیں گے۔

سیدنا حسین نے اس خط کو پڑھنے کے بعد کہا: اب تو مجھے اپنے مقتل کی طرف کوچ کرنا ہی پڑے گا۔

مدینہ سے روانہ ہوکر عراق کی طرف چل پڑے راستہ میں قادسیہ کے قریب حربن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مدینہ لوٹ جانے کا مشورہ دیا مگر پھر بات وہی آئی کہ قضا کچھ اور تھی۔ سفر جاری رہا اور مقام کربلا پہونچے۔ جہاں عبداللہ ابن زیاد کی فوج نے اہل بیت کے چند افراد کو گھیرے میں لے لیا۔ آگے کا واقعہ ذہبی کی روایت کے مطابق اس طرح ہے:

سیدنا حسین نے ابن زیاد کی فوج کے سربراہ سے کہا: تین چیزوں میں سے ایک کی اجازت دو۔ ہمارا گھیرا ختم کردو تاکہ ہم کسی سرحدی علاقہ میں چلے جائیں۔ یا ہمیں یزید کے پاس جانے دو، یا پھر ہم سب کو مدینہ لوٹ جانے دو۔ عمر بن سعد جو ابن زیاد کی فوج کا سربراہ تھا، نے یہ باتیں مان لی اور ابن زیاد کو خط لکھ کر تمام حالات سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد نے جواب میں لکھا: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک حسین میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر میری بیعت نہیں کرلیتا اس وقت تک اس کے ساتھ کسی طرح کی اچھائی کا سلوک نہیں کیا جاسکتا۔

سیدنا حسین نے اس کی شرط ماننے سے انکار کردیا۔ اس کے بعد اس گھمسان کی جنگ چھڑی کہ اہل بیت کے کئی نوجوان شہید کردیے گئے۔ اس ہیبت ناک صورت کی منظرکشی کرتے ہوئے راوی نے بیان کیا ہے کہ اس لڑائی کے دوران ابن زیاد کی فوج کے تیر آکر اہل بیت کے شیرخوار کو لگا، حسین نے ان کے چہرہ سے خون پوچھتے ہوئے عرض کیا:

”اللھم احکم بیننا وبین قومنا دعونا لینصرونا ثم یقتلوننا.“

اے اللہ! میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما، انہوں نے ہماری مدد کرنے کے لئے ہمیں دعوت دی تھی مگر وہ میرے قتل کے درپے ہوگئے۔

پھر اس کے بعد سیدنا حسین میدان کارزار میں اتر آئے اور لڑتے ہوئے خود جام شہادت نوش کر لیا۔ ان کو قتل کرنے والے شخص نے ان کے سر کو کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا اور سر مبارک کو عبید اللہ ابن زیاد کے پاس لے کر آیا اور کہنے لگا اب مجھے چاندی کے انعامات سے سرفراز کردو، میں نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جو اپنی ماں باپ کے اعتبار سے بہترین شخص تھے۔ (سیر اعلام النبلا، ۳۰۹/۳)

امام بخاری کی روایت کے مطابق ابن زیاد نے سر حسین کے ساتھ نہایت بدتمیزی کا سلوک کیا اور ایک چھڑی لے کر سیدنا حسین کے لب مبارک پر مارتے ہوئے کہنے لگا: اس سے زیادہ خوبصورت ہونٹ میں نے کبھی نہیں دیکھا! راوی نے کہا: یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ (صحیح بخاری ۴۲۹/۱۵)

آگے چند سطروں کے بعد ذہبی نے نقل کیا ہے:

عمرو بن سعد لٹا ہوا قافلہ کو لے کر عبید اللہ ابن زیاد کے پاس پہنچا۔ اہل بیت کے قافلہ میں مردوں میں صرف ایک بیمار بچہ رہ گیا تھا، دیگر تمام مرد شہید کر دئے گئے تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس بچہ کو بھی قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم سنتے ہی ان کی پھوپھی زینب بچہ پر گر پڑیں اور یہ کہتے ہوئے ڈھانپ لیا کہ اسے قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کردو۔ اس پر ابن زیاد نے ان کی جان بخشی کر دی اور پھر یزید کے پاس شام بھیج دیا۔

یزید کے دربار میں جب لٹا ہوا قافلہ پہونچا تو شامیوں کے تیور مختلف تھے۔ اکثر یزیدی فیصلہ پر شرمسار تھے اور ابن زیاد پر لعن وطعن کر رہے تھے۔ بعض جلیل القدر صحابہ بھی اس وقت موجود تھے جنہوں نے اپنی ناراضگی کا سخت انداز میں اظہار کیا۔ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ یزید کے دربار میں جب یہ قافلہ پہونچا تو ایک شخص نے قافلہ میں ایک معصوم بچہ کو دیکھ کر یزید سے درخواست کی کہ یہ بچہ مجھے دے دیا جائے۔ سیدہ زینب نے بڑی شدت سے انکار کیا۔ یزید نے پھر لٹے ہوئے قافلہ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ۳۱۰/۳)

امام طبرانی نے ثقہ راویوں کے حوالہ سے یزید کے دربار میں قافلہ اور یزید سے متعلق مزید تفصیل کا ذکر کیا ہے۔ جو یقیناً قابل عبرت ہے:

ابن زیاد نے لٹا ہوا قافلہ یزید کے پاس بھیج دیا۔ قافلہ کو چونکہ جنگی قیدی بنا لیا گیا تھا اس لئے ان کے ساتھ سلوک بھی قیدیوں کی طرح ہی کیا جا رہا تھا۔ یزید کے دربار میں قیدی اس انداز میں تھے کہ سکینہ بنت حسین ایک چارپائی کے پیچھے تھیں کہ اپنے والد کا کٹا ہوا سر اور خاندان کے دوسرے افراد کو نہ دیکھ سکیں۔ علی بن حسین کو بھی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا اور نہایت بے دردی کے ساتھ سر مبارک کی بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ اس پر علی بن حسین نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

’’ما أصاب من مصيبة الا فى كتاب من قبل أن نبرأها ان ذلك على الله يسير.‘‘

یہ آیت سن کر یزید کوئی شعر نہ کہہ سکا۔ یزید نے کہا:

’’بل بما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير.‘‘

علی بن حسین نے کہا: خدا کی قسم اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں زنجیروں میں قید دیکھتے تو ہمیں قید سے نجات دے دیتے۔ یزید نے کہا: تمہاری بات ٹھیک ہے اور پھر زنجیر ان کے ہاتھوں سے کھول دی۔ پھر علی بن حسین نے کہا اگر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہیں دور کھڑے ہوتے تو وہ ہمیں قریب کر لیتے۔ یزید نے کہا تمہاری بات ٹھیک ہے اور پھر اپنے قریب بلا لیا۔ اس درمیان فاطمہ اور سکینہ کوشش کرتی رہیں کہ اپنے والد کا سر دیکھ سکیں مگر یزید بڑھ کر کوشش کرتا رہا کہ سر حسین انہیں نظر نہ آسکے۔ اس کے بعد یزید نے تیاری کا حکم دیا اور قافلہ کو مدینہ رخصت کر دیا گیا۔ مجمع الزوائد (۱۹۵/۹)

امام حسین کی اس شہادت سے خاندان اہل بیت پر تھوڑی دیر کے لئے مایوسی کے بادل ضرور چھائے ہوں گے مگر ان کے خاندان کی ریت ان کے سامنے تھی اور وہ اپنے نانا جان کے فرمان سے پوری طرح واقف تھے اس لئے انہوں نے پوری طرح صبر کا مظاہرہ کیا۔ اور اپنے صبر و تحمل کے ذریعہ مسلمانوں میں ایسی روح پھونک دی کہ

جس کا اثر رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ تاریخ کے ہر دور میں یزیدی فتنے اٹھتے رہے ہیں مگر حسینی کردار نے آگے بڑھ کر ان فتنوں کا قلع قمع بھی کیا ہے۔ ماضی کے دبیز پردوں میں جھانکنے کی کوئی ضرورت نہیں عالم عرب کے موجودہ حالات کو ہی دیکھ لیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام حسین نے جس جذبہ کے تحت اپنا اور اپنے خاندان کا خون بہایا تھا اس کی چنگاری اب تلک باقی ہے۔

عرب اسپرنگ اور واقعات کربلا

واقعات کربلا اور شہادت سیدنا حسین پر تجزیاتی نظر ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ عرب حکمرانوں کے خلاف عہد حاضر میں اٹھنے والی تمام تحریکوں میں حسینی شہادت اور داستان کربلا سے کچھ نہ کچھ ضرور مماثلت ہے۔ سیدنا حسین کی شہادت پر ایک سے زائد روایت اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ اسلامی ریاست کبھی کبھی وقت اور حالات کے تیور سے دوچار ہو کر ایسے ظالم حکمرانوں کے ہاتھ میں آجائے گی جنہیں شریعت کی بالادستی منظور نہیں ہوگی۔ اسلام کی نمائندگی کرنے کی بجائے وہ فحاشی اور عریانیت کی نمائندہ ریاست بن جائے گی۔ یزیدی ریاست اور یزیدی کردار کو اپنے سامنے رکھیں تو اسلام کے نام پر وجود میں آنے والا دنیا کا کون سا ایسا ملک ہے جہاں یزیدی کردار کا عکس نظر نہ آتا ہو۔ وہ کون سا ایسا حاکم وقت ہے جس کی پانچوں انگلیاں مغرب کی عیاش وادیوں میں ڈوبی ہوئی نہیں ہیں، اور وہ کس ملک کی ایسی سیاست ہے جس کی خوابگاہوں پر فرنگی حسن کے جلوے نہ بکھرے پڑے ہوں؟

جب عالم اسلام اس یزیدی کردار کی آماجگاہ بن جائے تو حسینی جلوہ کا پھوٹ پڑنا بھی ایک ایسا ظاہرہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تیونس، لیبیا، مغرب، اردن، عمان، یمن، شام اور مصر میں پیدا ہونے والی انقلابی تحریکیں گرچہ پوری طرح حسینی کردار کی حامل نہیں ہیں مگر حسینی روح ان سب جگہوں پر ضرور کارفرما ہے۔ اسی لئے سید قطب مصری نے اپنی تفسیر میں آیت کریمہ ‘‘**انا لننصر رسلنا والذين آمنوا في الحياة الدنيا ويوم يقوم الأشهاد**’’ کے تحت انبیاء ورسولان عظام کی

قربانیوں کے ضمن میں سیدنا حسین کی شہادت کی مثال بھی پیش کی ہے اور یہ لکھا ہے:

> واقعات کربلا بظاہر شکست کا منظرنامہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں فتح و کامرانی کی زندہ مثال ہے اور اس کا عکس رہتی دنیا تک برقرار رہے گا۔

بحث کے اختتام پر عصر حاضر کے ایک ظاہرہ کی حقیقت کا علمی جائزہ لینا اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان میں اس کی وجہ سے بڑی بدگمانیاں پھیل رہی ہیں اور پڑھا لکھا طبقہ اگر انگریزی زبان میں کسی کی تقریر سن لیتا ہے تو آنکھ بند کر کے اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور پھر اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگ جاتا ہے۔ عہد حاضر کے اس ظاہرہ کا تعلق یزید کی شخصیت سے ہے۔

کیا یزید جنتی ہے؟

سانحہ کربلا کے بعد سے ہی مسلمانوں کے ایک طبقہ نے یزیدی پوزیشن کی حمایت کی ہے اور سیدنا حسین پر حکومت وقت کے خلاف خروج کا حکم لگایا ہے۔ اس طبقہ میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کی علمی سطح کسی ظاہری نقطہ نگاہ سے کچھ زیادہ نہیں۔ یہ لوگ کئی درجہ آگے بڑھ کر یزید کو ‘‘امیر المؤمنین یزید’’ ‘‘یزید رحمۃ اللہ علیہ’’ اور ‘‘یزید جنتی’’ وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ متقدمین علماء میں اگر کسی نے یزید کو حق پر سمجھا بھی ہے تو بھی بڑی احتیاط سے کام لیا ہے مگر عہد حاضر میں کچھ لوگوں پر یزید کو جنتی بنانے کا ایسا خبط سوار ہو گیا ہے کہ وہ بلا جھجک اور بغیر کسی روک ٹوک کے اسے ‘‘رحمۃ اللہ علیہ’’ ‘‘امیر المؤمنین’’ وغیرہ کہنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ حد تو یہ کہ پاکستان کے ایک معاصر قلمکار نے یہ تک لکھ دیا کہ ‘‘میں امید کرتا ہوں کہ میرا حشر امیر المؤمنین یزید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوگا’’!

دوسری طرف ہندوستان کے ایک معاصر مبلغ کو اسکالر بننے کا شوق اس قدر ورغلا رہا ہے کہ وہ اپنے رٹے رٹائے میدان سے آگے نکل کر اسلامی عقائد، احکام، اور دینی مسائل پر بھی پوری طرح سے اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ دولت کا ان کے پاس اس قدر انبار ہے کہ وہ اپنی ذاتی ٹی وی اسٹیشن کے بھی مالک ہیں۔ ٹی وی اسٹیشن

جب قائم کرلیا ہے تو کچھ تو تقریریں کرنی ہی پڑیں گی۔ ہر وقت رٹی رٹائی باتوں سے تو کام نہیں چل سکتا۔ لہٰذا وہ کبھی عقیدہ کبھی دینیات، کبھی تفسیر اور کبھی حدیث سے متعلق کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ علم کے ابواب پر ظاہر ہے کہ ان کی نگاہ گہری نہیں ہے لہذا ان سے غلطی ہو جانا بھی یقینی ہے۔ ان کے ٹی وی ٹاک کا کچھ حصہ یوٹیوب پر بھی ہے، جہاں وہ بڑی دلیری کے ساتھ یزید کو ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے ہیں اور یہ کہنے سے نہیں چوکتے کہ امام بخاری نے اپنی حدیث کی کتاب میں ایک روایت لکھی ہے جس میں یزید کو جنتی کہا گیا ہے۔ لہذا اگر میں ان کے لئے دعاء کے طور پر ''رحمۃ اللہ'' کہوں تو کون سی قیامت ہے!

میں ذیل میں بخاری کی جس حدیث کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ پورا متن ذکر کر کے ایک مختصر مگر جامع تجزیہ قارئین کی خدمت میں پیش کروں گا جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ علمی میدان اور خاص طور پر علم حدیث کے میدان میں محض انگلش بول کر چرب زبانی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

ام حرام کہتی ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کی فوج کا پہلا دستہ جو سمندری علاقہ میں جنگ کرے گا، وہ جنت کا مستحق ہو جائے گا۔ ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اس دستہ کا حصہ بن سکوں گی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اس دستہ کا حصہ رہیں گی۔ اس کے بعد پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا دستہ جو قیصر کے شہر پر جنگ مسلط کرے گا وہ مغفور ہے۔ ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اس دستہ میں رہوں گی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کو اس جنگ میں شرکت کا موقع نہیں مل سکے گا۔ (صحیح بخاری، باب ما قیل فی قتال الروم)

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ کا تعلق ایسے علاقہ سے ہے جو ساحل سمندر پر واقع ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ شہر قیصر سے متعلق ہے۔ اس سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ اس شہر کو عیسائی بادشاہ قسطنطین نے بسایا تھا اس لئے اس کے نام سے یہ شہر

منسوب کر دیا گیا۔ ہمارے زمانہ میں اس شہر کا نام استنبول ہے اور یہ ترکی کا ایک بڑا شہر ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے اس شہر کے دو حصے سمندر سے ملتے ہیں۔ ان دونوں ہی علاقے کی جنگ میں شریک ہونے والوں کے لئے بشارت ہے۔ ساحلی علاقوں کی جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے وہ جنتی ہیں اور قسطنطنیہ یا استنبول کی جنگ میں جو شریک ہوئے ان کے لئے بھی بخشش کا پروانہ ہے۔

ساحلی علاقہ کی جنگ کی تاریخ سے متعلق مؤرخین نے تین اقوال ذکر کیے ہیں۔

پہلا قول: یعقوب بن ابی شیبہ کے مطابق اس علاقہ مین پہلی جنگ سنہ ۲۷ ہجری میں لڑی گئی۔

دوسرا قول: یہ جنگ سنہ ۲۸ھ میں یہ جنگ حضرت امیر معاویہ کی سربراہی میں لڑی گئی۔

تیسرا قول: واقدی کے مطابق اس علاقہ میں پہلی جنگ سنہ ۳۳ھ میں لڑی گئی۔

ان تمام اقوال پر محققین نے کچھ نہ کچھ ایراد قائم کیے ہیں مگر وہ میرا موضوع بحث نہیں، اس لئے ان سے صرف نظر کرتا ہوں۔ میری بحث کا تعلق اس خلاصہ سے ہے کہ حدیث کے پہلے حصہ میں جن علاقوں کی جنگ میں شرکت پر جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ ۲۷ھ یا ۲۸ھ یا ۳۳ھ میں لڑی گئی ہے۔ یزید کے حالات رقم کرنے والے مؤرخین نے اس کی تاریخ پیدائش ۲۵ھ لکھا ہے۔ اب اگر پہلے قول کی روشنی میں دیکھا جائے تو یزید کی عمر دو سال تھی۔ دوسرا قول کے مطابق اس کی عمر تین سال تھی اور تیسرا قول کے مطابق اس کی عمر آٹھ سال تھی۔ اب یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ جنگی مجاہدین کی عمر دو سال یا تین سال یا پھر آٹھ سال ہوتی ہے یا کچھ اور؟

حدیث کا دوسرا حصہ قیصر کے شہر میں جنگ میں حصہ لینے والوں کی مغفرت کی بشارت ہے۔ قیصر کے شہر سے مراد قسطنطنیہ ہے یا پھر ملک شام کا شہر حمص۔ قسطنطنیہ کی جنگ کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ جنگ ۴۹ر ہجری یا ۵۰ر ہجری میں ہوئی ہے اور جنگ کا سربراہ یزید تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے مغفرت کی بشارت یزید کو بھی شامل ہے۔ لیکن محققین نے یہ کہہ کر اسے اس مغفرت کا مستحق ہونے سے انکار کر دیا ہے کہ نبوی بشارت کا مستحق ہونے کے لئے اس کا اہل ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس جنگ کے بعد مرتد ہو گیا ہو تو وہ کسی طرح بھی اس بشارت کا مستحق نہیں اور یزید کے ایمان سے متعلق محققین علماء کا اختلاف ہے۔ کئی محققین نے اسے اس کی حرکت کی وجہ سے اسلام سے ہی خارج قرار دیا ہے اور جن محققین نے اس کو مسلمان مانا بھی ہے تو اس پر لعنت جائز قرار دی ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت میں اس کا داخل ہونا یقینی امر نہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ بڑی آسانی کے ساتھ یزید کی حمایت میں بخاری کی حدیث پیش کر کے اور اس کے تجزیاتی پہلو سے صرف نظر کر کے یزید کو جنت کا مستحق بنانا علمی اور تحقیقی معیار سے ناآشنا ہونے کی دلیل ہے۔

مصادر و مراجع

۱- قرآن کریم
۲- تفسیر قرطبی، دار الشعب، قاہرہ، ۱۳۷۲ھ
۳- تفسیر ابن کثیر، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۴- مسند امام احمد بن حنبل، مؤسسۃ قرطبۃ، مصر۔
۵- صحیح بخاری، دار ابن کثیر، الیمامہ، بیروت، ۱۹۸۷ء
۶- صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۷- صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء
۸- سنن ترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۹- سنن نسائی، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ۱۹۸۶ء
۱۰- مجمع الزوائد، دار الریان للتراث، دار الکتاب العربی، القاہرہ۔ ۱۴۰۷ھ
۱۱- استیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت۔ ۱۴۱۲ھ

۱۲- فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت۔ ۱۳۷۹ھ
۱۳- سیر أعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ ۱۴۱۳ھ
۱۴- تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۵- تاریخ طبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۶- تہذیب التہذیب، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۴ء
۱۷- تاریخ الخلفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۸- عبقریات۔ قاہرہ

حضرت سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما

مولانا نفیس احمد مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نام ونسب

نام زینب، والد کا نام علی بن ابو طالب بن عبدالمطلب اور ماں کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور سب سے چہیتی شہزادی ہیں۔

آپ نے اپنے نانا جان نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پایا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہ کے یہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

اوصاف وکمالات

آپ بڑی عقل مند، سمجھ دار، صائب الرائے اور خوش بیان تھیں۔ اور ایسی پختہ دل کہ یزید جیسے ظالم وجابر کے سامنے بھرے دربار میں حق کا اظہار فرمایا اور اسے خاموش اور لاجواب کر دیا۔ (۱) واقعے کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

نکاح اور اولادیں

والد گرامی حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کا نکاح اپنے بھتیجے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ ان سے حضرت زینب کی پانچ اولادیں ہوئیں:

۱-علی بن عبداللہ-۲-عون اکبر-۳-عباس-۴-محمد-۵-اُمِّ کلثوم۔ (۲)

ان میں سے حضرت عون اکبر اور حضرت محمد اپنے ماموں جان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کربلا میں یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار

حضرت زینب کبریٰ کے شوہر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار بن ابوطالب کے صاحبزادے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بھتیجے تھے، آپ کی والدہ محترمہ حضرت اسما بنت عُمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت اسما اپنے شوہر نام دار حضرت جعفر طیار کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں اور وہیں حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ یہ حبشہ کی سرزمین پر مسلمان مہاجرین کے یہاں پیدا ہونے والوں میں سرِ فہرست ہیں۔ ۸۰ھ میں نوّے سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

آپ بہت خوش طبع، بردبار، پاکیزہ سیرت اور سخی وفیاض تھے، حد درجہ سخی ہونے کی وجہ سے یہ ''بحرالجود'' (دریائے سخاوت) کے لقب سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں ان جیسا سخی نظر نہیں آتا۔ ایک خلقت نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ (۴)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کو بہت محبت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے عون اور محمد شہید ہو گئے ہیں، تو ان کے کچھ غلام اور احباب تعزیت کے لیے آئے، تو ان کے آزاد کردہ غلام ابواللِّسلاس نے کہا: ''یہ مصیبت ہم پر حسین نے ڈالی ہے'' تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک جوتا کھینچ کر اسے مارا اور فرمایا: ''او بدذات کے بچے! تو حسین کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں بھی وہاں ہوتا، تو اپنی جان ان پر فدا کر دیتا، اپنے دونوں بیٹوں کی مصیبت کو میں مصیبت نہیں سمجھتا، انہوں نے میرے چچازاد بھائی کی رفاقت میں صبر ورضا کے ساتھ

اپنی جانیں قربان کیں۔‘‘

پھر اپنے احباب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ’’حسین کی شہادت پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اگر میرے ہاتھوں ان کی نصرت وحمایت نہ ہوئی، تو میرے بچوں سے تو ہوئی۔‘‘(۵)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر کے بارے میں بہت بلند کلمات ارشاد فرمائے۔ امام شمس الدین ذہبی نے ’’سیر أعلام النبلاء‘‘ میں خود انہیں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب ان کے والد حضرت جعفر طیار کی شہادت کی اطلاع ملی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کی مہلت دی، پھر ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: ’’آج کے بعد میرے بھائی پر گریہ وزاری نہیں ہوگی۔‘‘ پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بھتیجوں کو بلاؤ۔ تو عبداللہ اور محمد کو بلایا گیا، تو آپ نے فرمایا:

’’أمّـا محمدٌ فيُشبِهُ عمَّنا أبا طالبِ، و أمّا عبدُ الله فيُشبِهُ خَلقِي و خُلقِيْ‘‘۔ محمد میرے چچا ابو طالب کے مشابہ ہے اور عبداللہ صورت وسیرت میں مجھ سے مشابہ ہے۔ (۶)

واقعۂ کربلا اور حضرت زینب کبریٰ

واقعۂ کربلا میں حضرت زینب اپنے برادرِ محترم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہم راہ تھیں، شہادت کے بعد آپ اہلِ بیتِ نبوت کے بچے کھچے افراد کے ساتھ قید کر کے کوفہ، پھر دمشق لائی گئیں۔ ان مرحلوں میں آپ کا کردار بہت بلند اور اہم تھا۔ آپ نے ایک عقل مند، سمجھ دار، پختہ رائے، جرأت مند، بلند حوصلہ اور عالی نسب خاتون کا رول نبھایا، جس کی کچھ تفصیلات درج ذیل ہیں:

کربلا سے کوفہ روانگی

۱۱؍محرم ۶۱ھ کی تاریخ اور سنیچر کا دن ہے، حضرت امام حسین، ان کے اعوان و انصار اور جاں نثار یزیدی فوج کے ہاتھوں ایک دن پہلے دشتِ غربت میں نہایت بے دردی اور سفاکی کے ساتھ شہید کیے جا چکے ہیں اور ان کی بے گور و کفن لاشیں میدان میں پڑی ہوئی ہیں۔ اتنے میں خاندانِ رسالت کی عفت مآب خواتین اور بچوں کو یزیدی لشکر کے حصار میں قیدیوں کی صورت میں اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ بھی قیدی کی صورت میں ان کے ساتھ ہیں۔ جب ان قیدیوں کا گزر حضرت امام حسین اور دیگر شہدائے کرام کی لاشوں کے پاس سے ہوتا ہے تو ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے، ضبط وتحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور بے اختیار نوحہ و ماتم اور آہ و فغاں کا شور اٹھتا ہے، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے عزیز بھائی کی سر بریدہ، پامال اور برہنہ لاش کے پاس آئیں تو راوی قرہ بن قیس تمیمی کا بیان ہے کہ انہوں نے نہایت درد بھرے انداز اور پرسوز لہجے میں بارگاہِ رسالت میں یوں فریاد کی:

’’يـا محمداه، يا محمداه! صلى عليک ملائكة السماء، هذا الحسين بالعَراء، مرمّل بالدماء، مقطّع الأعضاء، يا محمداه! وبناتک سبايا، و ذريتک مقتّلة، تسفي عليها الصبا.‘‘

ہائے محمد ہائے! آسمانی فرشتوں کا آپ پر درود وسلام ہو، یہ دیکھیے حسین کھلے میدان میں خون میں لت پت پڑے ہوئے ہیں، تمام اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں۔ ہائے محمد! آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں، آپ کی اولاد قتل ہو چکی ہیں، بادِ صبا ان کی لاشوں پر خاک اڑا رہی ہے۔

راوی قرّہ بن قیس تمیمی کا بیان ہے کہ حضرت زینب کے یہ پرسوز اور کرب انگیز کلمات مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ان کے اس درد انگیز استغاثے کو سننے کے بعد سنگ دل ظالموں کے بھی جگر موم ہو گئے اور سب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ (۷)

دار الامارۃ کوفہ میں

جب اہل بیت نبوی کا لُٹا ہوا قافلہ قیدیوں کی صورت میں کوفہ کے گورنر ہاؤس پہنچا تو حضرت زینب نے بالکل بوسیدہ اور گھٹیا لباس پہن کر بھیس بدل لیا، کنیزوں کے ساتھ اندر آئیں اور انہیں کے درمیان ایک گوشے میں بیٹھ گئیں۔ ابن

زیاد نے آپ کو دیکھ کر کہا: یہ کون عورت بیٹھی ہے؟ تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ اس نے تین بار اپنا سوال دُہرایا، لیکن آپ نے اس کا جواب نہ دیا۔ آخر میں آپ کی ایک کنیز نے کہا: یہ زینب بنت فاطمہ ہیں۔ تو ابن زیاد نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ اس طرح بدزبانی کی:

’’ألحمد للّٰه الذي فضحكم، وقتلكم، وأكذب أحدوثتكم.‘‘

اللہ کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا، تمھیں قتل کیا، اور تمہاری کہانیوں کا جھوٹ عیاں کر دیا۔

تو حضرت زینب سے رہا نہ گیا اور پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اس کی بکواس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

’’ألحمد للّٰه الذي أكرمنا بمحمد و طهّرنا تطهيرا، لا كما تقول، و إنّما يُفتَضَح الفاسق و يكذّب الفاجر.‘‘

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عزت و سرخ روئی عطا فرمائی اور ہمیں خوب صاف ستھرا کیا، ایسا نہیں جو تم کہہ رہے ہو۔ ذلیل و رسوا تو فاسق ہوتا ہے اور جھٹلایا فاجر و بدکار جاتا ہے۔

ابن زیاد نے کہا:

’’فكيف رأيتِ صنعَ اللّٰهِ بأهل بيتک.‘‘

تم نے دیکھ لیا تمہارے خاندان والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا؟ تو آپ نے جواب دیا:

’’كتب عليهم القتل فبرزوا إلىٰ مضاجعهم وسيجمع الله بينک و بينهم فتحاجّون إليه وتخاصمون عنده.‘‘

ان کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا تو وہ اپنی شہادت گاہ کی جانب آ گئے، اب اللہ تعالیٰ (قیامت میں) تجھے اور انہیں اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا تو وہیں تم لوگ بحث و مباحثہ کرو گے اور حجت و دلیل پیش کرو گے۔

یہ سنتے ہی عبید اللہ بن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور غصے سے بھڑک اٹھا، تو عمرو بن حُرَیث نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر کو اچھا رکھے، یہ عورت ہے، کہیں کوئی شخص عورتوں کی بات پر مواخذہ کرتا ہے؟ عورتوں کی باتوں پر مواخذہ اور ملامت نہیں ہوتی۔

پھر ابن زیاد نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

’’قد شفى اللّٰه نفسي من طاغيتک و العُصاة المَرَدةِ من أهلِ بيتک.‘‘

تمہارے ظالم و جابر سے اور تمھارے خاندان کے نافرمانوں اور سرکشوں (کے قتل) سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو سکون بخشا۔

یہ سننے کے بعد حضرت زینب نے روتے ہوئے فرمایا:

’’لقد قتلت كهلي، وَ أَبَرْتَ أهلي، وَقَطَّعتَ فرعي، وَاجْتَثَثْتَ أصلي، فإن يشفکَ هذا فقد اشْتَفَيْتَ.‘‘

واللہ! تم نے میرے ادھیڑ عمر (بھائی) کو قتل کر ڈالا، میرے خاندان والوں کو تباہ و برباد کر ڈالا، میری شاخ کاٹ ڈالی اور میری جڑ اکھاڑ پھینکی، اگر اسی سے تمھیں سکون ملتا ہو تو یقیناً تمھیں سکون مل گیا۔

پھر عبید اللہ بن زیاد نے کہا: **’’هذه شجاعة، قد لعمري كان أبوک شاعرًا شجاعًا.‘‘** یہ بڑی بہادر عورت ہے، بخدا تمہارا باپ شاعر اور بہادر تھا۔

تو حضرت زینب نے فرمایا:

’’مَا لِلْمَرْأَةِ وَالشجاعة! إنَّ لي عن الشجاعة لشغلاً ولكن نفثي ما أقول.‘‘

عورت کا بہادری سے کیا تعلق؟ یقیناً مجھے بہادری سے کوئی سروکار نہیں، یہ میرے قلبی واردات ہیں جو میں بیان کر رہی ہوں۔ (۸)

امام زین العابدین کا بچاو

اس کے بعد جب ابن زیاد بدنہاد کی نظر امام زین العابدین علی بن حسین

رضی اللہ عنہ پر پڑی، جو اس وقت نو جوان تھے اور کئی روز سے بیمار رہنے کی وجہ سے کافی کمزور ہو گئے تھے، تو کچھ اس طرح گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا:

ابن زیاد: تمہارا نام کیا ہے؟

امام زین العابدین: علی بن حسین۔

ابن زیاد: کیا خدا نے علی بن حسین کو قتل نہیں کیا؟

اس پر امام زین العابدین خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا۔

ابن زیاد: بولتے کیوں نہیں؟

امام زین العابدین: میرے بھائی کا نام بھی علی تھا، لوگوں نے انہیں شہید کر دیا۔

ابن زیاد: (نہیں، بلکہ) اسے اللہ نے مارا۔

یہ سننے کے بعد امام زین العابدین پھر خاموش ہو گئے۔

ابن زیاد: کیا بات ہے خاموش کیوں ہو، جواب کیوں نہیں دیتے؟

امام زین العابدین: **الله يتوفّى الأنفسَ حين موتها.** (الزمر: ۴۲) **وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.** (آلِ عمران: ۱۴۵) (اللہ ہی جانوں کو وفات دیتا ہے، ان کی موت کے وقت۔ اور کوئی جان بے حکمِ خدا مر نہیں سکتی۔)

ابن زیاد: خدا کی قسم، تو بھی انہیں میں سے ہے۔ (پھر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا:) ذرا دیکھو، کیا یہ بالغ ہو چکا ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ بلوغ کی منزل کو پہنچ چکا ہے۔

یہ سننے کے بعد حاضرین میں سے مُرّی بن مُعاذ احمری نے تفتیشِ حال کی ناروا جسارت کی، اور کہا: ہاں! یہ بالغ ہو چکا ہے۔

ابن زیاد: اس کی گردن مار دو۔

امام زین العابدین: میرے بعد ان خواتین کا کفیل کسے بناؤ گے؟

ظالم ابن زیاد کے اس حکم کو سننے کے بعد حضرت زینب بے چین ہو گئیں، اور اپنے بھتیجے امام زین العابدین سے چمٹ گئیں اور نہایت درد بھرے لہجے میں فرمایا:

”**يا ابن زياد، حسبک منّا، أما رَوِيتَ مِن دِمَائِنَا، وَهَل أَبْقَيْتَ مِنَّا أحدًا.**“

اے ابن زیاد! بس کر، کیا ابھی تو ہمارے خون سے سیراب نہیں ہوا؟ اور کیا تو نے ہم میں سے کسی کو باقی چھوڑا ہے؟

یہ کہتے ہوئے آپ نے امام زین العابدین کو گلے لگا لیا اور پھر ارشاد فرمایا:

”**أسئلُک باللّٰه إن كنت مومنا ان قتلته لَمَا قَتَلتَنِي معه.**“

اے ابن زیاد! اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے اللہ کا واسطے دے کر کہتی ہوں کہ اگر تجھے انہیں قتل کرنا ہے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔

امام زین العابدین بے خوف و خطر شہید ہونے کے لیے آمادہ تھے، انہوں نے ابنِ زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”**إن كانت بينکَ و بينهنّ قرابةٌ فابعث معهنَّ رجلًا تقيًّا يَصحَبُهُنَّ بصحبة الإسلام.**“

اے ابن زیاد! اگر تمہارے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی قرابت اور رشتہ ہو تو (اس کا لحاظ کرتے ہوئے) ان کے ساتھ کسی پرہیز گار آدمی کو بھیج دو، جو وطن پہنچنے تک ایک مسلمان کی طرح ان کے ساتھ رہے۔

یہ سننے کے بعد ابنِ زیاد کچھ دیر تک حضرت زینب کو دیکھتا رہا، اچانک اس کے تاریک دل میں رحم و مروّت کی کرن پھوٹی اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہا: ”مجھے اپنے جذبۂ رحم پر حیرت ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں اس لڑکے کو قتل کرتا تو یہ عورت چاہتی کہ میں اس کے ساتھ اسے بھی قتل کر دوں۔ اس لڑکے کو ان عورتوں کے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دو۔“ (۹)

حضرت زینب کی حق گوئی دربارِ یزید میں

ملک شام کے مرکزی شہر اور یزیدی سلطنت کی راج دھانی ”دمشق“ میں

اہلِ بیتِ نبوت کا لٹا ہوا تباہ حال قافلہ کئی روز کا پُر مشقت سفر طے کر کے پہنچا، یزید کے پر شکوہ دربار میں امرا، عمائدینِ سلطنت اور حاشیہ نشینوں اور درباریوں کا مجمع لگا ہوا ہے، امام زین العابدین پابجولاں اور خاندانِ نبوت کی مقدس شہزادیاں اور مستورات قیدیوں کی طرح سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ دربار میں پیش ہوئے۔ یزید شوکتِ اقتدار کے نشے میں چور تھا، اس نے حضرت امام زین العابدین سے کہا:

''أبوک الذی قطع رحمي و جهل حقّي ونازعني سلطاني فصنع اللّٰهُ به ما قد رأيت.''

اے علی (زین العابدین) تمھارے والد ہی نے مجھ سے رشتہ توڑا، میرا حق پامال کیا، اور میری سلطنت اور اقتدار میں مجھ پر غلبہ پانے کی کوشش کی، تو اللہ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔

امام زین العابدین نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

''مَا اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا.''(الحدید: ۲۲)

جو مصیبت بھی زمین پر اور خود تم پر آتی ہے، وہ سب ہم نے ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھ دی ہے۔

یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا: اس کا جواب دو۔ لیکن کوئی جواب اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ تو خود یزید نے اس سے کہا کہ جواب میں یہ آیت پڑھو:

''وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ.''(الشوریٰ: ۳۰)

جو مصیبت بھی تم پر آتی ہے، وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، اور بہت سی خطائیں اللہ معاف بھی کر دیتا ہے۔

پھر اہلِ بیت کے بچوں اور عورتوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور جب ان کی شکستہ حالی دیکھی تو کہا:

''قَبَّحَ اللّٰهُ ابنَ مَرجَانَةَ ! لَو كانت بينه وَبَينكُم رَحِمٌ أو قرابةٌ مَا فَعَلَ هٰذَا بِكُمُ ، وَلَا بَعَثَ بِكُمُ هٰكَذَا.''

خدا، ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) کا برا کرے اگر اس کی تم لوگوں سے کوئی قرابت یا رشتہ داری ہوتی تو تمھارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا، اور نہ تمھیں اس حالتِ زار میں (میرے پاس) بھیجتا۔(۱۰)

اسی درمیان حضرتِ فاطمہ بنت علی کو دیکھ کر ایک سرخ رنگ بد بخت شامی نے یزید سے کہا: یہ لڑکی مجھے دے دیجیے۔ (اس نا ہنجار شامی نے مقدس اہلِ بیتِ نبی کو جہاد میں قید ہونے والی عورت سمجھ رکھا تھا۔) یہ سن کر حضرت فاطمہ ڈر گئیں اور اپنی بہن حضرت زینب کا کپڑا پکڑ لیا۔ حضرت زینب ان سے بڑی اور ان سے زیادہ عقل مند اور سمجھ دار تھیں، اور انہیں معلوم تھا کہ قیدی مسلم خاتون بطور کنیز دوسرے مسلمان کو نہیں دی جا سکتی ہے، اس لیے انہوں نے اس شامی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

''كذبتَ واللّٰهِ وَلَؤُمتَ، مَا ذٰلک لکَ ولا له.''

بخدا، تو جھوٹا، کم ظرف اور کمینہ خصلت ہے۔ یہ لڑکی نہ شرعاً تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو۔

چوں کہ حضرت زینب نے یزید کے متعلق بھی کہہ دیا تھا، اس لیے یزید نے غضب ناک ہو کر کہا:

''كذبتِ واللّٰه، إنّ ذٰلک لي، ولو شئتُ أن أفعله لفعلتُ.''

بخدا تو جھوٹ کہتی ہے، یہ میری مِلک ہے، اگر میں اسے لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔

حضرت زینب نے کہا: **''كلّا واللّٰه، ما جعل اللّٰهُ لک ذٰلک إلّا أن تخرج من ملّتنا و تدين بغير ديننا.''**

خدا کی قسم! تم ہرگز اسے نہیں لے سکتے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کا حق نہیں

دیا، ہاں اگر تم ہمارے دین (اسلام) سے نکل جاؤ اور اس کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرلو تو پھر تم اسے لے سکتے ہو۔

حضرت زینب کے جواب کا یہ مطلب ہے کہ جب تک تم مسلمان کہلاتے ہو اس وقت تک مسلمان عورت کو مالِ غنیمت کے طور پر نہیں لے سکتے ہو، ہاں اگر دوسرا مذہب اختیار کرلو اور مسلمان ہی نہ رہو تو پھر اپنے اُس مذہب کے اصول کے اعتبار سے تم اسے لے سکتے ہو۔

یہ سنتے ہی یزید مارے غصے کے آگ بگولا ہوگیا اور شدتِ غیظ و غضب کے عالم میں کہنے لگا: تو مجھ سے اس طرح کی بات کہتی ہے، دین سے تو تیرے باپ اور بھائی خارج ہوئے تھے۔

اس پر حضرت زینب نے کہا:

”بدین اللّٰہ و دینِ أبی و أخی و جدّی اهتدیت أنت و أبوک و جدّک.“

اللہ کے دین اور میرے باپ، بھائی اور نانا جان کے دین ہی سے تو تو نے اور تیرے باپ دادا نے ہدایت پائی ہے۔

یزید نے آپے سے باہر ہوکر کہا:

”کذبت یا عدوة اللّٰه.“ او دشمنِ خدا! تو جھوٹ کہہ رہی ہے۔

حضرت زینب نے فرمایا:

”أنت امیر مسلط تشتم ظالمًا وتقهر بسلطانکَ.“

تم صاحبِ اقتدار حاکم ہو، اپنے اقتدار کے نشے میں ناحق بدزبانی اور سختی کررہے ہو۔

حضرت زینب کی یہ جرأت مندانہ اور معقول بات سن کر وہ شرمایا اور لاجواب ہوکر خاموش ہوگیا۔

پھر اُس شامی بدبخت نے دوبارہ یزید سے درخواست کی کہ یہ لڑکی مجھے عطا

کردیں۔ یزید نے غصے میں کہا: دور ہوجا، اللہ تجھے موت سے دوچار کرے۔ (۱۱)

حسن سلوک کا صلہ دینے کی کوشش

خاندانِ رسالت کی شہزادیوں اور شہزادوں نے کچھ دن تک دمشق میں قیام کیا۔ پھر یزید نے انہیں مدینہ منورہ بھجوانے کا ارادہ کیا تو امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر کہا:

”لعنَ اللّٰهُ ابنَ مرجانَة، أما واللّٰهِ لو أنّي صَاحِبُه ماسأَلني خصلةً أبدًا الّا أعطيتُها ايّاه، ولَدَفعتُ الحتفَ عنه بكل ما استطعتُ ولو بهلاکِ بعض ولدي ولكن اللّٰه قضٰى ما رأيتَ، كاتِبْني وأَنْهِ كلَّ حاجةٍ تكونُ لک.“

ابن مرجانہ پر اللہ کی لعنت ہو، بخدا اگر میں حسین کے سامنے ہوتا تو وہ جو بھی لائحۂ عمل میرے سامنے پیش کرتے میں اسے مان لیتا اور اپنی وسعت بھر ان سے موت کو دفع کرتا، اگرچہ اس میں میری کوئی اولاد ہی ہلاک ہوجاتی۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا، بہرحال آئندہ تمھیں جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے لکھ بھیجنا۔

یزید نے اہل بیت رسول کے ان باقی ماندہ افراد کو مدینہ طیبہ بھجوانے کا انتظام کرنے کے لیے حضرت نعمان بن بشیر انصاری کو بلا کر حکم دیا کہ ان لوگوں کو ضروری سامان سفر اور شریف و متدین قسم کے مسلمانوں کے ہمراہ پوری حفاظت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دو۔ انہوں نے بڑی خوش دلی کے ساتھ یہ خدمت قبول کی۔ اور انہیں کپڑے اور دوسرے سامانِ ضرورت دینے کے بعد بڑے ادب و احترام اور راحت و آرام کے ساتھ اس طرح مدینہ منورہ پہنچایا کہ راستے میں رات کے وقت اہل بیت رسول سواریوں پر آگے آگے چلتے تاکہ سارے لوگ ان کی نگاہوں میں رہیں، اور جب یہ لوگ آرام کرنے اور دیگر ضروریات کے لیے ٹھہرتے تو حضرت نعمان اور ان کے حفاظتی دستے کے لوگ ان سے دور ہوکر ہر طرف اِدھر اُدھر بکھر جاتے اور ان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے، اور ٹھہرنے کے وقت ان لوگوں سے اتنی دور اترتے کہ پردہ نشینانِ اہل

بیت کو وضو کرنے اور دیگر ضروریات کی تکمیل میں کوئی تکلف اور پریشانی نہ ہو۔

راستے بھر قافلۂ اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک کرتے رہے اور ان سے دریافت کرتے رہے کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک بتائیں۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا تو حضرت فاطمہ بنت علی رضی اللہ عنہا نے اپنی بڑی ہم شیر حضرت زینب سے کہا کہ انہوں نے راستے بھر ہم لوگوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، ہماری تمام ضرورتوں کا خیال رکھا تو انہیں اس کا کچھ صلہ دیا جانا چاہیے۔ حضرت زینب نے فرمایا کہ انہیں ان کے حسن سلوک کا صلہ دینے کے لیے اس وقت ہمارے پاس اِن زیورات کے سوا اور ہے ہی کیا؟ پھر انہوں نے اپنے اور اپنی بہن فاطمہ کے زیورات ان کے پاس بھیجے اور زبانی کہلا بھیجا کہ اس وقت ہم لوگ معذور ہیں، ہمارے پاس ان زیورات کے علاوہ کچھ نہیں، یہ آپ لوگوں کے حسن سلوک کا صلہ اور شکرانہ ہے، اس کو قبول کرلیں۔ حضرت نعمان بن بشیر نے وہ زیورات یہ کہتے ہوئے واپس کردیے کہ ’’اگر میں نے نفع دنیا کے لیے یہ خدمت کی ہوتی تو آپ لوگوں کے ان زیورات سے مجھے خوشی ہوتی، لیکن خدا کی قسم! ہم نے دنیوی منفعت کے لیے یہ خدمت نہیں کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے یہ سعادت حاصل کی ہے۔‘‘ (۱۲)

روایت حدیث

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ حضرتِ زینب نے درج ذیل شخصیتوں سے حدیث روایت کی ہے:

(۱) اپنی والدہ ماجدہ شہزادیِ رسول حضرت فاطمہ زہرا سے۔

(۲) اپنی خوش دامن حضرت اسما بنت عمیس سے۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سے جن کا نام طہمان یا ذکوان ہے۔

اور ان سے درج ذیل حضرات نے حدیث روایت کی:

---

(۱) حضرت محمد بن عمرو (۲) حضرت عطا بن سائب۔ (۳) آپ کی بھتیجی حضرت فاطمہ بنت حسین بن علی۔

ان کی مرویات میں سے ایک یہ ہے:

’’عن عطاء بن السائب قال: دلّني أبو جعفر على امرأة يقال لها زينب بنت علي أو من بنات علي، قالت: حدّثني مولى للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم- يقال له طهمان أو ذكوان- أن النبيَّ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: ’’اِنّ الصدقة لاتحلّ لمحمّد ولا لِآل محمّد، وانّ مولىٰ القومِ منهم.‘‘ (۱۳)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زکوٰۃ محمد اور آل محمد کے لیے حلال نہیں اور قوم کا آزاد کردہ غلام اسی کا ایک فرد ہے۔

ولادت ووفات

آپ کی ولادت ووفات کس تاریخ اور کس سنہ میں ہوئی، اس کے بارے میں معتبر اور مستند کتابوں میں کوئی صراحت نہیں ملتی، صرف حافظ ابن عساکر نے ’’تاریخ دمشق‘‘ میں یہ لکھا ہے: **’’تزوّجها عبدُ اللّٰه بن جعفر فماتت عنده‘‘** (۱۴)

آپ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا، اور انہیں کی زوجیت میں آپ کا انتقال ہوا۔

ہاں! شیعہ مورخین کے یہاں راجح یہ ہے کہ ان کی ولادت ۵/ جمادی الاولیٰ ۶ ھ میں اور وفات ۱۵/ رجب ۶۲ ھ میں ہوئی۔

تاریخ ولادت ووفات ہی کی طرح ان کی جاے وفات اور مدفن کے بارے میں بھی ان کے یہاں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ ان کا مدفن مصر کے مشہور شہر قاہرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۵)

مصادر و مراجع

اس مضمون کی تیاری میں تاریخ و رجال کی معتبر اور مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے، حضرت زینب کبریٰ کے تعلق سے کتب شیعہ میں تو بہت کچھ تفصیل کے ساتھ موجود ہے، مگر میں نے قصداً اس سے گریز کیا اور عالم اسلام کے مستند مورخین اور ماہرین اسماے رجال کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا۔ وہ کتابیں اپنے مصنفین کے ناموں اور دیگر ضروری تفصیلات کے ساتھ درج ذیل ہیں:

(۱) **تاريخ الرسل والملوک ومن كان في زمن كل منهم المعروف بـ: تاريخ الطبرى**
تصنیف: امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (متوفی: ۳۱۰ھ)
مطبوعہ دارالفکر، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۲۳ھ - ۲۰۰۲ء

(۲) **تاريخ مدينة دمشق**
تصنیف: امام ابو القاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ الشافعی المعروف بابن عساکر (متوفیٰ: ۵۷۱ھ)
مطبوعہ دارالفکر، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۸ء.

(۳) **الكامل فى التاريخ**
تالیف: مؤرّخ اسلام عزّ الدین ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری (متوفیٰ: ٦٣۰ھ) تحقیق ڈاکٹر عبد السلام تدُمری
مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثہ، ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱ء

(۴) **اُسد الغابة فى معرفة الصحابة**
تالیف: امام عزّ الدین ابو الحسن علی بن محمد بن محمد عبد الواحد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری (متوفیٰ: ٦٣۰ھ)
تحقیق و تعلیق الشیخ علی محمد معوّض، الشیخ عادل أحمد عبد الموجود
مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳ء

(۵) **سِيَر أعلام النُبَلاء**
تالیف: امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذَّھبی، (متوفیٰ: ۷۴۸ھ)
تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا
مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۵ھ - ۲۰۰۴ء

(٦) **البداية والنهاية**
تالیف: مؤرخ اسلام ابو الفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی (متوفیٰ: ۷۷۴ھ)
تحقیق: صدقی محمد جمیل العطّار، مطبوعہ دارالفکر بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷ء

(۷) **الاكمال فى أسماء الرجال**
تالیف: شیخ ولي الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی (متوفیٰ مابعد ۷۴۰ھ) مع مشکاۃ المصابیح، تقدیم نفیس احمد مصباحی
مطبوعہ: مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۳ھ - ۲۰۰۲ء

(۸) **الاصابة فى تمييز الصحابة**
تالیف: حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (متوفی: ۸۵۲ھ) دراسۃ و تحقیق و تعلیق: الشیخ عادل احمد عبد الموجود، الشیخ علی محمد معوّض،
مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۲۳ھ، ۱۰۰۲ء

حوالے وحواشی

(۱) اُسُد الغابہ، ج:۷، ص:۱۳۴، حرف الزاء۔ الاصابۃ في تمییز الصحابۃ، ج:۸، ص:۱٦٦، کتاب النساء۔

(۲) تاریخ مدینۃ دمشق، ج:٦۹، ص:۱۷٦۔ اُسُد الغابہ، ج:۷، ص:۱۳۴

(۳) البدایۃ والنھایۃ، ج:۵، ص:٦۹۳

(۴) الاکمال فی اسماء الرجال، ص:٦۰۴

(۵) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۵۴.. الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۱۹۲

(٦) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۳٦۰، ترجمۃ محمد بن جعفر بن ابی طالب

(۷) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۴۸.. الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۱۸۵، ۱۸٦

(۸) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۴۸، ۲۴۹۔ الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۱۸٦۔ لیکن ''الکامل'' میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی گفتگو کے آخری دو جملے نہیں ہیں۔

(۹) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۴۹. الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۲۴۹۔ البدایۃ والنھایۃ، ج:۵، ص:۷۰۲

(۱۰) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۵۱۔ الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۱۸۹۔ البدایۃ والنھایۃ، ج:۵، ص:۷۰۲

(۱۱) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۵۱۔ الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۱۸۹۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج:٦۹، ص:۱۷٦، ۱۷۷۔ البدایۃ، ج:۵، ص:۷۰۳

(۱۲) تاریخ الطبری، ج:٦، ص:۲۵۲۔ الکامل في التاریخ، ج:۳، ص:۱۹۰، ۱۹۱ البدایۃ والنھایۃ، ج:۵، ص:۷۰۳

(۱۳) تاریخ مدینۃ دمشق، ج:٦۹، ص:۱۷۴، ترجمۃ زینب الکبریٰ بنت علی بن

أبی طالب

(۱۴) مصدر سابق، ص:۱۷٦

(۱۵) تاریخ ولادت و وفات اور مدفن کے تعلق سے یہ معلومات آزاد بین اللسانی دائرۃ المعارف و یکی پیڈیا سے ماخوذ ہیں۔ میرے علم کے مطابق مستند مصادر و مآخذ میں اس تعلق سے کوئی صراحت نہیں

زین العابدین امام علی بن حسین کی حیات وشخصیت

اور فرزدق تمیمی کا تاریخی قصیدہ

مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری، بدایوں

شہزادۂ گلگوں قبا، امام عالی مقام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شہزادے اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ وسیدتنا خاتون جنت کے پوتے زین العابدین امام علی بن حسین خاندانی نجابت وشرافت کے ساتھ ساتھ ذاتی اوصاف وکمالات کی بنیاد پر طبقۂ تابعین میں نمایاں شرف وفضیلت رکھتے ہیں۔ زہد وتقویٰ، جود وسخا، تواضع وانکساری اور غربا پروری میں ضرب المثل ہیں۔ شب بیداری، عبادت گزاری اور سجدہ ریزی میں ایسے ممتاز ہوئے کہ ’’زین العابدین‘‘ اور ’’زین السجاد‘‘ کے لقب سے یاد کیے گئے۔

نسب مبارک اور ولادت

آپ کا نسب مبارک اس طرح ہے:

امام زین العابدین علی العلوی الہاشمی المدنی بن امام حسین بن امام علی مرتضیٰ بن ابوطالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف۔

آپ کی والدہ کا نام سلامہ یا سلافہ یا غزالہ ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ بادشاہ فارس یزدجرد کی صاحبزادی تھیں۔ حافظ ابن کثیر نے زمخشری کی ’ربیع الابرار‘ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یزدجرد بادشاہ فارس کی تین بیٹیاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں قیدی بنا کر مدینہ لائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک حضرت عبد اللہ ابن عمر کے حصے میں آئیں، جن سے حضرت سالم بن

عبد اللہ کی ولادت ہوئی۔ دوسری حضرت محمد بن ابی بکر کو دی گئیں، جن سے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ تیسری حضرت امام حسین کو دی گئیں، جن سے حضرت امام زین العابدین پیدا ہوئے۔(۱)

امام زین العابدین کی ولادت تقریباً ۳۸ھ میں ہوئی۔ مدینہ منورہ میں اجلۂ صحابہ اور تابعین کے زیر سایہ نشو ونما پائی۔

نام، کنیت، لقب

حضرت امام حسین کے تین صاحبزادوں کا نام علی ہے۔ تینوں میں امتیاز کے لیے علی اکبر، علی اوسط اور علی اصغر کہا جاتا ہے۔ امام زین العابدین علی اوسط ہیں۔ حضرت علی اکبر اور حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے معرکہ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔

امام ذہبی نے ’سیر اعلام النبلاء‘ میں لکھا ہے کہ امام زین العابدین کی کنیت ابو الحسن تھی، بعض لوگوں نے ابو الحسین اور بعض نے ابو محمد بھی لکھی ہے۔(۲)

’زین العابدین‘ اور ’زین السجاد‘ آپ کے القاب ہیں جو کثرت عبادات اور کثرت سجود کی بنیاد پر آپ کے شایان شان ہیں۔

واقعہ کربلا اور امام زین العابدین

سانحۂ کربلا کے وقت حضرت امام زین العابدین کا عنفوان شباب تھا، اس وقت آپ کی عمر ۲۲/۲۳/ برس کے لگ بھگ تھی۔ آپ بھی قافلہ اہل بیت کے ہمراہ معرکہ حق وباطل میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ سے کربلا روانہ ہوئے۔ اس درمیان آپ کی طبیعت سخت علیل ہوگئی۔ کربلا پہنچ کر مزاج اور زیادہ ناساز ہوگیا جس کے سبب آپ معرکے میں شرکت نہیں کر سکے۔ سرزمین کربلا پر گلشن اہل بیت کو تاراج کیا گیا۔ آپ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بھائیوں، والد اور دیگر اہل بیت کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ امام عالی مقام کی شہادت کے بعد جب معرکہ سرد ہوا اور قافلۂ اہل بیت کو یزید کے دربار میں پیش کرنے کے لیے لے جایا گیا تو اس میں آپ بھی تھے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یزید نے آپ کا اکرام کیا اور پوچھا کہ آپ کو کہاں بھیج دیا

جائے، آپ نے واپس مدینہ منورہ جانے کے لیے فرمایا، چنانچہ قافلۂ اہل بیت کو مدینہ منورہ واپس بھیج دیا گیا۔ سانحۂ کربلا کے وقت آپ کا بیمار ہو جانا اور جنگ میں شرکت نہ کر پانا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم مصلحت اور حکمت تھی کیوں کہ امام حسین کے صاحبزادوں میں صرف آپ ہی باقی رہے اور نسل حسینی آپ ہی کے ذریعے آگے بڑھی۔ اگر خدانخواستہ سرزمین کربلا میں آپ بھی شہید ہو گئے ہوتے تو حضرت امام حسین کا سلسلہ اولاد منقطع ہو گیا ہوتا۔

امام زین العابدین کے شیوخ و تلامذہ

حافظ ذہبی امام زین العابدین کے شیوخ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

آپ نے اپنے والد امام حسین سے روایت حدیث کی ہے۔ آپ اپنے دادا جناب علی مرتضٰی سے بھی مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ سے بھی آپ نے روایت کی ہے، یہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔ آپ نے حضرت عائشہ سے بھی روایت کی ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو رافع، اپنے عم محترم حضرت امام حسن مجتبیٰ، حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ام سلمہ، حضرت مسور بن مخرمہ، زینب بنت ابی سلمہ، مروان بن حکم، عبیداللہ بن ابی رافع، حضرت سعید بن مسیّب، سعید بن مرجانہ، ذکوان مولیٰ حضرت عائشہ اور حضرت عمر بن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایت کی ہے۔

حافظ ذہبی نے آپ سے روایت کرنے والے ائمہ و محدثین میں سے بعض کے اسما درج کیے ہیں۔ جن میں آپ کے صاحبزادگان حضرت امام ابو جعفر محمد باقر، حضرت عمر بن علی، حضرت زید شہید اور حضرت عبداللہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، امام یحییٰ بن سعید، حضرت ہشام بن عروہ اور عمرو بن دینار جیسے ارباب علم و فضل اور اصحاب فقہ و حدیث نمایاں ہیں۔ حکم بن عتیبہ، زید بن اسلم، ابو الزناد، علی بن جدعان، مسلم البطین، حبیب بن ابی ثابت عاصم بن عبید اللہ، عاصم بن عمر بن قتادہ، قعقاع بن حکیم، ابو حازم الاعرج، عبداللہ بن مسلم بن ہرمز، محمد بن فرات تمیمی اور منہال بن عمرو وغیرہ شامل ہیں۔ (۳)

طلب علم اور تواضع و انکساری

امام زین العابدین باب مدینۃ العلم کے پوتے اور خود علوم نبویہ کے وارث تھے، لیکن اس کے باوجود بھی آپ حصول علم کے ہمیشہ مشتاق رہا کرتے تھے، جہاں بھی ان کو علم کی شمع جلتی ہوئی نظر آتی بلا تکلف اس سے استفادہ فرماتے تھے، اس میں آپ کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ آپ اکثر حضرت زید بن اسلم کی مجلس علم میں بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نافع بن جبیر نے آپ سے کہا کہ ’’اے امام! آپ سید الناس ہیں اور لوگوں میں سب سے افضل ہیں پھر بھی آپ اِس غلام (زید بن اسلم) کی مجلس میں جاتے ہیں؟‘‘۔ حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ ’’آدمی کو جہاں سے بھی علم حاصل ہو اس کو چاہیے کہ اس کو اخذ کرے‘‘۔ (۴)

جود و نوال

حافظ ابو نعیم ’حلیۃ الاولیا‘ میں اپنی سند سے عمرو بن دینار کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محمد بن اسامہ بن زید سخت بیمار ہوئے، امام زین العابدین ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت محمد بن اسامہ رونے لگے، امام زین العابدین نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ میرے اوپر قرض ہے، امام زین العابدین نے پوچھا کہ آپ کے اوپر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا پندرہ ہزار دینار، امام زین العابدین نے بلا تأمل فرمایا کہ آپ بے فکر ہو جائیں وہ قرض اب میرے ذمے ہے۔ (۵)

غربا پروری

امام ذہبی نے ’سیر اعلام النبلاء‘ میں، ابن سعد نے ’طبقات‘ میں اور حافظ ابو نعیم نے ’حلیۃ الاولیا‘ میں امام زین العابدین کی سخاوت، فیاضی، دریا دلی اور مخلوق خدا کی

خدمت و مدد کے سلسلے میں متعدد واقعات اپنی اپنی سندوں سے روایت کیے ہیں۔ سیرت نگاروں اور مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام زین العابدین سخاوت و فیاضی میں اپنے اجداد کے سچے وارث تھے۔ غربا پروری کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ میں آپ ۱۰۰؍غریب گھروں کی کفالت کیا کرتے تھے اور وہ بھی اس شان سے کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی، حتیٰ کہ جن لوگوں تک آپ سامان خورد ونوش پہنچاتے تھے ان کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ سامان کون پہنچاتا ہے۔ آپ رات کے اندھیرے میں ان غربا کے گھر سامان پہنچاتے تھے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو اس کے بعد سے رات میں سامان پہنچنے کا سلسلہ موقوف ہوگیا، اس سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ نیک بندہ جو رات میں ہمارے لیے خاموشی سے سامان لایا کرتا تھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ امام زین العابدین تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق جب بعد وصال آپ کو غسل دیا جانے لگا تو غسل دینے والوں نے پشت کی جانب کندھوں کے بیچ میں ایک نشان دیکھا، جس سے معلوم ہوا کہ آپ رات میں آٹے کی بوری کندھے پر لاد کر نکلتے تھے اور غربا و مساکین میں تقسیم کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی پشت پر نشان بن گیا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ چھپا کر صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد لوگوں نے کہا کہ آج معلوم ہوا کہ چھپا کر صدقہ کرنا کیا ہوتا ہے۔(۶)

تقویٰ و پرہیزگاری

حضرت سعید بن مسیّب سے کسی نے کہا کہ میں نے فلاں سے زیادہ متقی و پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا، اس پر حضرت ابن مسیّب نے فرمایا کہ کیا تم نے علی بن حسین کو دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، حضرت ابن مسیّب نے فرمایا کہ میں نے علی بن حسین سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار کسی کو نہیں پایا۔(۷)

اسوۂ رسول

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا اور اپنی باندی کو آزاد کر کے خود اس سے نکاح کر لیا۔ اس پر عبدالملک نے ملامت کی کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ اپنی شہزادی ایک غلام کو دیدی اور خود ایک لونڈی کو اپنے نکاح میں لے آئے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة**“ یعنی تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا تھا۔ میں نے جو کیا ہے وہ اسی اسوۂ رسول کی پیروی میں کیا ہے۔(۸)

خشیت الٰہی

ابراہیم بن محمد شافعی نے سفیان سے باسناد مرسل روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ امام زین العابدین نے حج کا ارادہ کیا، جب حج کے لیے احرام باندھا تو آپ کا چہرہ زرد ہوگیا اور آپ پر کپکپی طاری ہوگئی اور یہ حالت ہوگئی کہ آپ تلبیہ (لبیک اللھم لبیک) بھی نہیں کہہ سکے، لوگوں نے کہا کہ آپ تلبیہ کیوں نہیں کہہ رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ میں اِدھر سے اللھم لبیک کہوں اور اُدھر سے جواب آئے لا لبیک۔ پھر آپ نے لبیک اللھم لبیک کہا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی اور آپ سواری سے گر گئے۔ پھر حج کے اختتام تک آپ کی خشیت اور گریہ وزاری کی یہی کیفیت رہی۔(۹)

عبادت کی تین قسمیں

امام زین العابدین نے فرمایا: عبادت کی تین قسمیں ہیں، کچھ لوگ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے جو اپنے آقا کے عتاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں۔ کچھ لوگ جنت کی امید پر عبادت کرتے ہیں یہ تاجروں کی عبادت ہے۔ کچھ لوگ محض اللہ کے شکر کے لیے اس کی بندگی کرتے ہیں یہ نہ تاجروں کی عبادت ہے نہ غلاموں کی عبادت ہے بلکہ یہ آزاد مردوں کی عبادت ہے۔(۱۰)

گریہ وزاری

امام زین العابدین بہت رقیق القلب اور کثیر البکا تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں اتنا روئے کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہیں، جب کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت یوسف کا وصال ہو گیا یا نہیں۔ جب کہ میرا حال یہ ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے میرے گھر کے دسیوں افراد ایک ہی دن میں شہید کر دیے گئے، کیا تم گمان کرتے ہو کہ ان کا غم میرے دل سے چلا جائے گا۔(۱۱)

تفقہ اور ثقاہت

علمائے جرح وتعدیل بہ اتفاق رائے آپ کو ثقہ، مامون اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے بلا تکلف اپنی کتب میں آپ سے مروی احادیث درج کی ہیں۔

امام ذہبی نے امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”میں نے علی بن حسین سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا“۔(۱۲)

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

”کان علي بن الحسين ثقة ماموناً ، كثير الحديث ، عالياً، رفيعاً ورعا.“(۱۳)

حضرت علی بن حسین ثقہ اور مامون تھے، کثیر الحدیث، عالی مرتبت، رفیع القدر صاحب ورع تھے۔

افتخار اہل بیت

امام زین العابدین کے بارے میں ان کے معاصر ائمہ بیک زبان شہادت دیتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے میں اہل بیت کے درخشاں ستارے اور ان میں علم وفضل کے اعتبار سے سب سے افضل تھے۔ حضرت معمر زہری سے روایت کرتے ہیں کہ امام زہری نے فرمایا:

”لم أدرک من أهل البيت أفضل من علي بن الحسين.“(۱۴)

میں نے اہل بیت میں حضرت علی بن حسین سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

”ما رأيت فيهم مثل على بن الحسين.“ (۱۵)

میں نے اہل بیت میں حضرت علی بن حسین کی مثل کسی کو نہ دیکھا۔

ابن وہب امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک فرمایا کرتے تھے:

”لم يكن في أهل البيت مثله.“(۱۶) اہل بیت میں کوئی ان کی مثل نہیں ہے۔

خوف آخرت

امام زین العابدین اپنے ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود اس درجہ خوف آخرت رکھتے تھے کہ آخرت کا خیال آتے ہی گریہ کناں ہو جایا کرتے تھے۔ حافظ ذہبی ابونوح انصاری کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”وقع حريق في بيت فيه علي بن الحسين وهو ساجد فجعلوا يقولون يا ابن رسول الله النار فما رفع رأسه حتى طفئت فقيل له في ذلک فقال الهتني عنها النار الاخرى.“(۱۷)

ایک گھر میں حضرت علی بن حسین سجدہ کر رہے تھے کہ اس میں آگ لگ گئی، لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادے آگ آگ۔ آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھ گئی، جب آپ سے اس بارے میں عرض کیا گیا (کہ آپ نے آگ کے باوجود سر سجدے سے نہیں اٹھایا اور گھر سے باہر نہیں آئے) تو آپ نے فرمایا کہ ”مجھے آخرت کی آگ نے اِس آگ سے غافل کر دیا۔“

امام زین العابدین کی نظر میں شیخین کا مرتبہ

ابو حازم مدنی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ کسی نے امام زین العابدین

سے سوال کیا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کیا مقام تھا؟۔ اس سوال کے جواب میں امام زین العابدین نے قبر اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بارگاہ رسالت میں ان دونوں حضرات کا وہی مقام و مرتبہ تھا جو اِس وقت ہے۔ یعنی جس طرح یہ دونوں حضرات آج حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی مقام قرب و اتصال ان دونوں حضرات کو حیات ظاہری میں بھی حاصل تھا۔

حافظ ذہبی نے یحییٰ بن کثیر کی روایت درج کی ہے، وہ حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد حضرت امام محمد باقر سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ’’مجھے ابوبکر کے بارے میں کچھ بتائیے‘‘۔ آپ نے فرمایا کہ ’’کیا تم صدیق کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟‘‘، اُس سائل نے حیرت سے کہا کہ ’’کیا آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟‘‘، آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کا نام صدیق انہوں نے رکھا ہے جو مجھ سے افضل و بہتر ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرات مہاجرین اور حضرات انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو یہاں تک کہا کہ جو ان کو صدیق نہ کہے اللہ تعالیٰ اس کی بات کو کبھی سچا نہ کرے۔ تو یہاں سے دفع ہو جا اور جا کر پہلے ابوبکر و عمر سے محبت کر۔ (۱۸)

کشادہ قلبی

ابو یعقوب مدنی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر امام زین العابدین اور ان کے چچازاد بھائی حضرت حسن بن حسن کے درمیان کچھ ناراضگی ہوگئی، حضرت حسن نے غصے میں حضرت زین العابدین کو کافی کچھ کہہ دیا، حضرت زین العابدین خاموش سنتے رہے، حضرت حسن واپس چلے گئے۔ جب رات ہوئی تو امام زین العابدین حضرت حسن بن حسن کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت حسن سے فرمایا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا اگر وہ سچ ہے تو اللہ تعالیٰ

مجھے معاف فرمائے اور اگر سچ نہیں جھوٹ ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے، تم پر سلامتی و رحمت ہو۔ یہ سننا تھا کہ حضرت حسن بن حسن نے امام زین العابدین کو سینے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ (۱۹)

عبادت گزاری

مصعب بن عبداللہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت زین العابدین دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے، ان کا یہ معمول ان کے وصال تک برابر جاری رہا۔ آپ کی اس عبادت گزاری کی وجہ سے ہی آپ کا لقب ’زین العابدین‘ ہوا۔ (۲۰)

اولاد امجاد

یہ ہم پیچھے لکھ چکے ہیں کہ مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ نسل حسینی امام زین العابدین کے واسطے سے آگے بڑھے، اس لیے معرکۂ کربلا میں آپ بیماری کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے اور صحیح سلامت مدینہ منورہ واپس آگئے۔ آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی اور ساری دنیا میں نسل حسینی پھیل گئی۔

علاء الدین المدرس نے آپ کی اولاد امجاد کے سلسلے میں تحقیق کی ہے۔ ان کی کتاب ’’**النسب والمصاهرة بين أهل البيت والصحابة**‘‘ سے استفادہ کرتے ہوئے یہاں آپ کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کے اسما درج کیے جاتے ہیں۔

آپ کا عقد حضرت امام حسن مجتبیٰ کی شہزادی سے ہوا، جن سے حضرت حسن، حضرت حسین اکبر، حضرت امام محمد باقر اور حضرت عبداللہ تولد ہوئے۔ آپ کی دیگر ازواج سے حضرت عمر، حضرت امام زید شہید، حضرت علی، حضرت حسین اصغر، حضرت سلیمان، حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ آپ کی صاحبزادیوں میں سیدہ خدیجہ، سیدہ علیہ (ام علی)، سیدہ کلثوم، سیدہ ملیکہ، سیدہ حسنہ (ام الحسن)، سیدہ ام الحسین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن شامل ہیں۔ (۲۱)

وصال اور مزار مبارک

آپ کے سنہ وصال کے بارے میں امام ذہبی نے ۴/اقوال ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ واقدی، ابوعبید، بخاری، فلاس اور امام زین العابدین کے پوتے امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ امام زین العابدین کا وصال ۹۴ھ میں ہوا۔ حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن حسن نے فرمایا کہ امام زین العابدین کا وصال ۱۴/ربیع الاول شب سہ شنبہ ۹۴ھ میں ہوا۔ ابونعیم اور شباب نے کہا کہ آپ کا وصال ۹۲ھ میں ہوا۔ معن بن عیسیٰ نے ۹۳ھ اور یحییٰ بن بکیر نے ۹۵ھ لکھا ہے۔ لیکن امام ذہبی کے نزدیک پہلا والا قول صحیح ہے۔ (۲۲)

آپ کے سنہ وصال کے بارے میں گو کہ روایات میں اختلاف ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں اپنے تایا امام حسن مجتبیٰ کے پہلو میں آخری آرام گاہ قرار پائی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

انہیں بقیع میں دفن کیا گیا اسی قبر میں جس میں ان کے چچا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون تھے، اس کے بعد اسی قبر میں ان کے لڑکے محمد باقر اور ان کے بیٹے کے بیٹے جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین دفن کیے گئے۔ کمال ہے اس قبر کی بزرگی اور کرامت پر اور آج یہ قبر ایک قبہ میں ہے کہ اس میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ہے۔ (۲۳)

افسوس کہ سعودی حکومت نے اس قبے کو شہید کر دیا۔ آج وہاں قبے کی جگہ صرف پتھر رکھا ہے جو اس مبارک قبر کا نشان ہے اور وہاں بھی اہل محبت و عقیدت کو صحیح طرح سے فاتحہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

فرزدق تمیمی کا تاریخی قصیدہ

بنو امیہ کا دور حکومت ہے، حج کے موسم میں ہزاروں بندگان خدا حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے دور دور سے کھنچے چلے آرہے ہیں، صحن کعبہ میں ازدحام کا یہ عالم ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے۔ اس حج کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس سال اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کا بیٹا اور مستقبل کا خلیفہ ہشام بن عبدالملک بھی ملک شام سے سفر کر کے حج بیت اللہ کے لیے آیا ہے، اس کے ساتھ اراکین سلطنت اور اعیان مملکت کے علاوہ اس کے بہت سے شامی دوست بھی ہیں۔ اس حج میں عہد اموی کا مشہور شاعر ابوفراس ہمام بن غالب فرزدق تمیمی بھی ہے۔

ہشام بن عبدالملک حجر اسود کا بوسہ لینے کے لیے آگے بڑھا، شاید اس کے ذہن میں یہ بات ہو کہ شاہزادگی، دنیاوی کروفر اور شان و شوکت دیکھ کر لوگ اس کے سامنے سے ہٹ جائیں گے اور وہ بہ آسانی حجر اسود کا بوسہ لے لے گا۔ لیکن لوگوں نے ہشام اور اس کے لاؤ لشکر کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی، کچھ دیر بھیڑ میں دھکے کھانے کے بعد ہشام نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ ترک کیا اور مطاف کے ایک کنارے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

اسی درمیان گلستان نبوت کے گل سرسبد، خانوادۂ شیر خدا کے چشم و چراغ، خاتون جنت کے لخت جگر اور امام عالی مقام کے صاحبزادے امام زین العابدین علی بن حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) صحن کعبہ میں داخل ہوئے، جیسے ہی لوگوں کی نظر امام زین العابدین کے چہرۂ انور پر پڑی بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی، آپ پورے اطمینان کے ساتھ حجر اسود کے پاس پہنچے اور اس کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کیا، دوران طواف آپ جس طرف سے بھی گزرتے لوگ ادب و احترام سے ایک طرف ہٹ جاتے۔ ہشام کے ساتھ جو لوگ شام سے آئے تھے ان کے لیے یہ بڑا حیرت انگیز نظارہ تھا کیوں کہ وہ کچھ دیر پہلے مملکت بنو امیہ کے ولی عہد کی قدر و منزلت دیکھ ہی چکے تھے۔ انہیں میں سے کسی شخص نے ہشام سے پوچھا کہ ”یہ کون ہے؟“۔

ہشام امام زین العابدین کو خوب اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا، مگر وہ پہلے ہی ان شامیوں کے سامنے خفت محسوس کر رہا تھا اس نے سوچا کہ اگر ان نوجوان کے بارے میں ان کو بتاؤں تو کہیں یہ شامی انہیں کی طرف مائل نہ ہو جائیں، یہ سوچ کر اس نے تجاہل عارفانہ برتتے ہوئے یک گونہ اہانت آمیز لہجے میں جواب دیا کہ ”میں نہیں

جانتا یہ کون ہے''۔

ابوفراس فرزدقؔ قریب ہی کھڑا ہوا تھا، اس کو اہل بیت نبوت کے اس گلِ سرسبد کی یہ اہانت برداشت نہیں ہوئی، اس کی اسلامی غیرت بیدار ہوئی اور وہ شامی کی طرف متوجہ ہوکر بولا کہ میں ان کو جانتا ہوں، مجھ سے پوچھو یہ نوجوان کون ہے؟ شامی نے کہا کہ بتاؤ یہ کون ہیں؟ فرزدق نے امام زین العابدین کی شان میں فی البدیہ ایک فصیح و بلیغ قصیدہ نظم کرکے برجستہ سنا دیا۔ اس نے کہا:

یہ وہ مقدس شخصیت ہے کہ جس کے نقش قدم کو وادئ بطحا (یعنی مکہ مکرمہ) پہچانتی ہے اور بیت اللہ (یعنی کعبہ) اور حل وحرم سب ان کو جانتے پہچانتے ہیں۔

یہ تو اس ذات گرامی کے لخت جگر ہیں جو اللہ کے تمام بندوں میں سب سے بہتر ہیں (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پرہیزگار، تقویٰ والے، پاکیزہ، صاف ستھرے اور قوم (قریش) کے سردار ہیں۔

جب ان کو قبیلہ قریش کے لوگ دیکھتے ہیں تو ان کو دیکھ کر کہنے والا یہی کہتا ہے کہ ان کی بزرگی وجواں مردی پر بزرگی وجواں مردی ختم ہے۔

تمہارا یہ کہنا کہ ''یہ کون ہیں؟'' ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس ذات گرامی (کو پہچاننے) سے تو انکار کررہا ہے ان کو تو عرب وعجم سب جانتے ہیں۔

یہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لخت جگر ہیں، اگر تو ان کو نہیں جانتا (تو سن لے کہ) ان کے محترم نانا (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر انبیائے کرام کے سلسلے کا اختتام ہوا ہے۔ (ترجمہ اشعار)

فی البدیہہ اور برجستہ ہونے کے باوجود یہ قصیدہ نہ صرف یہ کہ زبان وبیان کی رو سے نہایت اعلیٰ پیمانے کا تھا بلکہ اس میں امام زین العابدین کے خاندانی اور ذاتی تمام فضائل وکمالات بڑی عمدگی اور فنکارانہ مہارت سے نظم کردیے گئے تھے۔ اس لیے یہ قصیدہ محبان اہل بیت اور ارباب شعروادب دونوں کے یہاں معروف ومقبول رہا۔

امام زین العابدین، ہشام بن عبدالملک اور فرزدقؔ کے ساتھ صحن کعبہ میں پیش آنے والا مذکورہ واقعہ کافی شہرت رکھتا ہے، بے شمار اصحاب سیر وتذکرہ نے اس واقعے کو مکمل قصیدے یا قصیدے کے بعض اشعار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس قصیدے کے سلسلے میں علما وادبا اور اصحاب تاریخ کے درمیان اختلاف رائے موجود ہے، یہ اختلاف قصیدے کے شاعر اور ممدوح دونوں کے بارے میں ہے۔ جن لوگوں نے اس کو ثابت مانا ہے ان میں اکثر اہل علم کا ماننا ہے کہ یہ قصیدہ فرزدقؔ کا ہے جو امام زین العابدین کی شان میں کہا گیا تھا، بعض حضرات نے قصیدے کی نسبت حزین کنانی کی جانب کی ہے مگر قصیدے کا ممدوح امام زین العابدین ہی کو قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے اس قصیدے کے دو شعروں کو حزین کی جانب منسوب کرکے ان کا ممدوح عبداللہ بن عبدالملک کو قرار دیا ہے، بعض حضرات نے قصیدے کے شاعر کی حیثیت سے تو فرزدقؔ کا ذکر کیا ہے مگر قصیدے کا ممدوح امام زین العابدینؒ کی بجائے ان کے والد امام حسینؓ کو قرار دیا ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق یہ قصیدہ جریر کا ہے، بعض نے کہا کہ یہ قصیدہ کثیّر کا ہے جو اس نے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام محمد باقر کی شان میں کہا تھا۔

راقم الحروف کے نزدیک یہی درست ہے کہ یہ قصیدہ فرزدق تمیمی کا ہے اور امام زین العابدین کی شان میں نظم کیا گیا ہے۔ اس موقف کے حق میں تفصیلی بحث میں اپنے ایک مضمون میں کرچکا ہوں۔ (دیکھیے ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ اگست ۲۰۱۲ء)

جن اصحاب علم نے قصیدے کے شاعر کی حیثیت سے فرزدق اور ممدوح کی حیثیت سے امام زین العابدین کو تسلیم کیا ہے ان میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) حافظ ابونعیم اصفہانی (وفات: ۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیا میں امام زین العابدین کے تذکرے کے ضمن میں صحن کعبہ کا یہ واقعہ نقل فرما کر قصیدے کے ۱۸ اشعار درج کیے ہیں۔ (۲۴)

(۲) ابن خلکان (وفات: ۶۸۱ھ) نے وفیات الاعیان میں پورا واقعہ ذکر کرکے مکمل قصیدہ نقل کیا ہے۔ (۲۵)

(۳) امام یافعی (وفات: ۷۶۸ھ) نے بھی مرآۃ الجنان میں واقعے کے ساتھ مکمل قصیدہ نقل کیا ہے۔ (۲۶)

(۴) حافظ ابن کثیر (وفات: ۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ میں الصولی اور جریری کے طرق کے حوالے سے امام زین العابدین، ہشام اور فرزدق کا واقعہ ذکر کرکے فرزدق کے نام سے مکمل قصیدہ نقل کیا ہے۔ (۲۷)

فرزدق کی قید و بند اور امام کی سخاوت

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جب فرزدق کا یہ مدحیہ قصیدہ ہشام نے سنا تو بہت ناراض ہوا اور اس قصیدے کی پاداش میں فرزدق کو قید خانے میں ڈلوا دیا۔ جب امام زین العابدین کو خبر ہوئی کہ ہشام نے فرزدق کو قید کروا دیا ہے اور اس کا جرم صرف یہ ہے کہ اس نے آپ کی مدح میں قصیدہ نظم کیا تھا، اس سے آپ کا دریائے سخاوت جوش میں آیا اور آپ نے بطور انعام ایک خطیر رقم فرزدق کو بھجوائی، مگر فرزدق نے یہ کہہ کر وہ انعام لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے وہ قصیدہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نظم کیا تھا اس کے ذریعے دنیاوی مال و دولت کمانا مقصود نہیں تھا، لیکن امام زین العابدین نے ارشاد فرمایا کہ ہم خاندان اہل بیت سے تعلق رکھتے ہیں ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی کو عطا کر دیتے ہیں تو واپس نہیں لیتے۔ بالآخر فرزدق نے آپ کے اس انعام کو قبول کر لیا۔

علامہ ابن خلکان وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں:

”فلما سمع هشام هذه القصيدة غضب وحبس الفرزدق وانفذ له زين العابدين اثنی عشر الف درهم فردها وقال مدحته لله تعالىٰ لا للعطا فقال انا اهل بيت اذا وهبنا شيئالا نستعيده فقبله.“ (۲۸)

ترجمہ: جب ہشام نے یہ قصیدہ سنا تو غضب ناک ہوا اور فرزدق کو قید میں ڈال دیا، امام زین العابدین نے اس کے لیے ۱۲ر ہزار درہم بطور تحفہ بھجوائے، تو فرزوق نے وہ تحفہ واپس کر دیا اور کہا کہ میں نے ان کی مدح و ثنا صرف اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی کی)

خاطر کی تھی، عطا و بخشش کے لیے نہیں کی تھی، حضرت زین العابدین نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل بیت جب کوئی چیز عطا کر دیتے ہیں تو واپس نہیں لیتے، تو فرزدق نے وہ تحفہ قبول کر لیا۔

امام یافعی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

قصیدۂ میمیہ باعث نجات اور ذخیرۂ آخرت

امام زین العابدین کے تحفے کے جواب میں فرزدق نے جو بات کہی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ قصیدہ محض دینی اور اسلامی حمیت کے باعث نظم کیا تھا، اس قصیدے کو فی البدیہ نظم کرنے کے پیچھے کوئی دنیاوی غرض یا لالچ نہیں تھی۔ اسی لیے بعض اہل علم اور صاحبان دل نے فرمایا ہے کہ اسی قصیدے کی وجہ سے فرزدق کی نجات و مغفرت کی امید کی جا سکتی ہے۔

وفیات الاعیان میں علامہ ابن خلکان (وفات: ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

وتنسب اليه مكرمة يرجى له بها الجنة (۲۹)

ترجمہ: فرزدق کی جانب ایک ایسا کارنامہ منسوب ہے جس کی بدولت اس کے لیے جنت کی امید کی جاتی ہے۔

تقریباً یہی بات مرآۃ الجنان میں امام یافعی (وفات: ۷۶۸ھ) نے بھی لکھی ہے:

”وتنسب الى الفرزدق مكرمة يرتجى له بها الرحمة فى دار الآخرة.“ (۳۰)

ترجمہ: فرزدق کی جانب ایک ایسا کارنامہ منسوب ہے جس کے ذریعے آخرت میں اس کے لیے رحمت کی امید کی جاتی ہے۔

شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی اس قصیدے کے بارے میں فرماتے ہیں:

امید ہے کہ پروردگار تعالیٰ آخرت میں فرزدق کی اسی قصیدے کی بنیاد پر بخشش

فرمادے گا۔ (۳۱)

پھر حضرت شیخ الحرمین ابو عبداللہ قرطبی سے منسوب ایک قول بھی نقل کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''اگر اللہ کے یہاں ابوفراس کا اس قصیدے کے علاوہ کوئی اور عمل نہ بھی ہو تو یہی اس کی مغفرت کے لیے کافی ہوگا کیوں کہ یہ سلطان جابر کے روبرو اعلائے کلمۃ الحق ہے۔'' (۳۲)

اہل علم اور صاحبان دل کے ان اقوال کو دیکھ کر یہ گناہ گار راقم الحروف بھی اس قصیدے کے ترجمہ کرنے کے صلے میں رسول وآل رسول (علیہ وعلیہم السلام) سے شفاعت اور اللہ تعالیٰ سے رحمت ومغفرت کا امیدوار ہے۔

قصیدۂ میمیہ کا متن مع ترجمہ

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهٗ
وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

ترجمہ: یہ وہ مقدس شخصیت ہے کہ جس کے نقش قدم کو وادیٔ بطحا (یعنی مکہ مکرمہ) پہچانتی ہے، اور بیت اللہ (یعنی کعبہ) اور حل وحرم سب ان کو جانتے پہچانتے ہیں۔

هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمٖ
هٰذَاالتَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

ترجمہ: یہ تو اس ذات گرامی کے لخت جگر ہیں جو اللہ کے تمام بندوں میں سب سے بہتر ہیں (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پرہیزگار، تقویٰ والے، پاکیزہ، صاف ستھرے اور قوم (قریش) کے سردار ہیں۔

اِذا رَأَتْهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُهَا
اِلٰی مَكَارِمِ هٰذَا یَنْتَهِی الْكَرَمُ

ترجمہ: جب ان کو قبیلہ قریش کے لوگ دیکھتے ہیں تو ان کو دیکھ کر کہنے والا یہی کہتا ہے کہ ان کی بزرگی وجواں مردی پر بزرگی وجواں مردی ختم ہے۔

یَنْمِیْ اِلٰی ذِرْوَةِ الْعِزِّ الَّذِیْ قَصُرَتْ
عَنْ نَیْلِهٖ عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

ترجمہ: یہ عزت وبزرگی کے اس اوج کمال پر فائز ہیں جس کے حصول سے اسلام کے عرب وعجم قاصر ہیں۔

یَكَادُ یُمْسِكُهٗ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ
رُكْنُ الْحَطِیْمِ اِذَا مَاجَاءَ یَسْتَلِمُ

ترجمہ: جب وہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ حجر اسود ان کی خوشبو پہچان کر ان کا ہاتھ پکڑ لے گا۔

فِیْ كَفِّهٖ خِیْزُرَانٌ رِیْحُهٗ عَبِقٌ
فِیْ كَفِّ اَرْوَعَ فِیْ عِرْنِیْنِهٖ شَمَمُ

ترجمہ: ان کے دست مبارک میں ایک عصا ہے جو عمدہ خوشبو والا ہے، یہ عصا ایسے عمدہ اور بہترین شخص کے ہاتھ میں ہے جو بلند ناک والا ہے (یعنی عزت وشرف والا ہے)

یَغْضِیْ حَیَاءً وَیُغْضیٰ مِنْ مَهَابَتِهٖ
فَمَا یُكَلَّمُ اِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ

ترجمہ: وہ شرم وحیا سے نگاہیں نیچی رکھتے ہیں، اور ان کے رعب وہیبت سے دوسروں کی نگاہیں نیچی رہتی ہیں، اس لیے ان سے اسی وقت گفتگو کی جاسکتی ہے جب وہ تبسم فرمارہے ہوں۔

یَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدیٰ مِنْ نُوْرِ غُرَّتِهٖ
كَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَم

ترجمہ: ان کی روشن ومنور پیشانی سے ہدایت کا نور پھوٹ رہا ہے، جیسے تاریکیاں سورج کے نور سے چھٹ جاتی ہیں۔

مَنْ جَدُّهٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَاءِ لَهٗ
وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

ترجمہ: یہ وہ ذات گرامی ہے کہ جن کے جد محترم (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے تمام انبیائے کرام کی فضیلتیں سرنگوں ہیں (یعنی وہ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں) اور تمام امتوں کی بزرگی اور فضیلت ان کی امت کے آگے سرخم کیے ہوئے ہے۔ (یعنی ان کی امت تمام امتوں سے افضل ہے) مرآۃ الجنان اور وفیات الاعیان دونوں میں یہ شعر نہیں ہے۔

مُنْشَقَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ نَبْعَتُہٗ
طَابَتْ عَنَاصِرُہٗ وَالْخِیْمُ وَالشِّیَمُ

ترجمہ: آپ کی اصل اور نمود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، آپ کے عناصر اور طبیعت وعادت سب عمدہ اور پاکیزہ ہیں۔

ھٰذَا ابْنُ فَاطِمَۃٍ اِنْ کُنْتَ جَاھِلَہٗ
بِجَدِّہٖ اَنْبِیَاءُ اللّٰہِ قَدْ خُتِمُوا

ترجمہ: یہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لخت جگر ہیں، اگر تو ان کو نہیں جانتا (تو سن لے کہ) ان کے محترم نانا (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر انبیائے کرام کے سلسلے کا اختتام ہوا ہے۔

اَللّٰہُ شَرَّفَہٗ قِدْماً وَعَظَّمَہٗ
جَرَیٰ بِذاکَ لَہٗ فِیْ لَوْحِہٖ الْقَلَمُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانے سے ان کو شرف وعظمت عطا فرمائی اور ان کے لیے اسی شرف وعظمت کے واسطے اس کی لوح محفوظ میں قلم چل چکا ہے۔ (یعنی شرف وعظمت ان کا مقدر کی جا چکی ہے)۔

اَللّیْثُ اَھْوَنُ مِنْہُ حِیْنَ تُغْضِبُہٗ
وَالْمَوْتُ اَیْسَرُ مِنْہُ حِیْنَ یُھْتَضَمُ

ترجمہ: اگر تم ان کو غصہ دلا دو تو پھر (ان کے غصے کے مقابلے) شیر کا غصہ بھی ہلکا ہے، اور اگر ان پر ظلم وستم کر دیا جائے تو (اس ظلم وستم کی سزا اور بدلے کے مقابلے میں) موت بھی آسان ہے۔

فَلَیْسَ قَوْلُکَ مَنْ ھٰذَا بِضَائِرِہٖ
اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْکَرْتَ وَالْعَجَمُ

ترجمہ: تمہارا یہ کہنا کہ ''یہ کون ہیں؟'' ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس ذات گرامی (کو پہچاننے) سے تو انکار کر رہا ہے ان کو تو عرب وعجم سب جانتے ہیں۔

کِلْتَا یَدَیْہِ غِیَاثٌ عَمَّ نَفْعُھُمَا
تُسْتَوْکِفَانِ وَلَا یَعْرُوْھُمَا عَدَمُ

ترجمہ: ان کے دونوں ہاتھ ایسے فریادرس اور بخشنے والے ہیں کہ ان کا نفع عام ہے، ان ہاتھوں سے مسلسل خیرات تقسیم کی جاتی ہے (اس کے باوجود بھی) اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔

سَھْلُ الْخَلِیْقَۃِ لَا تُخْشیٰ بَوَادِرُہٗ
یَزِیْنُہٗ اثْنَانِ حُسْنُ الْخَلْقِ وَالشِّیَمُ

ترجمہ: وہ نرم خو ہیں ان کی تیزی (جلد غصہ ہونے) سے خوف نہیں کیا جاتا، وہ دونوں خوبیوں سے آراستہ ہیں حسن صورت اور (عمدہ) عادات۔

حَمَّالُ اَثْقَالِ اَقْوَامٍ اِذَا فُدِحُوْا
حُلْوُ الشَّمَائِلِ تَحْلُوْ عِنْدَہٗ نِعَمُ

ترجمہ: جب لوگ (قرض سے) گراں بار ہو جائیں تو وہ لوگوں کا بار اٹھانے والے ہیں، ایسے شیریں خصلت والے ہیں کہ ان کا احسان بھی شیریں ہو جاتا ہے۔

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلّا فِیْ تَشَھُّدِہٖ
لَوْلَا التَّشَھُّدُ کَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمُ

ترجمہ: آپ نے تشہد میں ''اشہد ان لا الٰہ الا اللہ'' کہنے کے علاوہ کبھی ''لا'' (نہیں) نہیں فرمایا، اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کا یہ لا (نہیں) بھی ''نعم'' (ہاں) ہوتا۔ یعنی کسی مانگنے والے کے جواب میں آپ کی زبان سے کبھی ''نہیں'' نہ نکلا۔

لَا یُخْلِفُ الْوَعْدَ مَیْمُوْنٌ نَقِیْبَتُہٗ
رَحْبُ الْفِنَاءِ اَرِیْبٌ حِیْنَ یَعْتَزِمُ

ترجمہ: کبھی وعدہ خلافی نہ کرنے والے، مبارک نفس والے، وسیع صحن والے، اور جب ٹھان لیتے ہیں تو کرگذرنے والے ہیں۔ یہ شعر دیوان میں نہیں ہے۔

عَمَّ الْبَرِیّۃَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ
عَنْھَا الْعِنَایَۃُ وَالْاِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ

ترجمہ: ان کا جود ونوال تمام خلائق کے لیے عام ہے، اس لیے اس (مخلوق) کے رنج وغم، مفلسی اور تنگ دستی دور ہوگئی۔

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّھُمْ دِیْنٌ وَبُغْضُھُمْ
کُفْرٌ وَقُرْبُھُمْ مَنْجیً وَمُعْتَصَمُ

ترجمہ: وہ تو اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ جن کی محبت عین ایمان ہے، اور ان سے بغض کفر ہے، اور ان کا قرب جائے پناہ اور سہارا ہے۔

اِنْ عُدَّ اَھْلُ التُّقیٰ کَانُوا اَئِمَّتَھُمْ
اَوْ قِیْلَ مَنْ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ قِیْلَ ھُم

ترجمہ: یہ تو ان لوگوں میں سے ہیں کہ اگر پرہیز گاروں کو شمار کیا جائے تو یہ حضرات پرہیز گاروں کے امام ہوں گے، یا اگر یہ پوچھا جائے کہ زمین میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ یہی (اہل بیت) ہیں۔

لَا یَسْتَطِیْعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَایَتِھِمْ
وَلَا یُدَانِیْھِمُ قَوْمٌ وَاِنْ کَرُمُوْا

ترجمہ: کوئی جواں مرد اور سخی ان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، اور نہ کوئی قوم ان کے قریب پہنچ سکتی ہے اگرچہ کتنی ہی بزرگی والی کیوں نہ ہو۔

ھُمُ الْغُیُوْثُ اِذَا مَا اَزْمَۃٌ اَزَمَتْ
وَالْاُسْدُ اُسْدُالشَّرَیٰ وَالْبَاْسُ مُحْتَدِمُ

ترجمہ: جب سخت قحط لوگوں کو گھیر لے تو یہ حضرات ابر باراں ہیں، اور جب معرکۂ کارزار گرم ہو تو یہ حضرات ''ثریٰ'' کے شیروں کی طرح شیر ہیں۔
(عرب میں کوہ سلمیٰ کے ایک علاقے کا نام ثریٰ ہے جہاں شیر بکثرت ہوتے تھے)

لَا یَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطاً مِنْ اَکُفِّھِمْ
سِیَّانِ ذٰلِکَ اِنْ اَثَرُوْا وَاِنْ عَدِمُوْا

ترجمہ: تنگ دستی اور سختی ان کی جود وسخا کو کم نہیں کرتی، مال کا ہونا یا نہ ہونا ان کے لیے برابر ہے (یعنی ان کے پاس مال ہو یا نہ ہو اس سے ان کی سخاوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا)

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِکْرِ اللّٰہِ ذِکْرُھُمُ
فِیْ کُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِہٖ الْکَلِمُ

ترجمہ: اللہ کے ذکر کے بعد انہی کا ذکر سب سے مقدم ہے، اسی کے ذریعے آغاز ہوتا ہے اور اسی پر گفتگو ختم ہوتی ہے۔

یَأبیٰ لَھُمْ اَن یَّحُلَّ الذَّمُّ سَاحَتَھُمْ
خِیْمٌ کَرِیْمٌ وَاَیْدِی بِالنَّدَی ھُضُمُ

ترجمہ: کوئی برائی ان کے دربار تک نہیں آسکتی، یہ نیک خو ہیں، ان کے ہاتھ عطا کرنے والے ہیں۔ یہ شعر دیوان میں نہیں ہے۔

اَیُّ الْخَلَائِقِ لَیْسَتْ فِیْ رِقَابِھِمْ
لِاَوَّلِیَّۃِ ھٰذَا اَوْ لَہٗ نِعَمُ

ترجمہ: مخلوق میں وہ کون ہے جو ان کی غلامی میں نہیں ہے، ان کی اولیت وتقدم کی وجہ سے یا پھر ان کے احسانات کی وجہ سے۔ یہ شعر مرآۃ الجنان میں نہیں ہے۔

مَنْ یَعْرِفِ اللّٰہَ یَعْرِفْ اَوَّلِیَّۃَ ذَا
وَالدِّیْنَ مِنْ بَیْتِ ھٰذَا نَالَہٗ الْاُمَمُ

ترجمہ: جو شخص اللہ کو جانتا ہے وہ ان کی اولیت اور تقدیم کو بھی جانتا ہے، اور تمام

لوگوں کو دین ان کے گھر سے ہی ملا ہے۔

یُسْتَدْفَعُ الشَّرُّ وَالْبَلْوٰی بِحُبِّهِم
وَیَسْتَزِیْدُ بِهٖ الاحْسَانُ وَالْکَرَمُ

ترجمہ: ان کی محبت کے وسیلے سے مصیبتیں اور آفتیں دور کی جاتیں ہیں، اوران کے ذریعے احسان وکرم میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ شعر دیوان اور البدایہ والنہایہ سے اضافہ کیا گیا ہے، درر نضید، وفیات الاعیان اور مرآۃ الجنان وغیرہ میں نہیں ہے۔

مراجع ومصادر

(۱) البدایہ والنہایہ: اسماعیل ابن کثیر دمشقی، ج۱۲/۴۷۹، دار ہجر، جیزہ، مصر، ۱۹۹۸ء

(۲) سیر اعلام النبلا: حافظ شمس الدین ذہبی ج۱/ص ۲۷۶۸، ترجمہ رقم ۳۹۱۴۔ بیت الافکار الدولیہ، ریاض (۳) مرجع سابق

(۴) حلیۃ الاولیا: ابونعیم اصفہانی، ج۳/ص۱۳۸، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۶ء

(۵) مرجع سابق: ص۱۴۱ (۶) مرجع سابق: ص۱۳۶

(۷) سیر اعلام النبلا: حافظ شمس الدین ذہبی ج۱/ص ۲۷۶۹، ترجمہ رقم ۳۹۱۴۔ بیت الافکار الدولیہ، ریاض

(۸) البدایہ والنہایہ: اسماعیل ابن کثیر دمشقی، ج۱۲/۴۹۱، دار ہجر، جیزہ، مصر، ۱۹۹۸ء

(۹) سیر اعلام النبلا: حافظ شمس الدین ذہبی ج۱/ص ۲۷۶۹، ترجمہ رقم ۳۹۱۴۔ بیت الافکار الدولیہ، ریاض

(۱۰) حلیۃ الاولیا: ابونعیم اصفہانی، ج۳/ص۱۳۴، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۶ء

(۱۱) البدایہ والنہایہ: اسماعیل ابن کثیر دمشقی، ج۱۲/۴۸۸، دار ہجر، جیزہ، مصر، ۱۹۹۸ء

(۱۲) تذکرۃ الحفاظ: شمس الدین ذہبی، ج۱/ص ۶۴، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۰۹ھ

(۱۳) طبقات کبریٰ: محمد بن سعد بن منیع، ج۷/ص ۲۱۹، مکتبہ خانجی قاہرہ، ۲۰۰۱ء

(۱۴) سیر اعلام النبلا: حافظ شمس الدین ذہبی ج۱/ص ۲۷۶۹، ترجمہ رقم ۳۹۱۴۔ بیت الافکار الدولیہ، ریاض

(۱۵) مرجع سابق (۱۶) مرجع سابق (۱۷) مرجع سابق (۱۸) مرجع سابق: ص ۲۷۷۰ (۱۹) مرجع سابق: ۲۷۷۱ (۲۰) مرجع سابق: ۲۷۷۰

(۲۱) النسب والمصاهرة بين أهل البيت والصحابة: علاء الدین المدرس، ص ۲۶۸، مؤسسۃ المختار، قاہرہ، ۲۰۰۵ء

(۲۲) سیر اعلام النبلا: حافظ شمس الدین ذہبی ج۱/ص ۲۷۶۹، ترجمہ رقم ۳۹۱۴۔ بیت الافکار الدولیہ، ریاض

(۲۳) احوال ائمہ اثنا عشر: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص۴۳، مرتب وناشر خسرو قاسم، علی گڑھ، غیر مؤرخ

(۲۴) حلیۃ الاولیا: ابونعیم اصفہانی، ج۳/ص۱۳۹، دار الفکر بیروت ۱۹۹۶ء

(۲۵) وفیات الاعیان: ابن خلکان، تحقیق ڈاکٹر احسان عباس، ج۶/ص۹۵، ۹۶، دار صادر بیروت ۱۹۷۷ء

(۲۶) مرآۃ الجنان: الیافعی، ج۱/ص۲۳۹، تا ۲۴۱، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد، ۱۳۳۷ھ

(۲۷) البدایہ والنہایہ: ابن کثیر دمشقی، ج۱۲/ص۴۹۱، تا ۴۹۴ (سنہ ۹۴ھ کے وقائع کے ذیل میں) دار ہجر جیزہ، مصر ۱۹۹۸، تحقیق ڈاکٹر عبداللہ بن المحسن الترکی

(۲۸) وفیات الاعیان: ابن خلکان، ج۶/ص۹۷، دار صادر بیروت ۱۹۷۷ء

(۲۹) مرجع سابق: ص۹۵

(۳۰) مرآۃ الجنان: الیافعی، ج۱/ص۲۳۹، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد، ۱۳۳۷ھ

(۳۱) احوال ائمہ اثنا عشر: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۳۹، مرتب وناشر خسرو قاسم، علی گڑھ، غیر مؤرخ (۳۲) مرجع سابق

حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی قطب الدین رضا مصباحی، دربھنگہ

> محترم قارئین! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل پر مضمون خصوصی طور پر شامل کیا گیا ہے کہ جب ہم خانوادۂ رسول کا ذکر کر رہے ہیں تو اہل بیت اطہار سے بے پناہ محبت کرنے کے سبب سردار اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ منصب، انعام و اعزاز عطا فرمایا کہ انہیں خدمت خاندان نبوت کے طفیل اپنے اہل بیت ہونے کی خوشخبری سنائی اور فرمایا: ''**سلمان منا أهل البيت.**'' (ادارہ)

آپ کا نام سلمان اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ سے جب کوئی پوچھتا کہ آپ کس کے بیٹے ہیں تو آپ اپنے والد کی طرف نسبت کرنے کی بجائے اسلام کی طرف نسبت کر کے یوں کہتے: **انا سلمان بن الاسلام**۔ آپ کی ولادت ایران میں اصفہان کے ''جی'' نامی بستی میں ہوئی۔ اس نام کو بدل کر بعد میں ''شہرستان'' کر دیا گیا۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج:۳، ص: ۱۱۸۔ ابن حجر العسقلانی، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء)

قبول اسلام

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ بے حد دلچسپ ہے۔ اس واقعے میں بہت سی نصیحتیں بھی ہیں۔ حق کی تلاش میں انہوں نے بڑا دور دراز سفر کیا، بہت سی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ اللہ کی بارگاہ میں تلاش حق کا ان کا جذبہ مقبول ہوا اور رب تعالیٰ نے انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہونچا دیا۔ قبول اسلام کے وقت حضرت سلمان فارسی نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی داستان بیان کی تو حضور کو بڑا پسند آیا اور حضور نے سلمان فارسی سے صحابہ کرام کے سامنے دوبارہ بیان کرنے کو کہا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے:

حضرت سلمان فارسی کے اندر دینی جذبہ بھرپور تھا۔ ایک مجوسی کا بیٹا ہونے کے ناطے دین مجوسیت کے سخت پیروکار رہے۔ آگ روشن کرنا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا بلکہ اس حد تک کہ کسی گھڑی آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔

حضرت سلمان فارسی کے والدین سے بے حد محبت کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ گھر کے احاطے سے باہر نہیں جانے دیتے۔ آپ کے والد کاشت کاری کرتے تھے، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا، وہ بذات خود کھیتوں کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ ایک دن گھر کی مرمت کا کام تھا جس کی مصروفیت کے سبب وہ کھیت نہ جا سکے، بایں سبب انہوں نے اس دن اپنے بیٹے (سلمان فارسی) کو کھیت بھیج دیا۔

حضرت سلمان فارسی کو راستے میں نصرانیوں کا ایک گرجا گھر ملا، جس میں کچھ لوگ اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ انہوں نے جب یہ نئی چیز دیکھی تو انہیں یہ چیز بھا گئی اور وہ وہیں ٹھہرے رہے اور لوگوں کی ساری نقل و حرکت دیکھتے رہے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ انہیں تصورات میں کھوئے رہے کہ شام ہو گئی۔ کھیت بھی نہ جا سکے۔ انہوں نے وہاں موجود نصرانیوں سے اس دین و مذہب کی بنیاد جاننا چاہی تو ان لوگوں نے شام کا پتا بتایا۔ بالآخر وہاں سے وہ اپنے گھر واپس آ گئے۔

جب وہ اپنے والد کے پاس پہنچے تو ان کے والد نے تاخیر کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے اپنی داستان سنائی اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اسی گفتگو میں انہوں نے اپنا نظریہ بھی ظاہر کر دیا کہ ان کا مذہب ہمارے مذہب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ باتیں سن کر ان کے والد نے انہیں سمجھایا اور اس بات کو ذہن میں بٹھانے کی کوشش کی کہ ہمارے آبا کا دین ہی بہتر ہے۔ مگر ان کے والد کو اپنے بیٹے پر خوف باقی رہا اور نتیجۃً

سلمان فارسی کے قدموں میں بیڑی ڈال کر گھر کے اندر قید کر دیا۔

ادھر دن بہ دن حضرت سلمان فارسی کے دل میں نصرانیت راسخ ہوتی گئی، انہوں نے نصرانیوں تک خبر بھجوائی کہ وہ ان کے معاملات سے راضی ہیں، جب ان کے پاس شام کا کوئی تجارتی قافلہ آئے اور واپس شام جانے لگے تو انہیں خبر کر دیں۔ کسی موقع سے شام کا ایک تجارتی قافلہ آیا جب وہ واپس ہونے لگا تو حضرت سلمان فارسی کو اطلاع دی گئی۔ یہ بیڑیوں کی قید سے کسی طرح آزاد ہوکر ان کے ساتھ ہو گئے اور اسی قافلے کی معیت میں شام پہنچے۔

شام پہنچ کر وہاں کے عالم کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں گرجا گھر میں رہنے والے ایک پادری کی طرف رہنمائی کی گئی، وہاں حاضر ہوکر حضرت سلمان فارسی نے اپنے سارے حالات بیان کیے اور اپنا درد دل بتایا، جس میں انہوں نے دین نصرانیت کی طرف اپنی رغبت کا اظہار کیا اور اس کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم اور عبادت وریاضت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، پادری نے انہیں اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

حضرت سلمان فارسی اسی پادری کی صحبت میں رہنے لگے مگر وہ پادری بد عمل نکلا، وہ لوگوں کو صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیتا، طرح طرح سے رغبت دلاتا مگر لوگ اس کے پاس جو مال جمع کرتے اسے وہ اپنا ذاتی خزانہ بنا لیتا، یہاں تک کہ اس نے سونے چاندی کے سات مٹکے جمع کر لیے، اس کی حیات میں لوگ اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے، اسے ایک پرہیز گار اور دین دار سمجھ کر خدمت کرتے رہے، اس کی موت کے بعد لوگ جب اس کی تدفین کے لیے اکٹھا ہوئے اور اپنے مذہبی شان و شوکت کے ساتھ اس کے آخری رسوم ادا کرنا چاہے تو انہوں نے حقیقی صورت حال سے لوگوں کو آشنا کیا، لوگوں نے جب ثبوت طلب کیا تو انہوں نے پورا خزانہ دکھا دیا، واقعۃً سونے چاندی سے سات مٹکے بھرے ہوئے تھے۔ اب لوگوں کی ساری عقیدت ومحبت نفرت وعداوت اور غصہ میں بدل گئی اور تدفین کے بجائے لوگوں نے اسے سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا۔

وہاں کے لوگوں نے اس کی جگہ دوسرے راہب کو بلایا یہ بڑا نیک اور عبادت گزار تھا، اس کے اندر آخرت کا خوف اور دنیا سے بے رغبتی تھی، حضرت سلمان فارسی کو ان سے بڑی محبت ہوگئی، ان کی خدمت میں رہتے رہے، ان کی فیض صحبت میں رہ کر اپنا نصیبہ پاتے رہے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنی آنے والی زندگی کے لیے ان سے رہنمائی چاہی۔ اس راہب نے موصل کے ایک شخص کا پتا بتایا اور اپنی یہ حسرت بھی ظاہر کی کہ آج روئے زمین پر لوگوں نے حقیقت مسخ کر رکھی ہے اور اصلی تعلیمات کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

ان کے وصال کے بعد حضرت سلمان فارسی موصل آئے، یہاں راہب سے ملاقات کر کے اپنے حالات بتائے۔ اس نے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ جب ان کا بھی آخری وقت آیا تو حضرت سلمان فارسی نے ان سے بھی آگے کی طرف رہنمائی چاہی۔ انہوں نے نصیبین کا پتا بتایا۔

راہب کے انتقال کے بعد نصیبین آئے۔ یہ راہب بڑا پرہیز گار اور نیک انسان تھا، ان کے پاس رہنے لگے، کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ان کا وقت قریب آ پہنچا۔ اپنی آئندہ زندگی کے لیے ان سے وصیت چاہی، اس نے بتایا کہ عموریہ میں ایک شخص ہے جو انہیں تعلیمات پر گامزن ہے جن پر ہم تھے، اگر وہاں جا سکتے ہو تو ان سے ملو۔ اس راہب کی وفات کے بعد حضرت سلمان فارسی عموریہ پہنچے اور راہب کے سائے میں اپنی زندگی بسر کرنے لگے، ان سے بھی ان کی آخری زندگی میں وصیت کی خواہش ظاہر کی۔

قدرت کی طرف سے حضرت سلمان فارسی کو تلاش حق کا ایک جذبہ ملا تھا، جس راستے میں نہ سفر کی مشقت رکاوٹ بنتی ہے، نہ اپنے وطن سے دوری حائل ہوتی ہے، نہ کسی کی محبت آڑے آتی ہے۔ بس ایک سچے دین کی تلاش کا جنون ہے، اس جنون میں وہ ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل ہوتے رہے۔ پہلے شام، پھر موصل، پھر نصیبین اور پھر عموریہ کا سفر کیا، مرحلہ بہ مرحلہ حضرت سلمان فارسی منزل سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اب دیکھیے عموریہ کا راہب ان سے کیا وصیت کرتا ہے، اب انہیں

اپنی منزل کی رہنمائی ملتی ہے، حضرت سلمان فارسی کی زبانی سنیے:

”فقلت له إلى من توصى بى؟ فقال لى اى بنى والله ما اعلم انه اصبح فى الأرض احد على مثل ما كنا عليه امرک ان تأتيه، ولكنه قد اظلک زمان بنبى يبعث بدين أبراهيم الحنيفية يخرج من أرض مهاجرة و قراره ذات نخل بين حرّتين فان استطعت ان تخلص اليه فاخلص وان به اٰيات لاتخفى، انه لا ياكل الصدقه وهو ياكل الهدية و ان بين كتفيه خاتم النبوة إذار أيته عرفته.“

حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ اب مجھے آپ کہاں کی وصیت کرتے ہیں تو راہب نے جواب دیا اے بیٹے! خدا کی قسم میرے علم میں روئے زمین پر کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو اس راہ ہدایت پر ہو جس پر ہم ہیں، یہاں تک کہ میں تمہیں وہاں جانے کا حکم دوں البتہ وہ زمانہ تم پر سایہ فگن ہے جس میں ایک نبی دین ابراہیمی پر بھیجے جائیں گے جو اپنے آبائی وطن سے نکل کر ایک ایسی جگہ قیام پذیر ہوں گے جو کھجوروں والی اور پتھریلی زمین ہوگی، اگر تم ان تک جاسکتے ہو تو ضرور جانا۔ ان کی کچھ نشانیاں ہوں گی جو مخفی نہ رہیں گی۔ وہ صدقہ کی چیزیں نہیں کھائیں گے، ہدیہ کو قبول کریں گے اور ان کے دونوں شانوں کے بیچ مہر نبوت ہوگی۔

جب اس راہب کی صحبت اٹھ گئی تو دی ہوئی نشانی کے مطابق سفر کی راہیں تکنے لگے، اسی درمیان بنی کلب کا ایک قافلہ وہاں فروکش ہوا۔ حضرت سلمان فارسی نے ان لوگوں سے ان کے شہروں کا حال دریافت کیا، لوگوں نے جب بتایا تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ مجھے اپنے ساتھ عرب کی سرزمین لیتے چلو، اس کے عوض میں تمہیں اپنی گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔

قافلے کے لوگ اس پیش کش پر راضی ہو گئے۔ واپسی پر قافلے والوں نے حضرت سلمان فارسی کو اپنے ساتھ کرلیا، انہیں لے کر وہ لوگ وادی القریٰ آئے۔ یہاں ان لوگوں نے حضرت سلمان فارسی کے ساتھ بے عہدی کی، وعدہ کچھ تھا اور

معاملہ کچھ اور رہا۔ دیکھیے ایک حق کے متلاشی کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ قافلہ کے لوگوں نے بجائے اپنے مہمان کو عزت واحترام دینے اور دستگیری ورہنمائی کرنے کے ایک یہودی شخص کے ہاتھوں بیچ دیا۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ کھجور کے درختوں کو دیکھ کر کچھ تسلی ملتی اور میری خواہش ہوئی کہ اے کاش یہی وہ شہر ہو جو مجھ سے بتایا گیا تھا اور میں جس کی تلاش میں ہوں۔

حضرت سلمان فارسی وہیں رہنے لگے، اپنی غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے، کچھ دنوں کے بعد مدینہ کے قبیلۂ بنی قریظہ کا ایک یہودی آیا جس نے حضرت سلمان فارسی کو ان کے آقا سے خرید لیا اور انہیں لے کر وہ مدینہ آیا۔ غور کا مقام ہے کہ قدرت کی طرف سے کسی طرح مدد شامل رہتی ہے اور مقصود کی طرف حضرت سلمان فارسی کا سفر کس طرح ہو رہا ہے۔

حضرت سلمان فارسی کے بقول: ”میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور یقین ہو گیا کہ یہی وہ شہر ہے جو مجھ سے میرے ساتھی نے بیان کیا تھا۔“

حضرت سلمان فارسی وہیں ٹھہرے رہے، اپنے آقا کے باغ میں کام کرتے رہے، اسی درمیان آقائے نامدار، مدنی تاجدار، یتیموں فقیروں کے مسیحا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی مگر حضرت سلمان فارسی پر یہ معاملہ مخفی رہا، ان تک ایسی کوئی خبر نہ پہنچی، وہ آسرا باندھے ہوئے غلامی کے دن کاٹتے رہے۔ ایک دن سلمان فارسی کھجور کے درخت پر خوب بلندی پر چڑھے ہوئے تھے، نیچے ان کا آقا بیٹھا ہوا تھا، اس کے خاندان کا ایک یہودی شخص آ کر اس سے کہنے لگا: اللہ تعالیٰ قبیلہ والوں (اوس و خزرج) کو ہلاک کرے کہ وہ لوگ قبا میں مکہ سے آنے والے ایک شخص کے پاس جمع ہیں اور جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے۔

کانوں سے حضرت سلمان فارسی کے جوں ہی یہ آواز ٹکرائی، ایک نبی کے تصور سے ان کے بدن میں کپکپاہٹ آ گئی، درخت سے نیچے گرنے ہی کو تھے کہ کسی

طرح اپنے کو سنبھالا اور زمین پر اترے۔ گفتگو کے بیچ دخل دیتے ہوئے پوچھ پڑے کیا کہا آپ نے؟ آقا کو اپنے غلام کی یہ دخل اندازی پسند نہ آئی اور سخت ناراضگی کے ساتھ ڈانٹا اور ایک گھونسہ بھی مارا اور کہا تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اپنا کام کرو۔ حضرت سلمان فارسی خاموش ہو گئے۔

دنیا والوں کو کیا معلوم کہ سلمان فارسی کن غموں کے مارے ہیں اور اپنے کس مقصود کی طلب میں سارے رنج والم کو دل سے لگائے ہوئے ہیں۔ اپنے مقصود کو قریب آتا دیکھ کر ان کی تڑپ بڑھتی رہی۔ اپنے مربی کی بتائی ہوئی نشانیاں انہیں یاد تھیں۔ کھانے کا جو سامان تھا اسے لے کر آگے بڑھے، بارگاہ رسالت میں قبا میں حاضری دی۔ سرکار ابد قرار سے عرض گزار ہوئے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ایک نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ محتاج لوگ ہیں۔ میرے پاس صدقے کی یہ چیز ہے، میں آپ لوگوں کو اس کا زیادہ حق دار سمجھتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے سلمان فارسی نے کھانے کا وہ سامان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بڑھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی وہ چیز اپنے صحابۂ کرام کی طرف بڑھا دی اور کھانے کو کہا، خود نہیں کھائی۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو ایک نشانی پوری ہوئی۔ حضرت سلمان فارسی واپس آ گئے، پھر کچھ سامان جمع کیا دوسری مرتبہ حضور کی بارگاہ میں حاضری دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لا چکے تھے اور عرض گزار ہوئے: مجھے محسوس ہوا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے، یہ ہدیہ کی چیز جو آپ کے اکرام کے طور پر میں پیش کر رہا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ خود بھی کھایا اور دوسروں کو بھی کھلایا۔ اس طرح دو نشانیاں پوری ہوئیں۔

حضرت سلمان فارسی پھر واپس آ گئے، کچھ دن رکے اور پھر دربار رسالت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بقیع شریف میں ایک جنازہ کے ساتھ تھے، آپ کے جسم اقدس پر دو چادریں تھیں، ایک کرتہ بند کے طور پر باندھ رکھا تھا اور دوسری اوڑھے ہوئے تھے۔ بارگاہ رسالت میں سلام پیش کیا اور پیچھے پلٹ آئے کہ پشت انور پر مہر نبوت دیکھیں جیسا کہ ان سے بتایا گیا تھا۔ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کی حرکتوں سے ان کا مقصود سمجھ لیا۔ فوراً ہی اپنی چادر پشت مبارک سے ہٹا دی۔ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں:

”فأ كببت عليه أقبل الخاتم من ظهره و أبكى.“

میں اس پر اوندھا گر پڑا، میں مہر نبوت کو بوسہ دے رہا تھا اور رو رہا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے بلایا، سلمان فارسی آگے بیٹھ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت سلمان فارسی نے اپنے آقا کی بارگاہ میں اپنا سارا واقعہ بیان کیا، حضور کو بڑا پسند آیا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج:۴،ص:۵۶-۵۹، محمد بن سعد الزہری، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۷ء۔ صفة الصفوہ، ج:۱،ص:۲۷۰-۲۷۳، جمال الدین ابو الفرح ابن الجوزی، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء)

غلامی سے رہائی

قبول اسلام کے بعد حضرت سلمان فارسی غلامی کی زندگی گزارتے رہے، اسی وجہ سے بدر واحد کی جنگ میں شرکت بھی نہ ہو سکی۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکاتبت کر لینے کو کہا تو حضرت سلمان فارسی نے اپنے مالک سے تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ چاندی پر مکاتبت کر لی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضور نے اپنے صحابہ سے مدد کرنے کو کہا، پھر صحابہ نے حسب استعداد سلمان فارسی کی مدد کی۔ ۳۰، ۲۰، ۱۵، ۱۰، کر کے صحابہ نے کھجور کے درخت دیے، اس طرح کھجور کے ۳۰۰ پودے جمع ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کو گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب پورا ہو جائے تو میرے پاس آنا۔ حضرت سلمان فارسی اپنے احباب کی معاونت سے گڑھے کھود کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر بہ نفس نفیس تشریف لائے، اپنے مبارک ہاتھوں سے پودوں کو گڑھے میں رکھتے، تھالوں کو برابر کرتے اور برکت کی دعا فرماتے رہے۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں: ”**فلا و الذی نفس سلمان بیده ما ماتت منه و دیه**“. اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے ان میں سے ایک پودا بھی نہ سوکھا۔

اس طرح زر مکاتبت کے ایک حصہ کا انتظام ہوا، اب چاندی کا انتظام در کریم سے کس طرح پورا ہوتا ہے وہ بھی بڑا ایمان افروز واقعہ ہے۔

ایک دن سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کی جھرمٹ میں تھے۔ اسی درمیان ایک صحابی مرغی کے انڈا کے برابر سونا حضور کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کو طلب کیا، سلمان فارسی حاضر ہوئے تو فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور تم پر جو مال واجب ہے اسے اپنی طرف سے ادا کر دینا۔ سلمان فارسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کہاں پورا ہوگا جو مجھ پر واجب ہے۔ سرکار کے برکت نشان زبان سے یہ جملہ ادا ہوتا ہے۔

ان الله سیؤ دی عنک۔

بے شک اللہ اسی سے تمہارے ذمہ کو ادا فرما دے گا۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں:

فو الذی نفسی بیده لوزنت له منها اربعین اوقیه۔

جب وہ سونے کا انڈا لے کر اپنے مالک کے پاس پہنچے اور وزن کیا تو ٹھیک چالیس اوقیہ نکلا۔ اس طرح حضرت سلمان فارسی نے اپنا بدل کتابت مالک کو ادا کر کے آزادی حاصل کی۔ (سیر اعلام النبلا، ج:۳، ص:۳۲۱-۳۲۲)

فضائل واوصاف

- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے صحابہ میں سے چار سے محبت کرتا ہے۔ حاضرین صحابہ نے دریافت کیا: وہ کون ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو حضور نے فرمایا: وہ علی، سلمان، ابوذر اور مقداد ہیں۔ (حلیۃ الاولیا، ج:۱، ص:۲۴۷، بحوالہ کنز العمال ۳۳۶۷۵)

- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سبقت لے جانے والے چار ہیں۔ میں عرب کے لوگوں میں، صہیب روم والوں میں، سلمان اہل فارس میں اور بلال حبشہ کے لوگوں میں۔ (صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص۲۷۵)
- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جنت چار اشخاص کی مشتاق ہے: علی، مقداد، عمار اور سلمان۔ (حلیۃ الاولیا، ج:۱، ص:۲۴۷، بحوالہ مستدرک ۳/ ۱۳۷)
- یزید بن عمیرہ السکسکی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل نے انہیں حکم دیا کہ چار لوگوں سے علم حاصل کرنا، ان میں ایک نام حضرت سلمان فارسی کا بھی شمار فرمایا (بقیہ تین ابو درداء، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں) (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۶۴)
- زاذان کندی کی روایت ہے کہ ہم کچھ لوگ ایک دن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس موجود تھے، انہیں اچھے مزاج میں دیکھ کر ہم لوگوں نے ان سے صحابۂ کرام کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ اسی درمیان جب حضرت سلمان فارسی کے سلسلے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم میں کون ہے لقمان حکیم کی طرح؟ آگے فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہیں، انہیں علم اول بھی حاصل ہے اور علم آخر بھی۔ انہوں نے کتاب اول پڑھی ہے اور کتاب آخر بھی۔ آخر میں یہ کہتے ہوئے اپنی بات ختم کی کہ وہ ایک ایسا دریا ہیں جس کا پورا پانی نہیں نکالا جا سکتا۔ (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیا، ج:۱، ص:۲۴۴، حافظ ابو نعیم الاصفہانی الشافعی، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۷ء)

مؤاخات

حضرت سلمان فارسی کے لیے بھی یہ اجنبی دیار تھا، اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی طرح حضرت سلمان فارسی کی بھی مؤاخات قائم فرمائی

اور حضرت ابو درداء کو ان کا بھائی قرار دیا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۲، ص:۵۱۰، ابن اثیر محمد جزری، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ء)

رشتۂ اخوت کے بعد جب آپسی قربت ہوئی تو حضرت سلمان فارسی ایک دن حضرت ابو درداء کے پاس آئے۔ حضرت ابو درداء کی اہلیہ (ام الدرداء) کو خستہ حالت (بوسیدہ کپڑے) میں دیکھ کر پوچھا کہ ایسی حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیا کی حاجت ہی نہیں۔ رات بھر قیام کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سلمان فارسی نے رات وہیں رکنے کا فیصلہ کیا۔ جب رات ہوئی اور حضرت ابو درداء نے قیام کرنا چاہا تو حضرت سلمان فارسی نے انہیں اس سے روکا اور سلا دیا۔ پھر رات کے آخری حصے میں خود اٹھے اور ابو درداء کو بھی بیدار کیا اور دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ جب صبح ہوئی تو خود کھانا تیار کیا اور اس قدر اصرار کیا کہ انہیں افطار کرنا پڑا۔

حضرت ابو درداء نے یہ معاملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا اس سے حضرت سلمان فارسی کی عظمت کا پتا چلتا ہے:

سلمان تم سے زیادہ علم والے ہیں۔ اتنا نہ چلو کہ تھک جاؤ اور اتنا نہ رکو کہ دوسرے آگے نکل جائیں۔ میانہ روی اختیار کرو۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۶۴)

ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ جب سلمان فارسی نے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے روکا تو حضرت ابو درداء نے سوالیہ لہجے میں کہا: **أتمنعني أن أصوم لربي و أصلي لربي؟** کیا تم مجھے اپنے رب کے لیے روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے سے منع کرتے ہو؟ تو حضرت سلمان فارسی نے یوں جواب دیا: **إن لعينك عليك حقا و إن لأهلك عليك حقا فصم و أفطر و صل و نم**۔ کہ تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے، تو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو سرکار نے ارشاد

فرمایا: **لقد اشبع سلمان علما**۔ سلمان کو علم سے سیراب کر دیا گیا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۶۳)

عہد رسالت تک دونوں شہر رسول ہی میں قیام پذیر رہے۔ عہد صدیقی میں حضرت سلمان فارسی نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی اور حضرت ابو درداء نے شام میں۔ ایک موقع سے حضرت ابو درداء نے حضرت سلمان فارسی کو خط لکھا کہ اس مقدس سرزمین پر سکونت اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے مال اور اولاد دونوں نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ اور خط میں حضرت سلمان فارسی کو اس سرزمین پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ خط پڑھ کر حضرت سلمان فارسی نے انہیں جواب بھیجا کہ مال و اولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں، بھلائی تو یہ ہے کہ آپ کے حلم میں اضافہ ہو اور آپ کا علم آپ کو نفع پہنچائے۔ اور لکھا:

”إن الأرض لا تقدس أحداً و إنما يقدس الإنسان عمله.“

کوئی بھی سرزمین کسی کو مقدس نہیں بناتی، انسان کو اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ (حلیۃ الاولیا، ج:۱، ص:۲۶۳)

دنیا سے بے رغبتی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی بھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر رکھا اور اس کے مطابق اپنی دنیوی زندگی گزارنے کی کوشش کی:

”لتكن بلغة احدكم من الدنيا مثل زاد الراكب.“

تم میں سے ہر شخص کے دنیا سے برتنے کی مقدار ایک مسافر کی زاد راہ جیسا ہونا چاہیے۔

آپ نے دنیا سے کبھی دل نہ لگایا، آپ کے پاس ایک خرقہ تھی، اس کا نصف حصہ بچھاتے اور نصف حصہ اوڑھ لیتے۔ اسی میں لوگوں سے خطاب بھی کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا وظیفہ پانچ ہزار درہم مقرر فرمایا تھا، مگر آپ کو جب اپنا وظیفہ ملتا تو آپ اسے راہ مولیٰ میں خرچ کر ڈالتے اور اپنے ہاتھ کی

محنت سے اپنا خرچ پورا کرتے۔ آپ ٹوکریاں بیچا کرتے تھے۔ ایک درہم میں کھجور کی پتیاں خریدتے اور ٹوکری بنا کر اسے تین درہم میں بیچتے۔ ان تین دراہم میں ایک درہم وہی کھجور کی پتیاں خریدنے میں استعمال کرتے، ایک درہم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے اور ایک درہم صدقہ کر دیتے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:٦٧)

حضرت سلمان فارسی کا اپنا کوئی گھر نہ تھا۔ جہاں کہیں رہتے درختوں اور دیواروں کے سائے میں وقت بسر کر لیتے۔ حضرت حذیفہ نے دیکھا تو انہوں نے گھر بنا دینے کی پیش کش کی جس کے ذریعہ انہیں گرمیوں میں سایہ اور سردیوں میں سکون حاصل ہو، مگر حضرت سلمان فارسی نے اس کو ناپسند کیا تو حضرت حذیفہ نے مزاج بھانپ کر کہا کہ اچھا آپ کے لیے ایک ایسا گھر بناؤں کہ اگر آپ کھڑے ہوں تو سر چھت سے لگے اور جب لیٹیں تو سر ایک دیوار سے اور پاؤں دوسری دیوار سے لگے۔ اس پر سلمان فارسی تیار ہوئے اور اپنی رضا مندی ظاہر کی۔ (حلیۃ الاولیا، ج:۱، ص ۲٦۰، طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:٦٦)

تواضع

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدائن کا امیر اور حاکم مقرر فرمایا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے لباس اور بود و باش میں کچھ فرق نہ آیا۔ یہی وجہ تھی کہ عام لوگ دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ملک شام کا ایک شخص جس کا تعلق قبیلۂ بنی تیم سے تھا، اس کے پاس انجیر کی ایک گٹھری تھی، وہ حضرت سلمان فارسی کو نہ جانتا تھا۔ اس نے ایک اجنبی آدمی سمجھ کر بلایا اور بوجھ اٹھانے کو کہا۔ حضرت سلمان فارسی نے اٹھالیا اور راستہ طے کرنے لگے۔ لوگوں نے جب دیکھا تو آواز لگائی یہ تو امیر ہیں۔ تب اس شخص نے پہچانا مگر حضرت سلمان فارسی نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک منزل تک نہ پہنچا دوں نہ چھوڑوں گا۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:٦٦)

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت سلمان فارسی کے پاس آیا، اس وقت آپ آٹا گوندھ رہے تھے۔ اسے حیرت ہوئی اور تعجب سے پوچھا: خادم کہاں ہے؟ تو حضرت سلمان فارسی نے جواب دیا کہ ہم نے اسے ایک ضرورت کے تحت بھیجا ہے تو ہمیں یہ چیز ناپسند ہوئی کہ اس پر دو کام جمع کریں۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:٦٧، ٦٨)

جرأت حق

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ کپڑے آئے، جنہیں فاروق اعظم نے اس طرح تقسیم فرمایا کہ ہر ایک کے حصے میں ایک کپڑا آیا، پھر حضرت فاوق اعظم منبر پر چڑھے اس وقت آپ کے بدن پر دو کپڑے تھے، فاروق اعظم نے آواز لگائی اے لوگو! کیا تم سنتے نہیں؟ تو سلمان فارسی نے جواب دیا: ہم نہیں سنتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے پوچھا اے ابو عبداللہ! یہ تم کیوں کہہ رہے ہو۔ تو حضرت سلمان فارسی گویا ہوئے کہ آپ نے ہمارے درمیان ایک کپڑا تقسیم کیا جب کہ آپ کے بدن پر دو کپڑے ہیں۔ فاروق اعظم نے جواب دیا اے ابو عبداللہ! جلد بازی مت کرو، پھر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کو آواز لگائی اور ان سے پوچھا کہ اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ان میں سے ایک کپڑا کیا تمہارا نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، تب سلمان فارسی نے کہا۔ اب ارشاد فرمائیں امیر المؤمنین ہم سن رہے ہیں۔ (صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص:۲۷۵)

غزوات وفتوحات میں شرکت

حضرت سلمان فارسی نے سب سے پہلے جس غزوہ میں شرکت کی وہ غزوۂ خندق ہے، جو ۵/ہجری میں واقع ہوئی۔ اس سے پہلے کے غزوات بدر واحد وغیرہ میں آپ کی شرکت اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ ان دنوں آپ غلام تھے۔

خندق کی لڑائی کا یہ طرز عمل حضرت سلمان فارسی ہی کا مشورہ تھا، یہ حملہ خود مدینہ طیبہ پر تھا، کفار ومشرکین بہت بھاری بھرکم لشکر کے ساتھ حملہ کے منصوبہ میں تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اس سلسلے میں مشورہ لیا تو حضرت سلمان فارسی جو ایران میں لڑائی کے اس طریق عمل سے واقف تھے انہوں نے اپنا

مشورہ پیش کیا کہ اتنے بڑے لشکر کا کھلے میدان میں مقابلہ مناسب نہیں، یہ شہر کسی قلعہ سے محفوظ بھی نہیں، اس لیے خندق کھود کر پہلے شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا اور اس کے مطابق جنگ کی تیاری ہوئی، چنانچہ مکہ کے کفار و مشرکین جب جنگ کے ارادے سے یہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، ابو سفیان نے برجستہ کہا کہ ہم سب اس سے ناآشنا تھے۔

خندق کھودنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دس لوگوں پر چالیس گز متعین فرمائے۔ حضرت سلمان فارسی چوں کہ تندرست و توانا انسان تھے اس لیے مہاجرین و انصار میں سے ہر ایک ان کو اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہتا تھا، مہاجرین نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ انصار نے کہا: نہیں، سلمان ہم میں سے ہیں۔ جب رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنا تو ارشاد فرمایا: **سلمان منا اهل البیت**۔ سلمان ہم اہل بیت سے ہیں۔ (سیر أعلام النبلا، ج: ۳، ص: ۳۴۱، حافظ شمس الدین الذہبی، دار الفکر بیروت ۲۰۰۲ء)

یہ حضرت سلمان فارسی کے لیے بہت بڑی فضیلت کی بات ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انہیں اپنے اہل بیت سے شمار فرمایا۔

خندق کھودے جانے کے مرحلے کا یہ حصہ بہت مشہور ہے اور اسے حضرت سلمان فارسی سے نسبت ہے اس لیے اس کا ذکر یہاں مناسب ہوگا کہ خندق کھودنے کے وقت صحابۂ کرام کو ایک سفید پتھر (چٹان) ملا۔ صحابۂ کرام کی کوششوں کے باوجود وہ پتھر نہ ٹوٹ سکا اور معاملہ دشوار نظر آیا تو حضرت عمرو بن عوف نے حضرت سلمان فارسی سے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر انہیں یہ خبر دو۔ حضرت سلمان فارسی حضور کی بارگاہ میں گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے کے درمیان ایک سفید پتھر سامنے آ گیا ہے اور اسے توڑنے میں ہم سب نے اپنی تمام کوششیں استعمال کر لیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ چوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کے لیے نشان لگا دیے تھے اور یہ پتھر اس حد تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا، اس لیے بارگاہ رسالت میں اطلاع دی گئی۔ حضرت سلمان فارسی نے آگے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا تو ہم اس سے تجاوز کر جائیں اور یہی زیادہ آسان ہے یا آپ جو حکم فرمائیں۔

یہ صحابۂ کرام کا جذبۂ تعمیل حکم تھا کہ جو حد بتائی گئی تھی اسے اپنے لیے لازم و ضروری سمجھا اور اس کی تکمیل میں جب رکاوٹ آئی تو سارا معاملہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔

یہ سن کر سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر خود تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں میں کدال لے کر اس چٹان (پتھر) پر تین ضربیں لگائیں جس سے وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور ہر ضرب میں ایک روشنی نکلتی تھی جس کے سبب شام و ایران اور یمن کے شہر روشن ہو گئے اور آپ نے صحابہ کرام کو ان تینوں ملکوں کے فتح ہونے کی بشارت دی۔

عہد فاروقی میں فتوحات میں شرکت

عہد فاروقی کے کئی معرکوں میں پیش پیش رہے۔ خاص طور پر ایران کی فتوحات میں ایرانی اصول جنگ سے واقفیت کے سبب قیادت کا حق ادا کیا۔ ایک موقع پر مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایران کے ایک محل کا محاصرہ کر لیا، اس کے امیر اور قائد حضرت سلمان فارسی ہی تھے۔ مسلمانوں نے اپنے امیر حضرت سلمان فارسی سے حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت سلمان فارسی نے بروقت منع کر دیا اور کہا کہ پہلے مجھے دعوت دینی ہے۔ پھر ایرانیوں سے متوجہ ہو کر خطاب کیا کہ میں تمہارا ہی ہم قوم ایرانی شخص ہوں مگر مجھے اللہ نے ہدایت کی توفیق دی۔ تم عرب کی اطاعت سے بچ نہیں سکتے۔ اگر تم اسلام کے دامن میں آ گئے تو تمہارے لیے وہی حقوق و مراعات ہوں گے جو ہمارے لیے ہیں اور اگر تم جزیہ قبول کرتے ہو تو تمہیں ذمیوں کے حقوق ملیں گے۔ اس پر ایرانیوں کا جواب آیا کہ ہم نہ ایمان قبول کریں گے اور نہ جزیہ دیں گے۔ ہم تو تم لوگوں سے قتال کریں گے۔ اس جواب پر مسلمانوں نے پھر اپنے امیر حضرت سلمان فارسی سے حملہ کی اجازت چاہی، مگر حضرت سلمان فارسی نے اس مرتبہ

بھی منع کر دیا اور ان لوگوں کو تین دنوں تک دعوت دیتے رہے۔ جب تین دن پورے ہو گئے تو حضرت سلمان فارسی نے حملہ کی اجازت دی اور مسلمانوں نے بزور اس محل کو فتح کر لیا۔ (حلیۃ الاولیا، ج:۱، ص:۲۴۶)

سفرآخرت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال خلافت عثمانی میں ایران کے مشہور شہر ''مدائن'' میں ہوا۔ ۳۲ھ آپ کی سن وفات ہے۔ لگ بھگ ڈھائی سو برس کی عمر پائی۔ آپ کا شمار معمرین (زیادہ عمر پانے والوں) میں ہوتا ہے۔ (معرفۃ الصحابہ، ج:۲، ص:۴۵۵، صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص:۲۸۴)

حضرت سلمان فارسی بیمار پڑے تو حضرت سعد بن ابی وقاص، عیادت کے لیے ان کے پاس پہنچے، حضرت سلمان فارسی انہیں دیکھ کر رونے لگے، حضرت سعد بن ابی وقاص نے پوچھا: اے ابو عبد اللہ! آپ کیوں روتے ہیں جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ وہ آپ سے راضی تھے اور اب تو آپ اپنے ساتھیوں سے ملاقات کر لیں گے۔

اس پر حضرت سلمان فارسی نے جواب دیا وہ ان کی دنیا سے بے رغبتی کا بہت بڑا ثبوت اور یاد آخرت سے دل کے معمور ہونے کی روشن دلیل ہے، نیز فرمان رسالت کے سلسلے میں ان کے جذبۂ عمل کو بھی پیش کرتا ہے، انہوں نے کہا:

''واللہ ما أبکی جزعاً من الموت ولا حرصاً علی الدنیا و لکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عھد إلینا عھدا فقال لتکن بلغة احدکم من الدنیا مثل زاد الراکب، وحو لی ھذہ الأ ساود.''

بخدا میں موت کے ڈر اور دنیا کی لالچ کے سبب نہیں روتا ہوں البتہ یہ یاد آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تھی کہ تم میں ہر شخص کے دنیا سے برتنے کی مقدار ایک مسافر کی زاد راہ جیسا ہونا چاہیے، جب کہ میرے ارد گرد یہ سب اشیا ہیں۔

جب کہ روایت میں آیا ہے کہ اس وقت آپ کے پاس ایک بڑا پیالہ، لوٹا

اور کپڑے دھونے کا ٹب کے علاوہ کچھ نہ تھا، جس کی قیمت کا اندازہ بیس درہم لگایا گیا۔ (صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص:۲۸۳)

فتح جلولا میں حضرت سلمان فارسی کو مشک کی ایک تھیلی ملی، اسے اپنی اہلیہ کے پاس پوشیدہ طور پر رکھوا دیا تھا، جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی اہلیہ سے وہ تھیلی منگائی، پھر ایک پیالہ پانی میں اس مشک کو گھول دیا اور اسے اپنے ارد گرد چاروں طرف چھڑک دینے کو کہا اور فرمایا کہ اللہ کی ایسی مخلوق آنے والی ہے جو نہ انسانوں میں سے ہے نہ جنوں سے، وہ محسوس کرتے ہیں کھانا نہیں کھاتے۔ پھر انہوں نے اپنی اہلیہ کو باہر نکل جانے کو کہا۔ وہ نکل گئیں، کچھ دیر بعد آ کر دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۶۹، صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص:۲۸۳)

حضرت عبد اللہ بن سلام کی روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی نے ان سے کہا کہ اے بھائی! ہم میں سے جو کوئی پہلے انتقال کرے تو وہ دوسرے کے خواب میں آئے۔ اس بات پر حضرت عبد اللہ بن سلام کو حیرت ہوئی تو انہوں نے پوچھا کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حضرت سلمان فارس نے جواب دیا! ہاں کیوں کہ مؤمن کی روح آزاد ہوتی ہے زمین میں جہاں کہیں چاہے جائے، اور کافر کی روح قید میں ہوتی ہے۔

حضرت سلمان فارسی کا پہلے انتقال ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام ایک دن دوپہر میں اپنے ایک تخت پر قیلولہ کر رہے تھے کہ ہلکی نیند آ گئی۔ اسی درمیان سلمان فارسی خواب میں آئے اور کہا: **السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته**، حضرت عبد اللہ بن سلام نے جواب دیا اور پوچھا آپ نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ بہتر ہے۔ پھر عبد اللہ بن سلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ توکل کو اپنا کہ یہ بہترین چیز ہے۔ تین بار انہوں نے یہ بات دہرائی۔ (صفۃ الصفوہ، ج:۱، ص:۲۸۴)

منظومِ خراجِ عقیدت

سلام بہ حضور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام   شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شب اسرا کے دولہا پہ دائم درود   نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ بے حد درود   ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم   نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
ان کے مولیٰ کی ان پر کروڑوں درود   ان کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام
پار ہائے صحف غنچہائے قدس   اہل بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام
آب تطہیر سے جس میں پودے جمے   اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر   ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اس بتولِ جگر پارۂ مصطفیٰ   حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے   اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ   جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
حسنِ مجتبیٰ سید الاسخیا   راکبِ دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اس شہید بلا شاہ گلگوں قبا   بیکس دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام
در درجِ نجف مہر برج شرف   رنگِ روئے شہادت پہ لاکھوں سلام
اہل اسلام کی مادرانِ شفیق   بانوان طہارت پہ لاکھوں سلام
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی   اس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام

جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں   ان سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعیں   ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصل نسل صفا وجہ وصل خدا   باب فصل ولایت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن   پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام
جن کے دشمن پہ لعنت ہے اللہ کی   ان سب اہل محبت پہ لاکھوں سلام
اور جتنے ہیں شہزادے اس شاہ کے   ان سب اہل مکانت پہ لاکھوں سلام
غوث اعظم امام التقیٰ و النقیٰ   جلوۂ شان قدرت پہ لاکھوں سلام
شاہ برکات و برکات پیشینیاں   نو بہار طریقت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور   بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سلام بہ حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی قدس سرہٗ

تمہارے سجدے کو کعبہ سلام کہتا ہے
جلال قبۂ خضرا سلام کہتا ہے
چمن کا ہر گل و غنچہ سلام کہتا ہے
حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے
چراغ و مسجد و منبر سلام کہتے ہیں
نبی رسول پیمبر سلام کہتے ہیں
علی و فاطمہ شبر سلام کہتے ہیں
خدا گواہ کہ نانا سلام کہتا ہے
خدا کی راہ میں سر کو کٹا دیا تم نے
نبی کے دین پہ گھر کو لٹا دیا تم نے
نشان کفر کو یکسر مٹا دیا تم نے
تمہیں خدا بھی تمہارا سلام کہتا ہے
ثنا تمہاری وظیفہ ہے میرا آبائی
تمہاری مدح تو شیوہ ہے میرا مولائی
بس اک نظر ہو جو مجھ پر تو میری بن آئی
تمہارا سید شیدا سلام کہتا ہے

”فاطمہ کا چاند مہر آسمانِ اہل بیت“

استادِ زمن مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت
کس زباں سے ہو بیاں عز و شان اہل بیت
مدح گوئے مصطفٰی ہے مدح خوان اہل بیت
ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت
مصطفٰے عزت بڑھانے کے لئے تعظیم دیں
ہے بلند اقبال تیرا دودمانِ اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت
مصطفٰی بائع خریدار اس کا اللہ مشتری
خوب چاندی کر رہا ہے کاروانِ اہل بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحان اہل بیت
پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستان اہل بیت

جمعہ کا دن ہے کتابیں زیست کی طے کر کے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگان اہل بیت
اے شباب فصلِ گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستانِ اہل بیت
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہل بیت
خشک ہو جا خاک ہوکر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبانِ اہل بیت
خاک پر عباس و عثمانِ علمبردار ہیں
بیکسی اب کون اٹھائے گا نشان اہل بیت
تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بے زبان اہل بیت
قافلہ سالار منزل کو چلے ہیں سونپ کر
وارث بے وارثاں کو کاروان اہل بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت
وقت رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگان اہل بیت
ابر فوج دشمناں میں اے فلک یوں ڈوب جائے
فاطمہ کا چاند مہر آسمانِ اہل بیت
بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہل بیت

’’چلی حیات شہیداں کی گفتگو اب تک‘‘

سید ملت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی قدس سرہٗ

افق شفق میں ہے ظاہر وہی لہو اب تک
مہک رہی ہے جہاں میں وہ مشک بو اب تک
حسین نے جو کیا تھا وہ آخری سجدہ
فضا میں گونج رہی ہے صدائے ہو اب تک
جو خوں بہا تھا گلوئے امام سے اس دن
شفق کے روپ میں چمکے ہے وہ لہو اب تک
زمین مشہد اقدس ہنوز گریہ کناں
ہے ذرّہ ذرّہ میں خون نبی کی بو اب تک
وہ ہاتھ جس کو یزیدی اسیر کر نہ سکے
وہ ہاتھ سبط نبی کا ہے با وضو اب تک
ولا تقولوا لمن یقتل کی آیت سے
چلی حیات شہیداں کی گفتگو اب تک
حسینیو! اٹھو کہہ دو ذرا زمانے سے
ہماری قوم میں باقی ہیں جنگ جو اب تک
ہمیں نہ چھیڑو کہ ہم کربلا سے آتے ہیں
رگوں میں دوڑ رہا ہے وہی لہو اب تک
تمہیں ہے نظمی تعلق شہید اعظم سے
سنبھالے بیٹھے ہو دادا کی آبرو اب تک

کربلا۔ایک حکائیہ

(سلطان العاشقین صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی کی نذر)

شرف ملت سید محمد اشرف قادری

نظر اٹھائی تو اک ریت کا سمندر تھا
نگاہ ڈالی تو ہر شخص اک ستم گر تھا
مجھے خبر تھی اسی خاک میں لہو ہوں گا
مگر امید ہے محشر میں سرخرو ہوں گا
عدو کی صف کے پرے ایک دریا بہتا تھا
فرات شرم سے خود پانی پانی ہوتا تھا
کل ہی کی بات ہے مرجھائے گئے تھے دو گل تر
کہ نام ایک کا اکبر تھا ایک کا اصغر
اجاڑ خیمے میں زینب ہیں اور عابد ہیں
فرشتے بولے یہ ہم سے زیادہ ساجد ہیں
اگرچہ پیاسے ہیں پر دل میں جان باقی ہے
وجیہہ چہرے پہ سید کی شان باقی ہے
کہا بہن سے کہ چلتا ہوں اب نہ آوں گا
اب اس کے بعد ہی نانا کو منھ دکھاؤں گا
ہم اپنا زین تمھیں سونپے جاتے ہیں زینب
اسی چراغ سے روشن جہان ہوگا سب
اسی کی پشت میں محفوظ ہے وہ زید شہید
جو ظلم والوں کی مٹی کرے گا خوب پلید
ہمارے بعد طویل اک سفر کروگی تم
اس لیے کہ زیست میں سو مرتبہ مروگی تم
ردائے خاک کو چہرہ ترا چھپانا ہے
ابو تراب کی بیٹی ہو یہ تو ہونا ہے
غرض حسین تھے، دشمن تھے اور تنہائی
اس گھڑی انہیں یاد آئی ماں کی انگنائی
جہاں پر ایک ہی چادر میں پانچ بیٹھے تھے
نجوم و ماہ بھی حیرت سے جن کو تکتے تھے
عجب گھڑی تھی رسالت پناہ تھے گھر پر
علی شیر خدا بھی وہیں تھے بستر پر
وہیں بتول بھی چادر کے نیچے بیٹھی تھیں
حسین حسن سے جواہر کو لے کے بیٹھی تھیں
تبھی بتول نے آقا سے ایک بات کہی
کہ گھر کے کام کو مل جائے ایک باندی ہی

کہ گھر کے کاموں سے یہ نرم ہاتھ چھلتے ہیں
سنا ہے اوروں کو دو دو غلام ملتے ہیں
جو لب خموش تھے دھیمے سے ہم کلام ہوئے
کہ جن کے سننے کو مشتاق ماہ و بام ہوئے
غلام و خادمہ ہم سے کبھی نہ مانگا کرو
تم اہل بیت ہو کہ اللہ پر بھروسہ کرو
خدا کی عزت و عظمت کا درس دیتا ہوں
وظیفہ جان کے پڑھنا میں تم سے کہتا ہوں
علی شیر خدا بعد میں بتاتے تھے
کہ ان حروف کے آگے خزانے پھیکے تھے
تبھی وفور محبت سے سب کو چمٹایا
یہ سارے آل عبا ہیں سبھی کو بتلایا
علی مرتضٰی سردار میری جنت کے
یہ کیا ہیں کس کو خبر ہے ابھی تو چھوٹے ہیں
میان کرب و بلا میں حسین سوچتے تھے
یہ وقت وہ تھا مؤذن اذان بولتے تھے
تبھی حسین نے للکار کر کہا سب سے
کہ میں خموش تھا لیکن کہوں گا اب سب سے
نماز جمعہ کا ہنگام بس اب ہوتا ہے
امام خطبہ میں نانا کا نام لیتا ہے
رسولِ مالکِ ہر دوسرا ہیں نانا مرے
علی مرتضٰی مشکل کشا ہیں بابا مرے
جناب زہرا ہیں ماں اور حسن سا بھائی ہے
زمیں پہ ایسی بھی قسمت کسی نے پائی ہے
یہ سن کے شمر لعیں کانپنے لگا یکسر
کیا تھا چہرے کو ٹیڑھا کہ مل نہ جائے نظر
حسین نعرۂ اللہ پڑھ کے آگے بڑھے
عدو بھی رہ گئے اس لمحہ بس کھڑے کے کھڑے
کسی کی کیا چلے کیا ایسے ویسے وار تھے وہ
علی کے بیٹے تھے مختار ذوالفقار تھے وہ
پھر ایک وقت وہ آیا کہ لوح پہ لکھا تھا
نبیٔ غیب بیاں نے بتا کے رکھا تھا
یہ خاک جانچنا سودہ یہاں رہو کہ کہیں
ہمارے لاڈلے کے خوں سے سرخ ہوگی زمیں
حسین گھوڑے سے اترے زمیں پہ سجدہ کیا
نماز فرض کا حق تھا وہیں پہ پورا کیا
امام بولے مرا سر تو مرے ہاتھ میں ہے
ارے او شمر لعین تو اسی کی گھات میں ہے
حلق پہ وار نہیں کر سکے گا نا ہنجار
حلق نے میرے پکارا ہے اسم پروردگار
تری مجال کہ تو مجھ سے آنکھ کر سکے چار
جو سر کو لینا ہے پیچھے سے میری گردن مار
مری شہادت عظمٰی حق کا وہ شہکار
کہ میری ہار بھی ہے فتح تیری جیت بھی ہار
حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے
خدا گواہ کہ نانا سلام کہتا ہے

تمہیں خدا بھی تمہارا سلام کہتا ہے
تمہارا سید شیدا سلام کہتا ہے(۱)
شہید اور بھی ہیں پر یہ حق تمہارا ہے
جہاں میں جو بھی ہے سچا یہی پکارا ہے
وقارِ خونِ شہیدانِ کربلا کی قسم
یزید مورچہ جیتا ہے جنگ ہارا ہے(۲)

(۱) سلام کے یہ چار مصرعے عم محترم حضور سید العلماء مارہروی کے ہیں۔

(۲) یہ دو مصرعے پنڈت دیوا کر راہی کے ہیں۔

”درس ہے وہ شانِ تسلیم و رضا میرے لئے“

قاضی غلام سجاد بسملؔ بدایونی علیہ الرحمۃ

تا قیامت سہل ہے ہر ابتلا میرے لئے
درس ہے وہ شانِ تسلیم و رضا میرے لئے

اے حسین ابن علی اے صاحب حسن جلی
اب بھی تیری یاد ہے دل کی جلا میرے لئے

موجب رد قضا ہے بالیقیں میری دعا
تھا مگر درس رضائے بالقضا میرے لئے

فضل حق تیرا کرم ہے اے کریم ابنِ کریم
نعمتِ باری کرم کی التجا میرے لئے

آرزو ہے بیکسی میں دستگیری آپ کی
ہیں یہاں سب آشنا نا آشنا میرے لئے

بحر غم میں کیوں توسل ہو نہ آل پاک سے
ہے کہاں مامن سفینے سے جدا میرے لئے

تیرہ دل ہوں تیرہ جاں ہوں اک نگاہِ مہر ہے
اصطفا اے مصطفینِ مصطفیٰ میرے لئے

مہر محشر سے نگاہ مہر کا طالب نہیں
ہے بہت کافی وہ دامانِ قبا میرے لئے

حشر میں بے عیب اٹھنے کا یقیں آئے مجھے
ہو اگر مدفن زمین کربلا میرے لئے

سیدین طیبینِ نوجوانانِ جناں
ہیں غم ہر دو جہاں میں غمزدا میرے لئے

آپ کے دست کرم میں نعمتِ دارین ہے
مجرم و محتاج ہوں عفو و عطا میرے لئے

مہر برلب دست و پا دشمن قیامت ہے یہ حال
آپ فرما دیں شفاعت سیدا میرے لئے

چار یارو پنجتن کا ذکرِ سامی ہے کلید
ہشت جنت کے ہیں در سجادؔ وا میرے لئے

”حسن کا منتہی نبی عشق کی انتہا حسین“

سید عابد علی عابؔد بریلوی علیہ الرحمۃ

عشق کا مدعا نبی، حسن کا مقتضیٰ حسین   حسن کا منتہیٰ نبی عشق کی انتہا حسین
چشم و چراغ سیدہ نور نگاہ مصطفیٰ   قرۃ عین مصطفیٰ عاشق کبریا حسین
شاہ گروہ اولیا ابن علی مرتضیٰ   جانِ نبی الانبیا، نازش کبریا حسین
بابِ علوم مصطفیٰ ہست علی مرتضیٰ   نائب مرتضیٰ حسن وارث لافتیٰ حسین
حافظ دین مصطفیٰ راہ نما و مقتدا   کشتیٔ حق کا ناخدا بندہ حق نما حسین
زینب دوش مصطفیٰ، رونق عرش کبریا   نازش مصطفیٰ حسین نازش کبریا حسین
ظلِ نبی و ظل حق نور نبی و نور حق   مرد خدا و شیر حق فاتح کربلا حسین
واقف راز زندگی سوز و گداز زندگی   وجہ بقائے زندگی زیست کا مدعا حسین
شاہ سوار کربلا کشتۂ کرب و صد بلا   صبر و رضا کا منتہیٰ خضر رہ وفا حسین
راہِ خدا میں سر دیا دین کو زندہ کر دیا   برحق کی مہم کو سر کیا، مرحبا مرحبا حسین
راحت قلب بے کساں، مرحم زخم خستہ جاں   مشکل کشائے دو جہاں دافع ہر بلا حسین
خالق کل نے بخش دی اپنے نبی کو کائنات   تم کو نبی نے کر دیا سرورِ دوسرا حسین
مشکلیں سہل ہوگئیں، سر سے بلائیں ٹل گئیں   جس نے پکارا یا علی جس نے پکارا یا حسین
عشق کو وجد آ گیا حسن بھی مسکرا دیا   لب پہ جو نام آ گیا، دل نے جو کہہ دیا حسین
میں ہوں فقیر و بے نوا، تم ہو کریم و بادشاہ   میں ہوں مرید خاکپا، تم ہو مراد یا حسین

بندہ زار رانگر عابؔد خستہ را نگر
چشم کرم بمن نما جان و دلم فدا حسین

”اب ظلم سوچتا ہے کہ بیعت کہاں سے لائے“

عرفان صدیقی، بدایونی مرحوم و مغفور

دست تہی میں گوہر نصرت کہاں سے لائے
عرفان تم یہ درد کی دولت کہاں سے لائے

پانی نہ پائے ساقی کوثر کے اہل بیت
موج فرات اشک ندامت کہاں سے لائے

سب دین ہے خدا کی سو ہر دودمان شوق
چادر کہاں سے لائے ولایت کہاں سے لائے

لو ہاتھ اہل صبر و رضا نے کٹا دیئے
اب ظلم سوچتا ہے کہ بیعت کہاں سے لائے

میں آل خانہ زاد علی ان کا ریزہ خوار
قسمت نہ ہو تو کوئی یہ نسبت کہاں سے لائے

ہاں اہل زر کے پاس خزانے تو ہیں بہت
مولیٰ کا یہ فقیر ضرورت کہاں سے لائے

’’کربلا تجھ کو شہادت کا چمن کہتے ہیں‘‘

یاور وارثی، کانپور

خاک کو تیری شہیدوں کا وطن کہتے ہیں
کربلا تجھ کو شہادت کا چمن کہتے ہیں

سونگھتے تھے جنہیں سرکار دوعالم اکثر
ان گلابوں کو حسین اور حسن کہتے ہیں

بھائی کے واسطے اولاد جو قرباں کردے
ایسی بے مثل محبت کو بہن کہتے ہیں

خونِ اولادِ پیمبر نے جو پیغام دیا
اس کو اسلام کے سورج کی کرن کہتے ہیں

کربلا جس کے تبسم سے ہے روشن اب تک
اسی اصغر کو تو مہتابِ بدن کہتے ہیں

فاتح بابِ ولایت ہے اسی کا بابا
جس کو سردارِ جناں ، شاہ زمن کہتے ہیں

کربلا والوں کی لکھی ہوئی تاریخ کو ہم
قاطع سلسلۂ رنج و محن کہتے ہیں

رشک صد لعل و گہر ہیں لب و رخسار حسین
ہم ہی کیا اہل یمن اہل عدن کہتے ہیں

مدح حسنین میں یاور نے لہو تھوکا ہے
کس لئے لوگ اسے ماہر فن کہتے ہیں

’’سیرت حسنین شرح مصحف روئے علی‘‘

مولانا محمد قاسم حبیبی برکاتی

فاطمہ زہرا امین نکہت خوئے علی
سیرت حسنین شرح مصحف روئے علی

سینۂ گل میں ہے روشن جیسے خوشبوئے علی
یوں بساط ذہن پر تابندہ ہے خوئے علی

بھر کے کاسہ کربلا کا خون سے بولے حسین
تشنہ کامان وفا آؤ یہ ہے جوئے علی

روشنی پھیلا رہا ہے کون دشت لطف میں
آفتابِ آسماں یا مصحف روئے علی

پی کے پیمانہ شہادت کا یہ دی حر نے صدا
میں ہوں قطرہ اب سفر ہوگا مرا سوئے علی

تاکتے ہیں اب بصد حسرت مجھے شمس و قمر
مل گیا میری جبیں کو ذرۂ کوئے علی

فاطمہ شبیر و شبر زینت خلد کرم
حسن محراب جناں محراب ابروئے علی

معترف ہیں بابِ خیبر کے سبھی نقش و نگار
موجزن ہے اب بھی ہر سو زور بازوئے علی

ٹھوکروں میں اس کی ہوگا بالیقیں تاج شہی
جس کو بھی قاسم یہاں مل جائے گا موئے علی